تاریخِ اسلام کے مسخ کردہ حقائق

www.KitaboSunnat.com

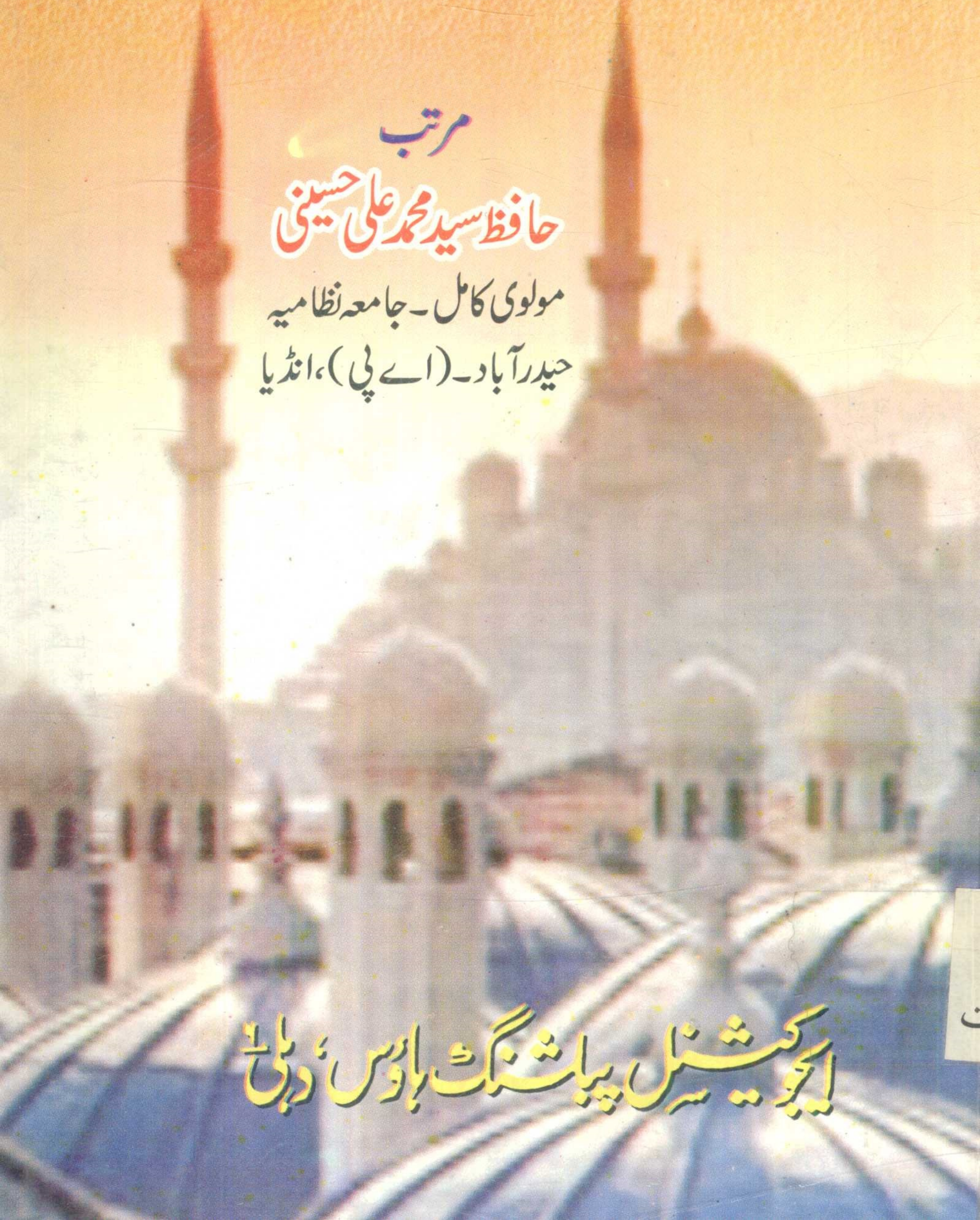

مرتب

حافظ سید محمد علی حسینی

مولوی کامل ۔ جامعہ نظامیہ

حیدرآباد ۔ (اے پی)، انڈیا

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- **کتاب وسنت ڈاٹ کام** پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- **مجلس التحقیق الاسلامی** کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- **دعوتی مقاصد** کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

تاریخِ اسلام کے مسخ کردہ حقائق

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاریخِ اسلام کے مسخ کردہ حقائق

مرتب

حافظ محمد سیّد محمد علی حسینی

مولوی کامل۔ جامعہ نظامیہ، حیدر آباد (اے۔ پی)

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

۱۔ تفصیلاتِ کتاب .... الف
۲۔ فہرست مضامین .... ب
۳۔ عرض مصنف .... ج

(۱) خاندان بنی عبد شمس اور بنی ہاشم ۱
(۲) خلافت ۱۶
(۳) خلفاء راشدین کون ہیں ۳۲
(۴) ہماری تاریخ اسلام ۳۷
(۵) حضرت ابوسفیان بن حرب ۴۸
(۶) امیر زیاد بن ابی سفیان ۵۹
(۷) حضرت مروان بن حکم اموی ۷۰
(۸) امیر المومنین حضرت معاویہ بن ابی سفیان ۸۳
(۹) امیر یزید بن معاویہ بن ابی سفیان ۹۶
(۱۰) حضرت عبداللہ بن زبیر اسدی قریشی ۱۴۲
(۱۱) سبط رسول حضرت حسین ابن علی ہاشمی قریشی ۱۶۱
(۱۲) حضرت عمار ابن یاسر ۱۸۲
(۱۳) مسلم بن عقیل بن ابی طالب ہاشمی ۱۸۹
(۱۴) مختار بن ابی عبید ثقفی ۱۹۶
(۱۵) امیر حجاج بن یوسف ثقفی ۲۰۹

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عرضِ مصنف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ...... اَمَّا بَعْدُ!

جن حضرات کے ہاتھوں میں یہ کتاب پہنچے گی مجھے یقین ہے کہ ان میں سے بیشتر حضرات اس کو ایک نئی اور قابلِ قبول تحقیق قرار دیں گے اور بنظرِ استحسان ملاحظہ فرمائیں گے۔ بہت سارے حضرات ایسے بھی ہوں گے جو اس کتاب کو ایک فتنہ، اُمت میں افتراق پیدا کرنے کی سازش اور دشمنانِ اسلام سے ملی بھگت کا ثبوت اور اللہ جانے کیا کیا نام دیں گے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب تک اس کتاب کو ٹھنڈے دل اور غیر جانبدارانہ انداز میں پوری نہ پڑھ لیں صحیح رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ اس سے قبل بھی میری ایک کتاب ''دین تصوف وطریقت'' کے بارے میں یہی صورت پیش آچکی ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر بے شمار قارئین کی آنکھیں کھل گئیں اور انھوں نے اعتراف کیا کہ یہ چیزیں ابتک ہم سے پوشیدہ تھیں۔ بہتیرے حضرات فیصلہ نہ کر سکے کہ اب کیا رائے قائم کی جائے۔ مدتوں سے جو باتیں دماغ میں پتھر کی لکیر کی طرح راسخ ہوگئی تھیں ان کا دماغ سے آسانی کے ساتھ محو ہونا نہایت مشکل تھا۔ ہمارے ایسے کرم فرما...... ھَدَاھُمُ اللّٰہُ...... بھی تھے جنھوں نے کتاب خرید کر نذرِ آتش کر دیا۔ اس خیال سے کہ کتاب رہے گی تو لوگ پڑھ کر بھٹک جائیں گے۔ سو روپے میں کتاب خرید کر جلا دینا جس سے لوگ گمراہی سے محفوظ رہیں ان کے خیال میں عنداللہ نفع کا سودا تھا۔ ان کے بارے میں، میں اس کے سواء کیا کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انھیں نیک توفیق دے، جو بات حق اور معقول ہو اس کو قبول کرنے کی اِن میں صلاحیت پیدا فرمائے۔

''قتل'' دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک، شخص کا قتل، دوسرے شخصیت کا قتل جس کا دوسرا نام ''کردار کشی'' بھی ہے۔ جب کسی ایسے شخص کا قتل ہوتا ہے جو بالکل بے قصور اور معصوم ہو اور اپنے حُسنِ خلق اور حُسنِ عمل کی بنا پر مقبول ہو تو اس پر بے شمار دل غمگین اور آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں۔ کسی مجرم کو سزائے موت دی جاتی ہے تب بھی موقتی طور پر مرنے والے سے دل میں ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے ہر مقتول شخص کسی نہ کسی حد تک ہمدردی کا مستحق ہو جاتا ہے۔ شخصیت کے قتل کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ جن کی شخصیتوں کا قتل ہوتا ہے یا بالفاظ دیگر جن کی کردار کشی ہوتی ہے وہ مرنے کے بعد بھی لوگوں کی نظر میں معتوب اور مبغوض رہتے ہیں۔ جن اشخاص یا قوموں کا فاسق و فاجر اور ظالم و مجرم ہونا ٹھوس اور نا قابل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انکارِ ثبوت کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے ان کی ''شخصیت کے قتل'' یا کردار کشی کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ قومِ نوح، قومِ نمرود، قومِ لوط اور قومِ فرعون وغیرہ کے حالات قرآن مجید میں جابجا ملتے ہیں۔ اِن قوموں کو فاسق و فاجر، ظالم و مجرم مانا جائے تو یہ حقیقت کا اعتراف و اقرار ہے۔ تاریخ اسلام میں بہت ساری شخصیتیں ایسی گذری ہیں جن کا واقعۃً فاسق و فاجر اور ظالم و مجرم ہونا بالکل مشتبہ ہے۔ روایات اور واقعات پر ٹھنڈے دل سے غور کرکے ہی ہم فیصلہ کرسکتے ہیں کہ کن شخصیتوں کی اغراض و مفادات حاصلہ کی خاطر کردار کشی کی گئی ہے۔ میرے نزدیک حقیقی مظلوم وہ شخصیتیں ہیں جن کی کردار کشی اس حد تک کی گئی کہ آج تک اُمّت کی اکثریت اِن پر لعنت و ملامت کرتی ہے۔ خلفاء بنوامیہ اور ان کے اعوان و انصار کو اس مظلومیت کا بہت بڑا حصہ ملا۔ تاریخ اسلام میں مظلوم ترین خاندان اگر کوئی ہے تو وہ بنوامیہ کا خاندان ہے اور ان کے اعوان و انصار ہیں۔

میں نے زیر نظر کتاب میں حتی الامکان ان کتابوں کے حوالے دیئے ہیں جو بازار میں بآسانی دستیاب ہیں۔ قارئین کی سہولت کی خاطر کتاب کا صفحہ نمبر تک دے دیا ہے۔ بعض قدیم کتابیں میرے پاس نہیں ہیں لیکن ان کتابوں کے حوالے مجھے ایسی کتابوں سے ملے ہیں جن پر مجھے اعتماد ہے۔ بہت سارے مقامات پر میں نے واقعات کو سامنے رکھ کر قارئین کو دعوتِ غور و فکر دی ہے۔ اس لئے کہ بہت سارے مسائل غور و فکر ہی سے حل ہوجاتے ہیں۔ میں نے اس کتاب میں تاریخ اسلام کی اہم شخصیتوں میں سے (۱۱) کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ ضمناً اور بھی شخصیتوں کے حالات پر روشنی ڈالی ہے اور بساط بھر کوشش کی ہے کہ حالات کا صحیح نقشہ قارئین کے سامنے رکھوں۔ میں اپنی اِس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوسکا ہوں یہ اہل دانش و بینش قارئین ہی فیصلہ فرماسکتے ہیں۔ کتاب کس حد تک صحیح خطوط پر مرتب کی گئی ہے اور کس حد تک مفید قوم و ملت ہے اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کتاب میں جس حد تک بہتری اور افادیت ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہے اور جس حد تک اس میں نقص اور خرابی ہے وہ میری طرف سے ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری کوتاہیوں اور فروگذاشتوں سے درگذر فرمائے اور اس کتاب کو قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

احقر العباد
حافظ سید محمد علی حسینی
مولوی کامل۔ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد

تاریخ: ۲۱/ اپریل ۲۰۰۶ء روزِ جمعہ

مصنف کا پتہ: مکان نمبر 17-9-175/A۔ فلیٹ نمبر 2۔ کرما گوڑہ، سعید آباد، حیدرآباد (اے پی) 59
فون نمبر: 24571284، سیل نمبر 9885686425

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاندان بنی عبدشمس اور بنی ہاشم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے دادا عبد مناف قریش کے ذی اثر اور بااختیار سردار تھے۔ ان کے کئی بیٹے تھے۔ سب سے بڑے بیٹے عبدشمس اور سب سے چھوٹے بیٹے ہاشم تھے۔ عبدشمس کے بیٹے امیہ، ہاشم کے ہم عمر تھے۔ اس چیز کو نگاہ میں رکھا جائے تو وہ روایت جس میں بیان کیا جاتا ہے کہ عبدشمس اور ہاشم، توام اور جڑواں پیدا ہوئے تھے یا امیہ اور ہاشم توام اور جڑواں پیدا ہوئے تھے اور ان دونوں کو تلوار سے جدا کیا گیا جس کی بنا پر ان کی اولاد میں باہمی تلوار چلتی رہی، بالکل غلط ثابت ہوتی ہے۔ بعد کے واقعات بتاتے ہیں کہ ان دونوں خاندانوں میں ہمیشہ ہی خلوص ومحبت اور اتحاد و یگانگت کے تعلقات رہے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی کبھی نزاعات و اختلافات بھی ہوئے جیسے ہر خاندان میں نزاعات و اختلافات ہوا کرتے ہیں۔ عبدشمس کا باپ کی زندگی میں انتقال ہو گیا تھا۔ عبد مناف کی وفات کے بعد وراثت کے لئے ہاشم اور امیہ میں اختلاف ہوا۔ رؤسائے قریش نے عبد مناف کے منصب کو دو حصوں میں تقسیم کر کے خانہ کعبہ کی نگرانی اور حجاج کی خبر گیری ہاشم کے ذمہ کی اور قریش کے لشکر کی سپہ سالاری امیہ کے سپرد کی۔ اس کے بعد ہاشم کے فرزند عبدالمطلب اور امیہ کے فرزند حرب میں خدمتوں کے مسئلہ پر پھر نزاع ہوئی۔ اس موقعہ پر حضرت عمر فاروق کے دادا نفیل بن عبدالعزیٰ کو حکم بنایا گیا۔ نفیل کے فیصلہ کو فریقین نے بطیبِ خاطر قبول کر لیا۔ اس طرح معمولی نزاعات جو عام طور پر چچازاد بھائیوں میں ہوا کرتی ہیں وہ ہوتی تھیں لیکن جلد ہی سنجیدگی کے ساتھ مسائل حل کر لئے جاتے تھے۔

عبدشمس کی اولاد ''عبشمی'' اور ہاشم کی اولاد ''ہاشمی'' کہلاتی ہے۔ یہ دونوں خاندان آپس میں اس قدر متحد اور متصل تھے کہ دنیا کی کوئی قوت ان کے درمیان خطِ فاصل کھینچنے سے قاصر تھی۔ یہ دو درخت تھے جن کی ٹہنیاں آپس میں اس قدر پیوست ہو چکی تھیں کہ ان کو جدا کرنا محال تھا۔ اس کی ایک مثال یوں سمجھی جا سکتی ہے کہ دو انسان ایک دوسرے سے بالکل لگے ہوئے کھڑے ہوں کہ اگر ایک پر کیچڑ کی بوچھاڑ کی جائے تو دوسرا بھی کیچڑ میں پوری طرح شرابور ہو جائے۔ عبشمیوں پر سب وشتم کیا جائے تو ہاشمی بھی اس کی زد میں آ جاتے ہیں اور ہاشمیوں پر سب وشتم کیا جائے تو عبشمی بھی اس سے بچ نہیں سکتے۔ عبدالمطلب بن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہاشم اور حرب بن امیہ میں بڑی دوستی تھی۔ عبدالمطلب نے اپنی بیٹی صفیہ کا بیاہ حرب کے فرزند حارث سے کیا تھا، اور اپنے فرزند عبدالعزیٰ (ابولہب) کا بیاہ حرب کی بیٹی ام جمیل سے کیا تھا۔ یہ ابولہب اور ام جمیل وہی معتوب و مغضوب میاں بیوی ہیں جن کے بارے میں سورۂ لہب نازل ہوئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا عتاب بھی ہوا تو ہاشمی اور اموی اس عتاب میں برابر کے شریک ہوئے۔ حرب نے طویل عمر پائی، عبدالمطلب کے بعد بھی عرصہ تک زندہ رہے۔ ہمارے زمانے میں جیسے بچوں کو قرآن مجید شروع کرانے سے پہلے "تسمیہ خوانی" کی رسم رائج ہے اور کسی بزرگ خاندان سے بچے کو "بسم اللہ" پڑھائی جاتی ہے اسی طرح عرب میں بچوں کو جب پہلی بار ہاتھ میں تلوار دی جاتی تھی تو کسی بزرگ خاندان کے مبارک ہاتھوں سے دی جاتی تھی اور یہ شمشیر زنی کا پہلا سبق ہوتا تھا۔ یہ تفاول لیا جاتا تھا کہ بچہ بڑا ہو کر بہترین شمشیر زن نکلے گا، چنانچہ حضرت علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب کے ہاتھوں میں سب سے پہلے اس وقت کے بزرگ خاندان جناب حرب بن امیہ نے تلوار تھمائی اور شمشیر زنی کا پہلا سبق دیا تھا اور دنیا جانتی ہے کہ حضرت علی کس قدر نامی گرامی شمشیر زن تھے۔ اگرچہ کہ اس کا حوالہ مجھے نہیں مل رہا ہے لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے کسی مستند کتاب میں یہ پڑھا ہے۔ پھر بھی قارئین کے اطمینان کی خاطر وہ حوالہ پیش کرتا ہوں جس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ سیرت ابن اسحٰق جس کی تحقیق و تعلیق مشہور عالم دین ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب مرحوم نے کی تھی اور جس کو الہدیٰ پرنٹرس نے مارچ ۲۰۰۱ء میں شائع کیا ہے۔ اس کے صفحہ نمبر ۲۶۵ پر یہ ذکر ہے کہ جب حضرت حسن پیدا ہوئے تو حضرت علی نے نام "حرب" رکھا تھا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "حسن" سے بدل دیا اور پھر جب حضرت حسین پیدا ہوئے تب بھی یہی صورت پیش آئی، حضرت علی نے اس مرتبہ بھی "حرب" ہی نام رکھا تھا جس کو آپ نے لفظ "حسین" سے بدل دیا۔ سوال یہی ہے کہ حضرت علی کو "حرب" نام سے اس قدر دلچسپی کی کیا وجہ تھی۔ یہی نا کہ آپ بچپن ہی سے جناب حرب بن امیہ کی شخصیت سے متاثر تھے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حرب نام کی کوئی مذمت نہیں فرمائی بلکہ حرب نام کی لفظی مناسبت سے "حسن" نام تجویز فرمایا۔

عبدالمطلب کے بیٹے ابوطالب اور امیہ کے پوتے مسافر بن عمرو بن امیہ بڑے گہرے دوست تھے۔ اسی طرح حضرت عباس بن عبدالمطلب اور حضرت ابوسفیان بن حرب میں بھی بڑی دوستی تھی جو حضرت ابوسفیان کیلئے دنیا اور آخرت میں سرخروی اور قابل رشک مدارج علیا کا سبب بنی۔ حارث بن عبدالمطلب اور حارث بن حرب بن امیہ میں بھی بڑی دوستی تھی اور محبت تھی۔

حضرت عقیل بن ابی طالب بن عبدالمطلب اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان بن حرب میں اس قدر دوستی تھی کہ عین میدان صفین میں حضرت عقیل، حضرت معاویہ کے کیمپ میں موجود تھے اور دونوں میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوستانہ بے تکلفی اور نوک جھونک ہوتی رہتی تھی۔ اس کیمپ میں ایک روز حضرت معاویہ نے فرمایا: اے اہل شام! تم جانتے ہو وہ ابولہب جس کے بارے میں سورہ لہب نازل ہوئی وہ کون تھا، وہ اس عقیل کا چچا تھا۔ اب حضرت عقیل کیا چپ رہنے والے تھے۔ انھوں نے بھی فرمایا: اے اہل شام! تم جانتے ہو کہ ابولہب کی عورت جو لکڑیوں کے گٹھے اٹھاتی تھی وہ کون تھی؟ وہ اس معاویہ کی پھوپی تھی۔

حضرت عقیل کی زوجہ فاطمہ بنتِ عتبہ، حضرت معاویہ کی خالہ تھیں ان ہی کے بطن سے مسلم بن عقیل تھے۔ جناب عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب اور جناب یزید بن معاویہ بن ابی سفیان بھی آپس میں گہرے دوست تھے۔ جناب عبداللہ کی صاحبزادی سیدہ ام محمد جناب یزید کی زوجہ تھیں اور یہ سیدہ ام محمد، سیدہ زینب بنت علی کے بطن سے تھیں اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ کی نواسی تھیں۔

جناب عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کی والدہ سیدہ ھند بنت ابی سفیان بن حرب تھیں۔ یہ عبداللہ غیر معمولی حد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے۔ جناب عبداللہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شبیہ تھے۔ جناب مروان بن حکم نے اپنی خلافت کے زمانے میں ان کو مدینہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔

خاندان بنی ہاشم کے ایک اور بزرگ ہیں عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم، ان کی والدہ سیدہ ام الحکم بنت زبیر بن عبدالمطلب بن ہاشم تھیں۔ گویا ان کے والد ربیعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور والدہ ام الحکم آپ کی چچازاد بہن تھیں اور یہ حضرت طرفین سے ہاشمی تھے۔ حضرت مرتضیٰ کی شہادت کے بعد حضرت معاویہ کے پاس دمشق چلے گئے اور تاحیات وہیں رہے اور وہیں وفات پائی۔ جناب یزید ابن معاویہ سے بڑی محبت رکھتے تھے اور وفات کے وقت انھوں نے یزید کو اپنا ''وصی'' بنایا اور ان ہی کے عہد کے ابتدائی دنوں میں وفات پائی۔ یہ چند مثالیں صرف ابتداء ہیں اور جیسا کہ آگے آئے گا ان دونوں خاندانوں میں آپسی مناکحت و مصاہرت کے اتنے تعلقات ہو گئے کہ شائد ہی کوئی عبشمی ہو جس کے بدن میں ہاشمی خون نہ ہو اور شائد ہی کوئی ہاشمی ہو جس کے بدن میں عبشمی خون نہ ہو۔

اب آیئے دیکھیں کہ عبشمیوں کے بارے میں کیسی کیسی باتیں گھڑی گئی ہیں تا کہ عام اور ناخواندہ مسلمانوں میں اس خاندان سے سخت نفرت پیدا ہو اور یہ بھی دیکھیں کہ ان من گھڑت باتوں سے خود بنی ہاشم یعنی خاندان نبوت ورسالت پر کیا اثر پڑتا ہے۔

ایک ''محقق بصیر'' جناب فروغ کاظمی اپنی کتاب الخلفاء بجواب ''المرتضیٰ'' حصہ دوم میں لکھتے ہیں:

''اموی خاندان کا بانی امیہ عبدشمس کا بیٹا نہیں بلکہ ایک رومی غلام تھا، اس کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصل نام ذکوان تھا، ولدیت نامعلوم ہونے اور پست، حقیر وکمتر ہونے کی وجہ سے لوگ اسے امیہ کہہ کر پکارتے تھے، چنانچہ وہ اسی نام سے مشہور ہو گیا اس کی اولاد بنی امیہ کہلائی۔ (صفحہ ۲۱۹)

اُمیہ کے بارے میں آگے لکھتے ہیں:۔

وہ پستہ قد، کرنجا، چندھا اور انتہائی بدشکل ہونے کے ساتھ ساتھ عبد شمس کا غلام بھی تھا...... (صفحہ ۲۲۰)

لیکن تاریخی حقیقت یہ ہے کہ جب روسائے قریش کے سامنے عبد مناف کے بعد ہاشم اور امیہ میں منصب کی تقسیم پر نزاع ہوئی تو حاضر الوقت روسائے قریش میں سے کسی نے بھی امیہ سے نہیں کہا کہ تم تو غلام ہو وارث کیسے ہو سکتے ہو؟ روسائے قریش نے ''عقاب'' یعنی لشکر قریش کی سپہ سالاری کا منصب امیہ کو کیسے دیدیا اور ہاشم نے بھی اس فیصلے کو کیسے قبول کر لیا؟ کیا روسائے قریش کی عقلوں پر پتھر پڑے ہوئے تھے کہ اپنے لشکر کی سپہ سالاری کا اہم منصب ایک پست، حقیر، کمتر، پستہ قد، کرنجا اور چندھا اور مجہول النسب غلام کے سپرد کر دیں اور ہاشم کی ہاشمیت، غیرت وحمیت نے کیسے اس دھاندلی کے آگے سر تسلیم خم کر لیا؟

ہمارا خیال ہے کہ جناب محقق بصیر فردغ کاظمی صاحب نے اس نکتہ پر غور نہیں کیا، اگر غور کرتے تو امیہ کے بارے میں اتنا اندھا دھند قلم نہ چلاتے یا پھر ہمارے سوالات کے بھی کچھ نہ کچھ اوٹ پٹانگ جواب ضبط تحریر میں لاتے۔

کاظمی صاحب شائد یہی کہہ سکیں گے کہ یہ وہی صورت حال تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی کو پیش آئی تھی کہ سارے ہی حاضر الوقت صحابہ نے باتفاق حضرت ابوبکر کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ حضرت ابوبکر کی (معاذ اللہ، نقل کفر کفر نہ باشد) پوری نا اہلی اور عدم استحقاق کے باوجود خلافت قائم ہوگئی اور حضرت علی کے لئے ''طوعاً وکرھاً'' اس کو قبول کئے بغیر چارہ نہ رہا اس لئے کہ کوئی ساتھ دینے والا نہ تھا۔ تو جو مجبوری اور بے بسی ہاشم کی تھی وہی مجبوری اور بے بسی وراثۃً حضرت علی کے حصہ میں بھی آئی۔ ہاشم نے بھی ایک نااہل اور غیر مستحق کی ترجیح اور اپنے حق کی پامالی پر اپنے سینے پر پتھر رکھ کر صبر کر لیا اور حضرت علی بھی ایسی ہی صورت حال پر خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

میرے نزدیک کاظمی صاحب کا یہی جواب ہو سکتا ہے لیکن اگر کاظمی صاحب حق تحقیق ادا کرتے ہوئے کوئی بصیرت افروز جواب فراہم کریں تو انشاء اللہ اس پر غور کیا جائے گا۔

حق کی پامالی اور بے تحاشا دھاندلی پر کسی شریف آدمی کا صرف اس وجہ سے صبر کر لینا کہ سب ایک طرف ہو چکے ہیں اور کوئی میرا ساتھ دینے والا نہیں ہے شرافت، عزیمت، جرأت وحمیت اور حوصلہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مندی کے خلاف ہے۔ سارے ہی انبیاء علیہم السلام کی پاک سیرتیں اس بات کی گواہ ہیں کہ انھوں نے حق کی آواز اٹھائی توان کا ساتھ دینے والا کون تھا یا تھے بھی تو کتنے تھے لیکن کسی نبی نے بھی مخالف صورت حال سے مرعوب ہو کر خاموشی اختیار نہیں کی۔ مخالف صورت حال سے مرعوب ہو کر خاموشی اختیار کر لینا بے حمیتی، بزدلی، ڈرپوک پن کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک جناب ہاشم اور حضرت علی کا دامن ان بے وقار اور کمینہ خصائل سے بالکل پاک ہے۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ جناب امیہ، عبدشمس کے صحیح النسب فرزند تھے۔ شاندار قد و قامت اور پُر وقار و جاہت کی بنا پر بنوعبد مناف میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ ان کے دس فرزند سب ہی "اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْهِ" کی مصداق میں شان و شوکت کے حامل تھے اور امیہ پوری طرح مستحق تھے کہ قریش کے باوقار منصب "عقاب" کے حامل ہوں۔ اس لئے ہاشم نے بھی بخوشی اپنے بھتیجے کی سپہ سالاری کو قبول کر لیا۔ بالکل اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی بلاشبہ "اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِیَآءِ" اور "صدیق اکبر" تھے۔ خلافت بلافصل، وصایت وراثت رسول کے بلاشرکت غیرے اہل تھے۔ اس لئے نہ صرف دیگر صحابہ کرام نے بلکہ خود حضرت علی نے بطیبِ خاطر آپ کی بیعت واطاعت قبول فرمائی اور تادم زیست آپ کی مدح میں رطب اللسان، مخلص و خیر خواہ اور حامی و دوست راست رہے۔

تغمد اللہ جمیع اصحاب رسولہ بالرحمۃ والرضوان وجزاھم اللہ عنا وعن سائر المومنین جزاء لاتعدولاتحصیٰ

کسی عبشمی پر کیچڑ اُچھالا جائے تو ہاشمی بھی اس کی زد میں آ جاتے ہیں۔ اس کی فی الوقت ایک مثال پیش کرتے ہوئے ہم آگے بڑھیں گے۔

امام معصوم شہید مظلوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی سیرت پاک کا ایک "مرقع" پیش کرتے ہوئے فروغ کاظمی صاحب نے جس طرح "دروغ کو فروغ" دیا ہے وہ قابل دید ہے۔ لکھتے ہیں:-

- وہ ایک پست حقیر و ذلیل خانوادے کے چشم و چراغ تھے (الخلفاء حصہ دوم صفحہ ۲۲۱)
- حضرت عثمان کے باپ عفان بن العاص سے اپنا دل بہلانے کے لئے لوگ مخنث کا کام لیا کرتے تھے۔ (ایضاً)
- چونکہ باپ مخنث (نامرد) تھا اور ماں فاحشہ اس لئے یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ حضرت عثمان اروی بنت کریز کی گود میں کیونکر پہنچے اور ابن عفان کیونکر بن گئے۔

(صفحہ ۲۲۳)

- آپ کے والد ماجد دُفالی اور مخنث پیشہ شریف تھے اور جملہ مجہول و معیوب الانساب میں آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ باپ کے مجہول ہونے کے علاوہ آپ کی ماں بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجہول الاسم تھیں۔

حضرت عثمان بھی عبشمی ہیں اور ان کی والدہ محترمہ سیدہ اُروٰی بنت کُریز بھی عبشمی ہیں۔ ان دونوں کے بارے میں کاظمی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ہاشمی شرف پر کیا زد پڑتی ہے، ملاحظہ فرمایئے۔ انھوں نے سیدہ اُروٰی کو (نقل کفر کفر نہ باشد) ''فاحشہ'' لکھا ہے۔ پھر لکھا ہے کہ وہ ''مجہول الاسم'' تھیں۔ سیدہ اُروٰی کو کُریز کی بیٹی نہ تسلیم کرتے ہوئے اور ان کی ماں (حضرت عثمان کی نانی) پر بھی فحاشی کا واضح الفاظ میں الزام لگاتے ہوئے موصوف کا ہاتھ کانپ گیا۔ ورنہ سیدھی سی بات ہے کہ ان کو مجہول الاسم کہنا اس صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ ان کے حقیقی باپ کا اتہ پتہ نہ ہو، اور باپ کا جو نام بتایا جارہا ہے (یعنی کُریز) وہ صحیح نہیں ہے۔ اس طرح کاظمی صاحب گول مول انداز کہہ رہے ہیں کہ ماں بھی فاحشہ تھی اور نانی بھی فاحشہ تھی۔ اب حضرت عثمان کی ماں اور نانی کون تھی یہ دیکھ لیجئے۔

حضرت عثمان کی نانی بیضاء بنت عبدالمطلب بن ہاشم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی تھیں۔ آپ کے والد عبداللہ، چچا ابوطالب اور یہ بیضاء ایک ہی ماں کے بطن سے عبدالمطلب کی اولاد تھے۔ مزید براں یہ بیضاء اور عبداللہ (والد رسول اللہ) توام پیدا ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کی پھوپی کی اولاد کو مجہول الاسم کہہ کر خود پھوپی کو فاحشہ قرار دینا اور ان کی صاحبزادی کو کھلے الفاظ میں فاحشہ کہنا کیا کسی ایسے شخص کا کام ہوسکتا ہے جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی سے ذرا سی بھی عقیدت ومحبت ہو۔

کاظمی صاحب ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ کوئی شخص خود ان کی محترمہ پھوپی صاحبہ اور محترمہ پھوپی زاد بہن صاحبہ کے بارے میں اس قسم کی گستاخی کرے اور فحش کاری کا الزام دے تو کیا آپ اس کو اپنا مخلص دوست سمجھ کر گلے لگالیں گے اور اس ''حق گوئی'' پر اس کی پیشانی چوم لیں گے؟ آپ میں حمیت و غیرت ہے کہ آپ اپنے قریبی عزیز خاتون پر اس قسم کا الزام برداشت نہیں کرسکتے (برداشت کرسکتے ہیں تو اور بات ہے) تو کیا آپ اللہ کے رسول اور اللہ کے شیر کو اتنا بے حمیت سمجھتے ہیں کہ ان کی پھوپی اور پھوپی زاد بہن پر اتنا شرمناک الزام لگانے کے باوجود وہ آپ کو اپنا مخلص شیعہ اور سچا محب سمجھیں گے؟

سیدہ اُروٰی بنت کُریز سبقت فی الاسلام اور ہجرت سے مشرف تھیں۔ فتح مکہ سے قبل ہی مدینہ آگئی تھیں۔ اپنے فرزند حضرت عثمان کے عہد خلافت میں مدینہ منورہ میں انتقال فرماگئیں۔ رضی اللہ عنہا۔

نقل کفر کفر نہ باشد، باپ کو ڈفالی، مخنث اور نامرد اور ماں کو فاحشہ کہتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں کہ عثمان، اُروٰی بنت کریز کی گود میں کیسے پہنچ گئے اور ابن عفان کیسے بن گئے؟ یہ لکھتے ہوئے موصوف کو ایک لمحہ کے لئے یہ خیال نہیں آیا کہ یہی عثمان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہیں بلکہ یکے بعد دیگرے دو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحبزادیاں آپ کے عقد میں آئیں۔ ان دونوں صاحبزادیوں کے بارے میں بعض دل جلوں نے لکھ مارا کہ یہ خدیجہ کے پہلے کافر شوہروں کی اولاد تھیں یا خدیجہ کی بہن کی یتیم لڑکیاں تھیں جو خدیجہ کے زیر پرورش تھیں لیکن "الفضل ماشهدت به الخصماء" کی مصداق میں اللہ تعالیٰ نے بعض متند شیعہ علماء کے قلم سے لکھوادیا کہ یہ دونوں صاحبزادیاں یعنی سیدہ رقیہ الزہراء اور سیدہ ام کلثوم الزہرا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلبی صاحبزادیاں اور ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے تھیں اور یہ دونوں یکے بعد دیگرے حضرت عثمان بن عفان سے بیاہی گئیں۔ ملا باقر مجلسی نے حضرت جعفر صادق کی روایت بیان کرتے ہوئے کھلے الفاظ میں لکھا ہے کہ زینب الزہرا بنت رسول اللہ، ابوالعاص بن ربیع اموی سے بیاہی گئیں اور سیدہ رقیۃ الزہراء اور سیدہ ام کلثوم الزہراء، عثمان بن عفان اموی سے بیاہی گئیں۔ (حوالے کے لئے ملاحظہ ہو" حیات القلوب ج ۲، صفحہ ۲۴۶) صفحہ ۵۵۹، مجالس المومنین از قاضی نوراللہ شوستری مجلس ۳ منتہی الآمال فی تواریخ النبی والال از شیخ عباس قمی، ج ۱)

اب اگر حضرت عثمان کی وہ حیثیت تسلیم کی جائے جو فروغ کاظمی صاحب نے لکھی ہے تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خاندان بنی ہاشم کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے گی جنھوں نے ایسے شخص کو دامادی کے لئے قبول کیا۔ فروغ کاظمی صاحب اپنے جذبہ حمیت و غیرت کو فروغ دیتے ہوئے سوچیں کہ اگر آپ کی صاحبزادی بلند اقبال کے لئے کسی ایسے نوجوان کا پیام آئے جس کا باپ ڈفالی، مخنث اور نامرد ہو اور اس کی ماں فاحشہ اور مجہول الاسم ہو تو کیا آپ اس پیام کو "سنت رسول" سمجھ کر قبول کرلیں گے؟

بغرض محال یہ مان لیا جائے کہ سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم ام المومنین خدیجہ الکبریٰ کے پہلے کافر شوہروں کی اولاد تھیں یا بہن کی یتیم لڑکیاں تھیں، یا ماں باپ کے باہمی اختلافات کی وجہ سے بے سہارا ہوکر ام المومنین کے ہاں رہ گئی تھیں تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے اخلاق کریمانہ اور خصائل حمیدہ سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ بے سہارا، مجبور و بے کس لڑکیوں کو تو ایسے شخص سے بیاہ دیں جس کا نام و نسب جناب فروغ کاظمی صاحب نے پیش کیا ہے اور اپنی چہیتی اور لاڈلی بیٹی فاطمہ کو ایک عالی نسب، طیب و طاہر، کرار، غیر فرار شخص سے بیاہ دیں۔ بے سہارا اور مجبور لڑکیوں کے ساتھ نبی کا یہ سلوک اور اپنی خاص نور نظر کے ساتھ امتیازی سلوک نبی کی کیا تصویر پیش کرتا ہے؟ وہ نبی جو رحمۃ للعلمین ہیں، غریبوں اور بے کسوں کا ماویٰ و ملجا ہیں۔ کیا دشمنان اسلام اس تضاد پر ہنسیں گے نہیں کہ ایک طرف تم نبی کو غریبوں اور بے کسوں کا ماویٰ و ملجا کہتے ہو دوسرے طرف نبی کا یہ عمل پیش کرتے ہو؟

یہ تو صرف ایک نمونہ ہے ورنہ بہت سی مثالیں ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عبشمیوں کی تحقیر و توہین سے ہاشمیوں پر بھی پوری زد پڑتی ہے۔ ہاشمیوں سے عقیدت و محبت اسی وقت صحیح ہوسکتی ہے جبکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبشمیوں کے بارے میں بھی اپنے ذہن کو صیقل کیا جائے اور ناروا بغض وعداوت کے زنگ کو دور کیا جائے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے عبد مناف کے انتقال کے بعد ہاشم بن عبد مناف اور امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف میں منصب کی وراثت کے بارے میں اختلاف ہوا، روسائے قریش نے ہاشم کو سقایہ اور رفادہ کی ذمہ داری دی اور امیہ کو ''عقاب'' یعنی لشکر قریش کی سپہ سالاری سپرد کی۔ ہاشم کا اصل نام ''عمرو'' تھا۔ یہ بڑے معزز اور دولت مند آدمی تھے۔ حاجیوں کی ضیافت کے لئے روٹیوں کو چور کر شوربہ میں ملا کر کھلانے کا طریقہ رائج کیا جس کی وجہ سے ان کا نام ''ہاشم'' (چورنے والا) پڑ گیا۔ انھوں نے ہی سب سے پہلے قریش کی گرمیوں اور جاڑوں کے تجارتی سفروں کا آغاز کیا اور یہ وہی سفر ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے سورۂ قریش میں ذکر فرمایا ہے۔ ایک تجارتی سفر میں ہاشم ملک شام جارہے تھے راستہ میں یثرب (موجودہ مدینہ منورہ) میں ٹھہرے اور یہاں خاندان بنونجار کی خاتون سلمٰی بنتِ عمرو سے عقد کیا۔ سلمٰی حاملہ تھیں کہ یہ شام کی طرف روانہ ہوگئے اور وہاں سے فلسطین گئے، شہر غزہ میں پہنچ کر ان کا انتقال ہوگیا۔ سلمٰی سے ۷۹۴ء میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس پیدائشی یتیم کے سر کے بال سفید تھے، لوگوں نے اس کا نام ''شیبہ'' (بوڑھا) رکھا۔ یہ لڑکا اپنی ننھیال میں قریب دس بارہ سال تک پرورش پاتا رہا۔ مکہ والوں کو اس کی کوئی خبر نہیں تھی۔ ہاشم کے بعد ان کے بھائی مطلب ہاشم کے منصب کے وارث ہوئے۔ یہ بڑے فیاض اور سیر چشم آدمی تھے۔ جب انھیں علم ہوا کہ ہاشم کا ایک فرزند یثرب میں ہے تو یہ یثرب گئے اور اپنے یتیم بھتیجے کو مکہ لے کر آئے اور بڑے پیار و محبت سے پرورش کی۔ لوگ عام طور پر کہنے لگے کہ یہ مطلب کا غلام ہے اس کو ''عبد المطلب'' کہنے لگے، مطلب کہتے تھے نہیں یہ میرا بھتیجا ہے، مطلب نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹوں کو چھوڑ کر عبد المطلب کو ہاشمی مناصب کا وارث کیا۔ عبد المطلب نے آگے چل کر جو اعزاز حاصل کیا اس پر ''ذَالِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ'' ہی کہا جاسکتا ہے۔

سرداران قریش میں امیہ بھی بڑی شان وشوکت کے حامل رئیس تھے۔ ان کی شاندار وجاہت، مؤثر قد وقامت، فنون حرب وضرب کی مہارت کی بناپر ''عقاب'' کا اہم منصب ان کے سپرد تھا۔ امیہ کے بعد ان کے بڑے فرزند حرب (حضرت معاویہ کے دادا) قریش کے علمبردار ہوئے۔ ان کے زمانے میں عکاظ، حرب فجار میں جو قریش اور دوسرے قبائل سے جنگیں ہوئیں حرب ہی علمبردار تھے۔ حرب کے بعد ان کے فرزند ابوسفیان (حضرت معاویہ کے والد) اس منصب کے حامل ہوئے۔ مسلمان ہونے تک قریش کے یہی علمبردار تھے۔ جنگ بدر کے وقت یہ مکہ میں موجود نہیں تھے۔ اس لئے ان کی جگہ بنو امیہ ہی کے ممتاز رکن عتبہ بن ربیعہ جو ابوسفیان کے خسر تھے قریش کے علمبردار تھے۔ اس خاندان میں تجارتی قافلوں کی سرداری بھی تھی۔ چنانچہ جنگ بدر کے وقت قریش کا جو تجارتی قافلہ شام گیا تھا اس کے ابوسفیان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی امیر قافلہ تھے۔ایک اور سفر میں جو صلح حدیبیہ کے بعد ہوا، وہ مشہور واقعہ پیش آیا جس میں ہرقل شاہ روم نے ابوسفیان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوالات کیے تھے۔تجارت کی وجہ سے بنوامیہ کا خاندان بڑا دولت مند تھا۔حضرت عثمان کے والدعفان بھی ایک آسودہ حال تاجر تھے۔ان کی تجارت زیادہ تر شام کی طرف ہوتی تھی۔ایسے ہی ایک تجارتی سفر میں شام میں بیمار ہوکر وفات پا گئے۔سیدہ اروىٰ بنت کریز کے بطن سے ان کے ایک فرزند حضرت عثمان اور ایک صاحبزادی سیدہ آمنہ تھے۔حضرت عثمان بھی ایک متمول تاجر تھے۔اسلام لانے کے بعد ان کی ساری دولت اسلامی خدمات کے لئے وقف تھی جس سے خوش ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بڑی بشارتیں دیں۔

اسلام لانے اور اسلامی خدمات میں سرگرمی دکھانے میں بنوامیہ کسی سے پیچھے نہیں بلکہ آگے ہی رہے۔ابتداء اسلام میں جبکہ بنو ہاشم کے چار افراد مشرف بہ اسلام ہوئے تھے یعنی حضرت علی، حضرت حمزہ، حضرت جعفر طیار، حضرت ابوعبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم، اس وقت قریب دس عبشمی حضرات نے اسلام قبول کیا تھا۔وہ یہ ہیں۔

- حضرت عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبدشمس
- حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس
- سعید بن عاص بن امیہ بن عبدشمس کے چار فرزند، خالد، عمرو، حکم، ابان
- ام حبیبہ بنت ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبدشمس
- ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط بن ابی عمرو بن امیہ بن عبدشمس
- حضرت عثمان کی والدہ اروىٰ اور ان کی بہن سُعدىٰ بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدشمس رضی اللہ عنہم

قبول اسلام کے بعد ان حضرات کو دشمنان اسلام کے بڑے مظالم سہنے پڑے۔حضرت عثمان کو ان کے چچا حکم بن ابی العاص نے اذیتیں دیں۔جب دین پر ان کی استقامت دیکھی تو چھوڑ دیا۔حضرت ابوحذیفہ تو اس عتبہ کے بیٹے تھے جو جنگ بدر میں لشکر کفار کا علمبردار تھا۔انھوں نے باپ کی سزائیں برداشت کیں اور ہجرت پر مجبور ہوگئے۔حبشہ کو ہجرت کرنے میں ہاشمیوں میں سے ایک مرد یعنی جعفر طیار اور ایک خاتون سیدہ رقیہ الزہراء بنت رسول اللہ تھیں اور عبشمیوں سے دو مرد حضرت عثمان اور حضرت ابوحذیفہ اور ایک خاتون ام حبیبہ بنت ابی سفیان تھیں۔جنگ بدر میں سب سے پہلے ایک ہاشمی ابوعبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم نے شہادت پائی اور عبشمیوں میں سب سے پہلے حکم بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبدشمس نے شہادت پائی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عہد رسالت میں بنو امیہ کی عمدہ صلاحیتوں سے کام لیا گیا۔ اس مبارک عہد میں ان کی خدمات اس لحاظ سے تھیں۔

- عتاب بن اسید بن ابی العیص بن امیہ بن عبد شمس گورنر مکہ تھے۔ اس وقت ان کی عمر (۲۱) سال تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق کے انتقال کے روز ہی عین جوانی میں وفات پا گئے۔
- ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس نجران کے والی تھے۔ منات بت کو توڑنے کا کام انھوں نے انجام دیا۔
- یزید بن ابی سفیان ۔تماء کے گورنر تھے۔
- معاویہ بن ابی سفیان بن حرب کو حضرموت پر متعین کیا گیا تھا۔ یہ کتابت وحی اور تبلیغ اسلام کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔
- خالد بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبد شمس صنعاء پر متعین تھے۔
- عمرو بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبد شمس کے ذمہ تبوک، خیبر اور فدک کی نگرانی تھی۔ یہ بدری صحابی تھے۔
- ابان بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبد شمس بحرین کے عامل تھے۔
- ولید بن عقبہ بن ابی معیط بن ابی عمرو بن امیہ بن عبد شمس، بنی المصطلق کے عامل تھے۔
- ۹ھ میں ابوسفیان بن حرب کو ''لات'' نامی بت توڑنے کے لئے طائف بھیجا گیا۔ انھوں نے بت کو مسمار کر دیا اور کثیر مال لا کر خدمت نبویؐ میں پیش کر دیا۔
- ۱۰ھ میں خالد بن سعید بن عاص اور حضرت علی کو یمن روانہ فرمایا۔
- ۷ھ میں ابان بن سعید بن عاص کو خیبر روانہ فرمایا اس کے بعد خود تشریف لے گئے۔ ابان ماہ شوال ۸ھ میں غزوہ، طائف میں شہید ہوئے۔
- عثمان بن عاص بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس طائف اور اس کے ملحقات کے نگران تھے۔

جنگ بدر میں قریش کی طرف سے سب سے پہلے علمبردار لشکر عتبہ، اس کا بھائی شیبہ اور بیٹا ولید جنگ کے لئے نکلے۔ مورخین نے اس کو اس انداز میں پیش کیا کہ گویا بنو امیہ ہی اسلام دشمنی میں سب سے پیش پیش اور سرگرم تھے۔ حالانکہ عتبہ اپنے موروثی منصب کی بنا پر علمبردار لشکر تھا اور پھر یہ تاریخی حقیقت ہے کہ عتبہ نے جنگ کو ٹالنے کی پوری پوری کوشش کی تھی اور قطعاً نہیں چاہتا تھا کہ جنگ ہو اور اس میں اپنے ہی لوگ ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل ہوں۔ قریش کی طرف سے بنو ہاشم کا پہلا شخص جو جنگ میں مقتول ہوا وہ ابو طالب کا سب سے بڑا بیٹا طالب تھا۔ لیکن لوگوں نے اس کو چھپا دیا اور طالب کے بارے میں کچھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہانیاں مشہور کر دیں تا کہ اس ننگ بنی ہاشم کی پردہ پوشی کی جائے۔ بنو امیہ میں جو شخص سب سے زیادہ اللہ اور رسول کے نزدیک معتوب و مغضوب تھا وہ عقبہ بن ابی معیط تھا۔ جنگ بدر کے قیدیوں میں تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔ بنو ہاشم میں سے بھی جس شخص نے اللہ کے رسول کو سخت تکلیف پہنچائی، ہجو کی، تحقیر و تضحیک کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا وہ ابولہب کے بعد اس کا بھتیجا ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب تھا، یہ صاحب آپ کے ہم عمر اور دودھ شریک بھائی بھی تھے۔ اعلان نبوت تک ایک مخلص دوست یار جاں نثار کی طرح تھے، لیکن اعلان نبوت کے ساتھ ہی کایا پلٹ گئی۔ ساری دوستی دشمنی میں بدل گئی۔ فتح مکہ تک ایک سخت معاند اسلام کی طرح سرگرم تھے۔ جب یہ نادم و شرمسار ہو کر بغرض بیعت حاضر ہوئے تو آپ نے اجازت نہیں دی، صورت دیکھنا بھی گوارا نہ فرمایا۔ آخر امہات المومنین کی سفارش اور خود ان کی فریاد و بکا نے اثر دکھایا، دریائے رحمت جوش میں آیا، طلبی ہوئی اور نعمت ایمان سے سرفرازی ہوئی۔ ''اَسَدُ اللہِ وَ اَسَدُ رَسُوْلِہٖ'' کا خطاب عطا ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا ایک نمایاں عنوان ''اَلْحُبُّ لِلہِ وَ الْبُغْضُ لِلہِ'' ہے۔ آپ نے جس سے بھی محبت رکھی وہ صرف اللہ کے لئے رکھی اور جس سے بھی بغض رکھا وہ صرف اللہ کے لئے رکھا۔ اس بارے میں آپ نے یہ نہیں ملحوظ رکھا کہ فلاں میرا اقربی عزیز ہے اس سے کسی طرح محبت ہی رکھوں اور فلاں دوسرے قبیلے کا اس سے نفرت ہی رکھوں۔ اپنے چچا ابولہب سے اس کی اسلام دشمنی کی بناء پر سخت ناراض تھے۔ اس کے ایک بیٹے عتیبہ نے آپ کے ساتھ سخت گستاخی کی تو آپ نے اس کو بد دعا دی جس کی بنا پر ایک شیر نے اس کو چیر پھاڑ کر ہلاک کر دیا۔ ابوطالب آپ کے حقیقی چچا اور سرپرست تھے۔ انھوں نے آپ کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی تھی لیکن جب وہ کافر مرے تو آپ نے جا کر انھیں دیکھا بھی نہیں اور حضرت علی کو حکم دیا کہ باپ کو دفن کر دیں اور غسل کر کے میرے پاس آئیں۔ ابولہب کی اولاد نے اسلام قبول کر لیا تو آپ نے ان کے ساتھ شفقت و محبت کا معاملہ کیا۔ ابوجہل، عتبہ، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف، عاص بن وائل وغیرہ جیسے کچھ دشمنان اسلام اور دشمنان رسول تھے وہ اظہر من الشمس ہے جب ان کے فرزندوں یعنی عکرمہ ابی جہل، شیبہ بن عتبہ، خالد بن ولید، صفوان بن امیہ اور عمرو بن عاص نے اسلام قبول کر لیا تو آپ نے ان سب کو اپنا رفیق خاص بنا لیا۔ دور جاہلیت کے قبائلی تعصب سے آپ مبرا اور منزہ تھے۔ قبائلی رقابت آپ کو چھو کر نہیں گئی تھی۔ اب آیئے اس حدیث پر غور کریں جو ''مشکوۃ المصابیح'' باب مناقب قریش و ذکر القبائل الفصل الثانی میں درج ہے:

عن عمران بن حصین قال مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یکرہ ثلاثۃ احیاءٍ، ثقیف، وبنی حنیفۃ وبنی اُمیّہ. (بحوالہ ترمذی)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: عمران بن حصین نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک تین قبیلوں کو ناپسندیدہ رکھتے تھے، ثقیف، بنو حنیفہ اور بنو امیہ۔

مشکوٰۃ کے ایک شارح نے صراحت کی ہے کہ آپ کی ناپسندیدگی ثقیف سے حجاج بن یوسف ثقفی کی وجہ سے، اور بنو حنیفہ سے مسیلمہ کذاب کی وجہ سے اور بنو امیہ سے عبیداللہ بن زیاد کی وجہ سے ہے۔ مزید یہ صراحت یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا ثقیف میں ایک کذاب اور ایک مُبیر (ہلاکت برپا کرنے والا) ہوگا۔ کذّاب سے مراد مختار بن عبید ثقفی اور مُبیر سے مراد حجاج بن یوسف ثقفی ہے۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ مختار اور حجاج نے زمانہ رسالت نہیں پایا، اسی طرح مسیلمہ کذاب نے اگرچہ کہ یہ زمانۂ رسالت میں موجود تھا لیکن بعد وفات رسول سر اُٹھایا تھا، اور عبیداللہ بن زیاد بھی وفات رسول کے بعد کی پیداوار ہے۔ ایسی صورت میں یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ آپ صرف ایک دو اشخاص کے ناپسندیدہ ہونے اور وہ بھی آئندہ زمانے میں پیدا ہونے والے ہونے کی بنا پر ان کے پورے قبیلہ سے ہی ناپسندیدگی رکھیں۔ مشکواۃ کی اسی فصل میں روایت ہے کہ آپ نے بنو ثقیف کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی۔ بنو ثقیف کے سردار عروہ بن مسعود ثقفی کو آپ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے ہم شبیہ فرمایا۔ ان کے خاندان سے بنو ہاشم کے ازدواجی تعلقات بھی ہوئے جس کی صراحت حسب ذیل ہے۔

۱- عروہ بن مسعود ثقفی کی صاحبزادی ام سعید حضرت علی کی زوجہ تھیں۔

۲- ابوسفیان بن حرب کی بیٹی آمنہ جو ھند بنت عتبہ بن ربیعہ کے بطن سے تھیں وہ عروہ بن مسعود ثقفی کے حبالۂ عقد میں تھیں اور دوسری بیٹی میمونہ عروہ کے فرزند مُرہ بن عروہ کی زوجہ تھیں۔ ان میمونہ کی بیٹی اُمّ لیلیٰ بنتِ مُرہ حضرت حسین بن علی بن ابی طالب کی زوجہ تھیں جن کے بطن سے ایک صاحبزادہ ''علی'' تھے جو علی اکبر کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو ثقیف اور بنو امیہ سے تا حیات ناراض تھے تو پھر حضرت علی اور حضرت حسین نے ان دونوں خاندانوں سے ازدواجی تعلقات کیسے قائم کئے؟

یہ ماننے بغیر چارہ نہیں ہے کہ ترمذی کی مذکورہ حدیث حقائق کے خلاف اور سبائی فیاکٹری کی مصنوعات میں سے ہے۔ کسی حدیث کو تسلیم کرنے کے لئے حقائق اور واقعات پر بھی نظر ڈالنا ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین صاحبزادیوں یعنی سیدہ زینب، سیدہ رقیہ اور سیدہ اُم کلثوم کو عبشمیوں میں بیاہ دیا اور ایک صاحبزادی سیدہ فاطمہ ہاشمی کو دی۔ ازواج مطہرات میں ایک ام المومنین (سیدہ ام حبیبہ) عبشمی ہیں۔ کسی ہاشمی خاتون کو ام المومنین ہونے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ خاندان بنو عبد شمس کو آپ سے مصاہرت و مناکحت کا جو شرف حاصل ہے وہ قریش کے کسی خاندان بلکہ بنو ہاشم کو بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل نہیں ہے۔

بنو ہاشم اور بنو امیہ کے باہمی خلوص و محبت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوسکتا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ اموی کے بیٹے شیبہ کی کنیت ابو ہاشم تھی، ان ابو ہاشم شیبہ کی بیٹی ام ہاشم، یزید بن معاویہ بن ابی سفیان کی زوجہ تھیں، یزید کے فرزند خالد بن یزید جو ان ام ہاشم کے بطن سے تھے انھوں نے اپنی کنیت ''ابو ہاشم'' رکھ لی، اس طرح ہاشم کے نام کو بنو امیہ کے افراد نے نہیں چھوڑا۔ حضرت عقیل بن ابی طالب کی کنیت ''ابو یزید'' تھی۔ حضرت جعفر طیار بن ابی طالب کے فرزند عبداللہ بن جعفر طیار کے ایک فرزند کا نام معاویہ تھا۔ ان معاویہ بن عبداللہ کا فرزند عبداللہ بن معاویہ ہاشمی تاریخ میں ایک نمایاں شخصیت ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب کو ''حرب'' سے جو دلچسپی تھی اس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ قریش کے سرداروں میں عبد مناف سب سے زیادہ ذی اثر اور بااختیار سردار تھے۔ وہ مکہ میں ''شیخ الشیوخ'' کی حیثیت رکھتے تھے اور باقی قریش ان کی سرداری پر متفق تھے۔ عبد مناف کے بعد ان کے پوتے امیہ نے یہی مقام حاصل کیا۔ عبد مناف کی اولاد ''بنو عبد مناف'' کہلاتی تھی۔ اس وقت بنو ہاشم اور بنو امیہ کی تقسیم کا کوئی تصور نہیں تھا اور یہ خاندان باہم متحد اور ایک جان تھا۔ ہاشم اور امیہ کی اولاد ایک دوسرے کے ''ابن عم'' یعنی چچازاد بھائی کہلاتے تھے اور اسی لحاظ سے ایک دوسرے کی حمایت پر کمربستہ رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم اور ابوسفیان بن حرب بن امیہ آپس میں ہم عمر ہونے کی بناء پر بچپن کے دوست تھے۔ ان تینوں حضرات میں گہرے برادرانہ تعلقات تھے۔ ابتداء اسلام میں جب کہ قریش کے دیگر سردار آپ کی دشمنی میں سرگرم تھے تو آپ زیادہ تر ابوسفیان ہی کے مکان میں پناہ لیتے تھے۔ آپ نے فتح مکہ کے موقعہ پر ابوسفیان کے مکان کو ''دارالامان'' قرار دیا اس لئے کہ یہ مکان خود آپ کے لئے دارالامان تھا۔ ''ابن عم'' کا تصور ہاشم اور امیہ کی اولاد میں نازک حالات میں بھی قائم رہا۔ جنگ صفین کے دوران میں قیصر روم نے اسلامی سرحد پر فوجیں جمع کیں تاکہ مسلمانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھائے۔ اس اطلاع پر حضرت معاویہ نے قیصر روم کو جو خط لکھا ہے اس میں ''البدایہ والنہایہ'' کی روایت کے مطابق یہ الفاظ ہیں۔

...... **لاصطلحن انا وابن عمی علیک** ...... یعنی میں اور میرے چچا کے بیٹے (علی) تیرے خلاف صلح کرلیں گے۔

علامہ ابن کثیر نے ''البدایہ والنہایہ'' میں اور مشہور شیعہ عالم علامہ شریف مرتضیٰ نے ''کتاب الشافی'' میں لکھا ہے کہ حضرت حسین نے کربلا میں حضرت عمر بن سعد کے سامنے جو شرطیں رکھی تھیں اس میں سے ایک شرط کے الفاظ یہ تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

او ان اضع یدی علیٰ یدیزید فھو ابن عمی لیریٰ فی رایہ: (ترجمہ) میں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتا ہوں وہ میرے چچا کا بیٹا ہے میرے بارے میں وہ اپنی رائے قائم کرلیگا۔

بعض روایتوں میں "فھو ابن عمی" کے الفاظ نہیں ہیں۔لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ حضرت حسین کے ارشاد میں یہ الفاظ ضرور ہوں گے اس لئے کہ یہ الفاظ خلاف حقیقت نہیں ہیں اور بنوعبدمناف کے مزاج کے عین مطابق ہیں۔

جس زمانے میں حضرت عبداللہ بن زبیر اپنی خلافت کے لئے جدوجہد کررہے تھے اور اکابروقت پر دباؤ ڈال رہے تھے حضرت عبداللہ بن عباس نے ان کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور بنو عبدمناف کی حیثیت سے وہ اموی خلیفہ ہی کی بیعت پر قائم رہے۔ایک موقعہ پر ان کے الفاظ یہ تھے۔

وان کان لایدلان یربنی بنو عمی احب الی من ان یربنی غیرھم ...... یعنی اگر میرے لئے کسی کے زیر پرورش ہونا ہی ہے تو مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میرے چچا کی اولاد (بنوامیہ) میری پرورش کرے مجھے یہ پسند نہیں کہ دوسرے میری پرورش کریں۔(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ البرءۃ) ہاشمی بزرگوں نے حضرت ابن زبیر کی شخصی عظمت وفضیلت کے اعتراف کے باوجود اموی خلیفہ کی بیعت کو ترجیح دی اور بنوامیہ کے زیرِ پرورش رہنا پسند کیا۔مختار ثقفی نے بھی اپنے وقت میں حضرت محمد بن علی بن ابی طالب (ابن الحنفیہ) اور حضرت علی بن حسین زین العابدین کو اپنے ساتھ ملانے کی بڑی کوشش کی۔اس کا قاتلانِ حسین سے انتقام کا نعرہ ان دونوں حضرات کے لئے جذباتی حیثیت کا نعرہ تھا اس کے باوجود ان بزرگوں نے اس کا ساتھ نہیں دیا اور اموی خلیفہ کی بیعت پر قائم رہے۔مختار نے حضرت زین العابدین کی خدمت میں ایک کثیر رقم بطور نذرانہ یا بطور "رشوت" روانہ کی۔آپ نے اس کو قبول کرنے میں کراھت محسوس فرمائی اور آپ یہ رقم اس کو واپس کرنا بھی نہیں چاہتے تھے چنانچہ آپ نے خلیفہ وقت عبدالملک بن مروان کو کہلا بھیجا کہ یہ رقم آپ کسی کے ذریعہ منگوالیں۔عبدالملک نے جواباً لکھا: یاابن عمّ! اس کو میری طرف سے بخوشی قبول فرمالیجئے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہاشمی اور اموی سادات آپس میں کتنے متحد اور ایک جان تھے۔ حضرت ابن عباس، حضرت محمد اور حضرت زین العابدین کے یہ واقعات جو بیان کئے گئے ہیں وہ لازماً واقعہ کربلا کے بعد کے ہیں۔جن سے یہ بات یقینی ہوجاتی ہے کہ یہ حضرات اموی خلافت کو واقعہ کربلا کا ذمہ دار نہیں سمجھتے تھے۔سوچنے کی بات ہے کہ حضرت ابن عباس حضرت محمد بن علی اور حضرت زین العابدین سے زیادہ تعلق حضرت حسین سے کس کا ہوسکتا ہے لیکن یہ حضرات واقعہ کربلا کے بعد بھی اموی خلیفہ سے وابستہ رہے۔ان بزرگوں نے نہ تو یزید کے خلاف بغاوت کرنے والوں کا ساتھ دیا اور نہ مختار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بن عبید ثقفی کا ساتھ دیا۔ مختار کے ہاتھوں تکلیف اٹھائی لیکن اپنی بات پر ثابت قدم رہے۔ یہ ایسے تاریخی حقائق ہیں جو ایک متلاشی حقیقت کو دعوت فکر دیتے ہیں۔

سارے ہی ملک عرب میں قریش کی سیاست وقیادت مسلّم تھی اور قریش میں عبد مناف کی سیادت وقیادت مسلّم تھی۔ عبد مناف کی اولاد میں امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام عطا فرمایا تھا وہ اظہر من الشمس تھا، امیہ کے انتقال کے بعد بنو عبد مناف میں سے اللہ تعالیٰ نے محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف کو اپنا آخری رسول، بشیر و نذیر اور سراج منیر بنا کر مبعوث فرمایا اس طرح بنو عبد مناف پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں تمام کر دیں۔ ابتدائے اسلام میں جبکہ قریشی اور غیر قریشی سرداروں نے مخالفت پر کمر باندھی تو بنو عبد مناف کے بیشتر افراد نے نصرتِ رسول کی سعادت حاصل کی اور وہ وقت سعید بھی آیا کہ عرب کے کونے کونے میں توحید کی صدا گونجنے لگی اور اسلام کے نور سے عرب کا گوشہ گوشہ منور ہو گیا۔

ملک عرب ''عالم اسلام'' کی حیثیت سے وجود میں آیا تو وہ محمد بن عبداللہ کے زیرنگین نہیں آیا بلکہ ''محمد رسول اللہ'' کے زیرنگین آیا (صلی اللہ علیہ وسلم) اسلام نے خاندانی عصبیتوں کو ختم کر دیا تھا اور یہ واضح کر دیا تھا کہ قبیلے اور خاندان تو صرف باہمی تعارف کے لئے ہیں، تقویٰ ہی عظمت کے لئے معیار ہے۔

(سورہ حجرات آیت ۱۲)

عقیدۂ ختم نبوت کیا واقعی ہم میں راسخ ہے

اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے کہ صوفیوں کی تعلیمات نے ہی عقیدۂ ختم نبوت کو ڈائنامیٹ کیا ہے۔ صرف قادیانیوں پر غم وغصہ کے اظہار سے احقاقِ حق کا حق ادا نہیں ہوتا۔ صوفیوں سے عقیدت اور قادیانیوں پر غم وغصہ بالکل بے معنیٰ بات ہے۔ عقیدۂ ختم نبوت سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔

قیمت (۳۰) روپے

یہ کتاب وہاں سے حاصل کی جا سکتی ہے جہاں سے زیر نظر کتاب حاصل کی گئی ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلافت

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خلافت اسلامیہ کی جو صورت حال وفات رسولؐ کے بعد پیدا ہوئی اس پر بھی غور کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارھویں دادا فہر بن مالک ''قریش'' کہلاتے تھے۔ ان کی اولاد بھی ''قریش'' کے نام سے موسوم ہے۔ جو بعد میں کئی قبیلوں میں منقسم ہوئی۔ فہر کی اولاد میں ''قصی'' نے مکہ میں اپنا اثر ورسوخ قائم کیا، حرم کعبہ کو اپنی تولیت میں لے لیا۔ اس طرح قصی کو ایک مقام حاصل ہوا، قصی کے فرزند عبد مناف تھے جو قریش میں ''شیخ الشیوخ'' مانے جاتے تھے۔ قریشی قبائل کے شیوخ مختلف مناصب پر فائز تھے۔ یہ بالکل معروف طریقہ تھا کہ شیخ قبیلہ کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا، بھائی یا بھتیجا اس کا جانشین اور اس کے مناصب کا حامل ہوتا تھا، اگر ان ورثاء میں اختلاف ہوتا تو دوسرے شیوخ بیچ میں پڑ کر مصالحت کرا دیتے اور مناصب کو مناسب طریقے سے ان میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اس طرح باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی اور موروثی حکومت عرب میں غیر معروف اور انوکھی چیز نہیں تھی۔

اب آیئے دیکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی جانشینی کی کیا صورت ہوئی۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے سارا ملک عرب بنو عبد مناف کے ایک فرزند کے زیر نگین نہیں آیا بلکہ اللہ کے اس رسول کے زیر نگین آیا جس نے ساری انسانیت کو ایک ماں باپ کی اولاد قرار دے کر خاندانی عصبیتوں کو ختم کر دیا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد بنو عبد مناف کا کوئی فرد آپ کا جانشین ہوتا تو یہ محمد رسول اللہ کی جانشینی نہیں ہوتی بلکہ محمد بن عبداللہ کی جانشینی ہوتی اور سورہ حجرات کی مذکورہ آیت کی خلاف ورزی ہوتی۔ دوسری طرف عرب کے اس مزاج کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری تھا کہ عرب کی سیادت وقیادت قریش میں رہے۔ اس لئے یہ بات لازمی تھی کہ آپ کے بعد آپ کا جانشین قریشی بھی ہو اور بنو عبد مناف سے نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت کاملہ اور حکمت بالغہ سے دو ایسے قریشی شخصوں کو نمایاں کیا کہ آپ سے سارے ہی مسلمانوں کا ذہن بشمول بنو عبد مناف، ان دونوں کی طرف ہو گیا۔ یہ دونوں تھے ایک حضرت ابوبکر صدیق (بنو تیم) اور دوسرے حضرت عمر فاروق (بنو عدی) رضی اللہ عنہما۔ ان دونوں حضرات کے فضائل و مناقب میں بہت سی حدیثیں ہیں اگر کوئی عقل کا اندھا ان حدیثوں کو تسلیم نہ کرے تو نہ کرے لیکن واقعات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو تو جھٹلا نہیں سکتا۔ مشہور واقعہ ہے کہ جنگ احد کے بعد ابوسفیان نے پکار کر پوچھا: تم میں محمد ہیں! جواب نہ ملا، پھر پوچھا: تم میں ابوبکر ہیں! جواب نہ ملا، پھر پوچھا: تم میں عمر ہیں! ابوسفیان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر اور عمر ہی کو کیوں پوچھا، علی کو کیوں نہیں پوچھا؟ ظاہر ہے کہ رسول اللہ کے بعد نمایاں شخصیتیں حضرات ابوبکر و عمر ہی کی تھیں۔ "البدایہ والنہایۃ" کی روایت ہے کہ کسی نے حضرت علی بن حسین زین العابدین سے ان دونوں حضرات کی عظمت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: ایسی ہی ہے جسے تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ رسول اللہ کے ساتھ ان دونوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔

سقیفۂ بنوساعدہ میں انصار اِس خیال سے جمع ہوئے تھے کہ ہماری خدمات کے لحاظ سے خلافت رسول کی سعادت ہمیں ملے۔ لیکن جب انھیں بتایا گیا کہ: "الائمة من قریش" یعنی عرب قریش کی سیادت و قیادت کے سوا کسی کو تسلیم نہیں کریں گے تب وہ جان گئے کہ فی الوقت ہمیں خلافت ملے بھی تو آگے چلنے والی نہیں ہے، انصار نے اپنی ایمانی فراست اور مومنانہ دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قریش کی اطاعت خوشدلی کے ساتھ قبول کرلی (رضی اللہ عنہم)۔ انصار کے خاموش ہوتے ہی حضرت ابوبکر صدیق کے سوا کوئی شخصیت نہیں تھی جس کی طرف اہل ایمان کی نگاہیں اٹھتیں۔ آپ بالاتفاق "افضل البشر بعد الانبیاء" اور "صدیق اکبر" تھے، خلافت بلافصل اور وصایت و وراثت رسولؐ کے بلا شرکت غیرے پوری طرح حقدار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری طرح یقین تھا کہ اللہ اور مومنین ابوبکر کے سوا کسی کے لئے راضی نہیں ہوں گے گو آپ نے صراحتہً ابوبکر کو جانشین نامزد نہیں فرمایا لیکن آپ نے دنیا کو یہ بتادیا کہ میں نے صحابہ کی تربیت اتنی کامل کردی ہے کہ وہ وہی فیصلہ کریں گے جس سے اللہ اور رسول راضی ہیں۔ اور آپ نے ان ہی صحابہ کرام پر ناز کے طور پر فرمایا کہ میری اُمت گمراہی پر متفق نہیں ہوگی۔ اس لحاظ سے سقیفہ بنوساعدہ کا نورانی اجتماع وفاتِ رسول کے ساتھ ہی امت کے رشد و ہدایت کا پہلا علامتی اجتماع بن گیا۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق کے تین صاحبزادہ تھے۔ ایک عبدالرحمٰن جو سبقت فی الاسلام کے شرف سے محروم تھے، دوسرے عبداللہ، یہ بھی دیر سے اسلام لائے تھے اور جنگ یمامہ میں شہید ہو چکے تھے، تیسرے صاحبزادہ محمد تھے جو آپ کی وفات کے وقت کم سن تھے۔ یوں بھی آپ جانتے تھے کہ آگے چل کر خلافت بنوعبد مناف ہی میں پہنچنا ہے۔ آپ نے اپنے خاندان کے کسی فرد کو جانشین نہیں کیا اور حضرت عمر کو اپنا جانشین نامزد کردیا۔ اس طرح حضرت عمر امت کے متفق علیہ خلیفہ دوم قرار پائے۔

تیسرے خلیفہ کی نامزدگی کے لئے حضرت عمر کے لئے بڑی مشکل تھی۔ غیر بنی عبد مناف میں خلافت کا آگے بڑھنا مشکل نظر آرہا تھا لیکن غیر بنی عبد مناف میں بھی چند ایسی شخصیتیں تھیں کہ امت کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نگاہیں ان پر بھی پڑتی تھیں۔ جیسے جیسے زندگی کے دن گذر رہے تھے آپ کی فکر بڑھتی جارہی تھی لیکن ایک شقی ازلی کے اچانک قاتلانہ حملہ نے قیامت برپا کردی۔ زہریلے خنجر کے لگاتار چھ واروں نے پیٹ کی انتڑیاں کاٹ دیں، گُردے کٹ گئے، آپ خون میں لت پت تھے، اسی حالت میں پہلے نماز فجر پوری کی اور فرمایا، پہلے نماز! اسی درد وکرب کے عالم میں ایک چھوڑ چار باتوں کی فکر لاحق ہوئی جو امت کی ایک افضل ترین شخصیت کے شایان شان تھی۔ پہلے پوچھا میرا قاتل کون ہے۔ جب معلوم ہوا کہ ایک مجوسی غلام ہے تو فرمایا الحمدللہ! میرا کسی مسلمان سے جھگڑا نہیں ہے۔ پھر ام المومنین عائشہ سے حجرہ مبارکہ میں تدفین کی اجازت چاہی جب اجازت مل گئی تو فرمایا: الحمدللہ! اس بات کی بڑی آرزو تھی، پھر اپنے قرض کی ادائیگی کی فرزند کو ہدایت فرمائی، اب چوتھا مسئلہ خلافت کا تھا۔ درد وکرب میں اضافہ ہوتا جارہا تھا آپ نے اس نازک موقعہ پر وہی فیصلہ فرمایا جس سے ارشادات نبوی کہ میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتے، حق عمر کی زبان پر جاری رہتا ہے، عمر کے سایہ سے شیطان بھاگتا ہے کی تصدیق ہوتی ہے آپ نے چھ حضرات کو نامزد کیا کہ ان میں سے خلیفہ منتخب کیا جائے۔

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ننھیال (بنو زہرہ) سے دو افراد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص۔
- خاندان ابوبکر یعنی بنوتیم سے حضرت طلحہ بن عبیداللہ۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپی زاد بھائی اور ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے بھتیجے، حواری رسول حضرت زبیر بن العوام (بنی اسد)۔
- بنو عبد مناف سے دو حضرات یعنی حضرت عثمان اور حضرت علی۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ چھ حضرات ہی تھے جو ہر لحاظ سے خلافت رسول کے اہل تھے۔ امت کی نگاہیں بھی ان ہی پر تھیں۔ اور یہ چھ حضرات وہ تھے جنہیں دنیا میں جنت کی بشارت مل چکی تھی۔

سقیفۂ بنوساعدہ کے بعد اکابر اُمت کی یہ دوسری نشست تھی جس میں پھر ایک بار خلافت کے اہم مسئلہ کو حل کرنا تھا۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ اس وقت مدینہ میں موجود نہیں تھے، باقی پانچ حضرات میں سے سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنے حق سے دست برداری کا اعلان کیا اور باقی ساتھیوں سے خواہش کی کہ انتخاب خلیفہ کا معاملہ ان کے سپرد کریں۔ سبھوں نے بخوشی منظوری دی۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص حضرت عثمان کے حق میں اور حضرت زبیر بن العوام حضرت علی کے حق میں اپنے حق سے دستبردار ہوگئے۔ اس طرح غیر بنی عبد مناف کا مسئلہ از خود حل ہوگیا اور خلافت بنو عبد مناف میں مرکوز ہوگئی۔ جس طرح سقیفۂ بنوساعدہ میں انصار کے خاموش ہوتے ہی حضرت ابوبکر صدیق پر سب کی نگاہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جم گئیں اسی طرح یہاں غیر بنو عبد مناف کے دست بردار ہوتے ہی سب کی نگاہیں حضرت عثمان پر جم گئیں اور آپ کی خلافت کا اعلان کر دیا گیا۔

سقیفۂ بنو ساعدہ کے اجتماع اور اس اجتماع کے بارے بہت ساری ایسی روایتیں گھڑی گئی ہیں جو نہایت شرمناک ہیں۔ ان کا مقصد نہ صرف صحابہ کرام کو بدنام کرنا بلکہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی صداقت و حقانیت کو مشکوک و مشتبہ کرنا تھا۔ سوال یہ ہے کہ وفات رسول کے بعد ہی سوائے دو تین کے سارے ہی صحابہ مرتد ہو جاتے ہیں اور خلافت کا معاملہ صحابہ کے ہاتھوں بالکل غیر اسلامی ہو جاتا ہے تو پھر رسولؐ کا کارنامہ ہی کیا ہوا؟ اسلام کیا باقی رہا؟ جب آپ کی رسالت اتنی ناکام رہی تو آپ پر رسالت کا سلسلہ ختم کیوں کیا گیا؟ اس لئے ہر وہ مسلمان جس کو اس بات پر ایمان راسخ ہے کہ آپ پر دین مکمل ہو گیا، نعمت تمام کر دی گئی اور اب آپ کے بعد کسی نبی، رسول، امام، ہادی اور مُنذر کی ضرورت باقی نہیں رہی وہ بہ یقین جانے گا کہ قرآن مجید میں اہل ایمان کی مدح و ثنا اور ان کے لئے جنت و رضاالٰہی کی جو آیات ہیں ان کے اولین مصداق یہی صحابہ کرام ہیں جو باقی امت کے لئے رہنما و مقتدا اور نجوم ہدایت کا مقام رکھتے ہیں جنھوں نے انتہائی نامساعد حالات میں امت کی صحیح رہنمائی فرمائی اور باقی امت کے لئے ایسے تابناک نقوش چھوڑے کہ دوسری امتیں اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

تغمدھم اللہ بالرحمۃ والرضوان وجزاھم عن سائر المومنین جزاء لاتعد ولاتحصی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت عثمان ہی کا انتخاب کیوں ہوا، حضرت علی کا کیوں نہیں؟ تو عرض ہے کہ بزرگوں کے معاملے میں تقابل و توازن بڑی بے ادبی کی بات ہے۔ یہ بات ناقابل انکار ہے کہ تاریخ کا دار و مدار حقائق کی بنیاد پر ہے۔ تاریخی حقائق کو پیش کرنا ہو تو اپنے ذاتی خیالات، جذبات، عقیدت و محبت کو تھوڑی دیر کے لئے بازو رکھ دینا پڑے گا ورنہ صحیح تاریخ بجائے خود تاریک ہو جائے گی۔

ایسا نہیں ہوا کہ اسی نشست میں حضرت عثمان کی بیعت ہوئی۔ بلکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اہل مدینہ کے اکابر و اصاغر سے مل کر ان کی رائے معلوم کی جب انھیں پورا اطمینان ہو گیا کہ رائے عامہ حضرت عثمان کے حق میں ہے تب آپ نے حضرت عثمان کی خلافت کا اعلان فرمایا۔ اس معاملے میں حضرت عبدالرحمٰن نے جس دیانت داری کا ثبوت دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپ نے نہ کسی سے گول مول بات کی اور نہ کسی ذہنی تحفظ سے کام لیا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عثمان کی بیعت بالکل خوش دلی کے ساتھ انجام پائی۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت عثمان بہ چند وجوہ حضرت علی سے مقدم تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- قبول اسلام کے وقت حضرت عثمان قریب ۳۴۔۳۵ سال کے تھے جبکہ حضرت علی ۱۰ سال کے نابالغ لڑکے تھے۔
- قبول اسلام کے بعد حضرت عثمان نے اپنے چچا حکم بن ابی العاص کے ہاتھوں بڑی سزائیں پائیں جبکہ کوئی روایت نہیں ملتی کہ قبول اسلام پر حضرت علی کو کوئی تکلیف اٹھانی پڑی ہو۔
- حضرت عثمان نے اپنی زوجہ مکرمہ سیدہ رقیۃ الزہرا بنت رسول اللہ کے ساتھ دو ہجرتیں کیں ایک ہجرت حبشہ اور دوسری ہجرت مدینہ، حضرت علی نے صرف ایک ہجرت مدینہ کی۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں سیدہ رقیۃ الزہراء اور سیدہ ام کلثوم الزہراء یکے بعد دیگرے حضرت عثمان کے نکاح میں آئیں۔ اللہ کے رسول کی دوھری دامادی کا شرف حضرت عثمان کے سوا تاریخ عالم میں کسی کو بھی نصیب نہیں ہوا۔
- بیعت رضوان کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دے کر ان کی طرف سے خود بیعت فرمائی۔ یہ بھی ایسا منفرد شرف ہے کہ کوئی دوسرا یہ شرف نہیں پاسکا۔
- اسلام لانے اور ہجرت کرنے کے بعد آپ نے اپنا مال جس دریا دلی سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور اللہ کے رسول کی جس قدر دعائیں لیں وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔

غرض یہ چند حقائق ہیں جن کی بناء پر حضرت عثمان کو حضرت علی پر ترجیح دی گئی۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے حقائق ہی کی بنا پر فیصلہ فرمایا کہ فضیلت کی ترتیب خلافت کی ترتیب کی بنا پر ہوگی۔ حضرت عثمان کو آپ نے حضرت علی سے افضل قرار دیا۔ حضرت عثمان کو حضرت علی سے افضل قرار دینا عین حقیقت پسندی ہے۔ دونوں بزرگوں کو برابر قرار دینا یا حضرت علی کو حضرت عثمان سے افضل ماننا حقیقت پسندی سے صرف نظر کر کے صرف نری عقیدت کو بڑھاوا دینا ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کی خلافت کے اعلان کے ساتھ ہی حضرت علی موقتی طور پر کچھ آزردہ خاطر ہو گئے پھر وہ فوراً سنبھل گئے اور مجمع کو چیرتے ہوئے جا کر علی الاعلان حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت فرمائی۔ آپ کی یہ آزردہ خاطری بھی بے جا نہیں تھی۔ حضرت عثمان اس وقت ستر سال کے بوڑھے تھے اور حضرت علی قریب ۴۰ سال کے تھے۔ حضرت عثمان غیر معمولی طور پر حلیم اور نرم مزاج کے آدمی تھے۔ قوی اندیشہ تھا کہ پیرانہ سالی اور مزاجی کمزوری کی بنا پر حضرت عثمان اس وقت کی وسیع وعریض، عرب وعجم پر پھیلی ہوئی مملکت اسلامیہ کی بھاری ذمہ داریوں سے کماحقہ عہدہ برا نہیں ہوسکیں گے۔ حضرت علی نسبتاً مضبوط مزاج اور مطلوبہ طاقت وقوت کے حامل تھے۔ حضرت عمر کے دست راست

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے کی بنا پر حزم و تدبیر اور آئین ملک گیری میں اچھی طرح منجھ گئے تھے۔ حضرت علی کی یہ موقف آزدہ گی یقیناً اسلام اور امت مسلمہ کی خیر خواہی کی بنا پر تھی۔ حضرت علی کی یہ بے مثال عالی ظرفی اور کمال فراست ایمانی تھی کہ آپ نے حضرت عثمان سے رقابت کا کوئی شائبہ اپنے دل میں نہیں رکھا بلکہ پوری طرح ایوان خلافت کے حامی و مددگار اور مخلص خیر خواہ رہے۔

حضرات خلفاء ثلاثہ یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کے ساتھ حضرت علی کے جو تعلقات رہے ہیں ان کی تفصیل کے لئے میری کتاب ''شاندار فیصلہ'' کے صفحات ۸۵ تا ۱۴۲ ملاحظہ فرمائے جائیں جن کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ جو شخص حضرت علی کا سچا عقیدت مند اور محب ہے وہ حضرت خلفاء ثلاثہ سے ذرا سی بھی سوء ادبی کا مرتکب نہیں ہوسکتا۔

خلیفہ اول کی طبعی وفات کے بعد حضرت عمر بحیثیت خلیفہ دوم بغیر کسی غل وغش کے سریر آرائے خلافت ہوئے۔ اگر خلیفہ سوم حضرت عثمان بھی طبعی طور پر وفات پا جاتے تو حضرت علی بھی بغیر کسی غل وغش کے سریر آرائے خلافت ہو جاتے لیکن حالات کی ستم ظریفی نے خلیفہ چہارم کے لئے مسائل کا ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ دشمنان اسلام اور غداران ملت نے امت کے متفق علیہ امام کو نہایت سفاکی کے ساتھ شہید کر دیا اور دارالخلافہ یعنی حرم مدینہ منورہ کی حرمت پامال کی۔ جنونی درندوں کی طرح سارے شہر میں دہشت پھیلا دی۔ مدینہ کے سارے اکابر واصاغر سوچ نہیں سکتے تھے دشمنان اسلام یہاں تک کر گزریں گے۔ اہل مدینہ پر سکتہ طاری تھا۔ شیطان نے قاتلوں کو مشورہ دیا کہ فوری کسی کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کی خلافت کا اعلان کردو ورنہ عالم اسلام میں اس حادثہ کی خبر پھیلے گی تو تمہارا بُرا حشر ہوگا۔ انھوں نے حضرت علی کو گھیر لیا اور خون بھری تلواروں کے سایہ میں مطالبہ کیا کہ خلافت قبول کریں اور ہماری بیعت لیں۔ آپ پہلے ہی سے اپنے امام کے غم میں نڈھال اور تشویشناک حالات سے سخت متاثر تھے نہایت بادل ناخواستہ آپ نے ہاتھ بڑھا دیا۔ آپ قطعاً نہیں چاہتے تھے کہ خلافت کی پیشکش دشمنان اسلام کریں اور قطعاً نہیں چاہتے تھے کہ مدینہ کے اکابر واصاغر کی منظوری کے بغیر خلافت قبول کریں لیکن سخت اندیشہ اس بات کا تھا کہ اگر آپ قبول خلافت میں ذرا بھی تاخیر کرتے تو یہ جنونی درندے نہ صرف آپ کو شہید کر دیتے بلکہ مدینہ کے دیگر اکابر کو بھی شہید کر کے امت اسلام کو پوری طرح بے یار و مددگار کر دیتے۔ حضرت علی کو یہ خلافت کس قدر ناگوار تھی اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا جب پہلی مرتبہ مجھے ''امیر المومنین'' کہہ کر خطاب کیا گیا تو میں کانپ اٹھا۔ نوبت یہاں تک پہنچنے کے باوجود خیر اور صلاح کی ایک صورت باقی تھی، جب آپ کی بیعت ہو ہی گئی تھی مدینہ کے اکابر بھی آپ کی بیعت کر لیتے تو حضرت علی حالات پر پوری طرح قابو پا سکتے تھے لیکن قاتلان عثمان یہ بات اچھی طرح سمجھے ہوئے تھے کہ اگر آپ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو اکابر مدینہ کی تائید حاصل ہوگئی تو آپ ہم سے عثمان کا انتقام ضرور لیں گے۔ اس کی پیش بندی کے لئے مفسدِ اعظم مالک اشتر نے یہ کیا کہ اکابر صحابہ کے ساتھ نہایت گستاخانہ برتاؤ کیا۔ خواہ مخواہ بیعت کے لئے ان کے سروں پر تلوار رکھی جس کی وجہ سے ان اکابر کے دل مکدّر ہو گئے۔ جنھوں نے بیعت کی وہ صاف کہتے تھے کہ ہم سے بیعت جبراً لی گئی۔ جنھوں نے بیعت نہیں کی ان میں سے بعض مکہ معظّمہ چلے گئے اور اکثر حضرات شام میں حضرت معاویہ کے پاس چلے گئے۔ اس طرح حضرت علی اپنے رفقائے خاص اور قدیمی احباب سے منقطع ہوکر ایک بے بس اور مجبور خلیفہ کی حیثیت سے قاتلانِ عثمان کے نرغے میں آگئے۔ یہ ظالم آپ سے ہر وہ کام کرواتے تھے جس کے نتیجہ میں آپ کا موقف خراب ہوتا جاتا اور مصیبتیں بڑھتی جاتی تھیں۔ آپ اپنی صائب رائے کے خلاف اور اپنے مخلصین و محبین کے مشورے کے برعکس ان ظالموں کی رائے پر عمل کرنے پر مجبور تھے۔ "شیر خدا" کی بے بسی اور "مشکل کشا" کی مشکلیں اس دور کی تاریخ کا ایک عجوبہ ہیں۔ "الکثرة تغلب الشجاعة" عرب کا مشہور محاورہ ہے۔ کوئی شخص خواہ کتنا ہی بہادر اور طاقتور ہو دشمنوں کی کثیر تعداد کے سامنے مغلوب ہو جاتا ہے۔

مدینہ کے اکابر سے منقطع ہو جانے کے بعد اپنی عین بے بسی کے عالم میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو آخری سہارا حضرت معاویہ کا تھا اور آپ کو امید تھی اب صرف معاویہ ہی مدد کر سکیں گے۔ اس لئے آپ نہیں چاہتے تھے معاویہ سے بگاڑ کرلیں۔ لیکن ان ظالموں نے آپ سے باصرار معاویہ کی معزولی کا فرمان جاری کروایا۔ حضرت ابن عباس، حضرت حسن اور حضرت محمد بن علی اور دیگر مخلصین نے سختی سے اس معزولی کے فرمان کی مخالفت کی۔ بالآخر فرمان جاری ہوا اور حضرت معاویہ سے بھی تعلقات منقطع ہو گئے۔ امید کا یہ آخری تسمہ بھی ٹوٹ گیا۔

ایک خاموش منصوبہ کے تحت جس کو Mutual Understanding کہا جا سکتا ہے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے آپ سے عمرہ کی ادائیگی کے لئے مکہ معظّمہ جانے کی اجازت چاہی۔ آپ نے بخوشی اجازت دے دی۔ یہ دونوں حضرات چاہتے تھے کہ اس گھٹن کے ماحول سے نکل کر خلیفۂ وقت کی مصیبت کے دفعیہ اور اُمت کی صلاح کے لئے کوشش کریں۔ یہ حضرات مکہ معظّمہ سے خیر خواہان اسلام کی ایک قابل لحاظ تعداد کو لے کر جن میں نمایاں شخصیت ام المومنین عائشہ صدیقہ کی تھی بصرہ کی طرف چلے، اس لئے کہ قاتلان عثمان زیادہ تر یہیں تھے۔ مدینہ میں موجود قاتلان عثمان بھی اپنے ساتھیوں کی مدد کے لئے نکلے لیکن اِن ظالموں نے حضرت علی کو بھی ساتھ چلنے پر مجبور کیا۔ آپ کو سارے ہی مخلصین و محبین نے صلاح دی کہ آپ مدینہ سے نہ نکلیں۔ آج آپ نکلیں گے تو پھر قیامت تک مدینہ میں خلافت نہ آئے گی۔ حضرت حسن تو اس قدر مخالف تھے کہ آپ کی روانگی کے دو دن کے بعد سخت بادلِ ناخواستہ مدینہ سے نکلے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بصرہ میں بالآخر جنگ ہوئی اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلی جنگ تھی جو مسلمانوں کے درمیان ہوئی۔ جنگ جمل اور جنگ صفین کی تفصیلات اتنی مشہور ہیں کہ ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ تاریخ کا ہر طالب علم ان تفصیلات سے باخبر ہے پھر بھی چند گوشے ایسے ہیں جن پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

عام طور پر مورخین نے لکھا ہے کہ جنگ جمل میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے میدان جنگ سے کنارہ کشی کی لیکن غلط فہمی سے ان کو شہید کیا گیا۔ یہ بات اس لئے قابل قبول نہیں ہے کہ اگر ان حضرات کو اپنے اقدام کی غلطی کا اعتراف ہوتا تو وہ باقاعدہ اپنی فوج میں اپنے اقدام کی غلطی کا اعلان کر کے جنگ موقوف کرواتے۔ اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ ان دونوں حضرات نے قاتلان عثمان سے جنگ کرتے ہوئے شہادت پائی اور دنیا میں جنت کی بشارت کے ساتھ شہادت کی نعمت عظمیٰ سے بھی سرفراز ہوئے۔ رضی اللہ عنہما۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے کہ آپ اس جنگ کو یاد کر کے بے حد روتی تھیں۔ حضرت علی کے خلاف کھڑے ہونے پر شرمندگی کی وجہ سے وصیت کی تھی کہ آپ کو اپنے حجرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن نہ کیا جائے لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ آپ کو سخت رنج اس بات کا تھا کہ مصالحت کی ساری کوششوں کے باوجود قاتلان عثمان نے جنگ چھیڑ دی اور مسلمانوں کی کثیر تعداد باہمی کشت وخون کی نذر ہوگئی۔ مادر امت اپنے اتنے بیٹوں کی لاشوں کو دیکھ کر زندگی بھر نہ روتیں تو اور کیا کرتیں۔ دوسری بات حجرہ مبارکہ میں اتنی جگہ ہی کہاں تھی کہ آپ کی تدفین وہاں ہوتی۔ حضرت عمر کی تدفین کے بعد اس جگہ کو محصور کر دیا گیا تھا۔

جنگ صفین کے بارے میں یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ حضرت عمار کی شہادت کے بعد حق و باطل کا فیصلہ ہو چکا تھا پھر بھی حاضر الوقت صحابہ کرام نے خاطر خواہ حق کا ساتھ نہیں دیا، جو صحابہ غیر جانبدار تھے وہ ہنوز غیر جانبدار رہے۔ تحکیم کا معاملہ بھی قرآن کے مطابق نہیں ہوا اور حکمین (حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن عاص) نے صحیح فیصلہ نہیں کیا۔ حضرت معاویہ نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بزور شمشیر سارے ہی علاقے حضرت علی کے قبضہ سے نکال لئے اور بالآخر بزور شمشیر خلافت پر قابض ہو گئے۔ حضرت حسن کو مجبوراً ان کی اطاعت قبول کر لینی پڑی۔ وغیرہ

اگر ٹھنڈے دل سے حالات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تاثرات بدیہی طور پر غلط ہیں۔ چند باتیں غور طلب ہیں۔

یہ بات بالکل قطعی ہے کہ حضرت عمار کا قاتل باغی گروہ ہے لیکن جنگ صفین میں حضرت عمار کی شہادت کے باوجود صحابہ کرام کا اپنے موقف پر قائم رہنا اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ حاضر الوقت صحابہ کرام نے جو جنگ کے عینی شاہد تھے حضرت معاویہ اور اہل شام کو حضرت عمار کا قتل نہیں سمجھا۔ یہ بالکل ایسا ہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جیسے اوپر گذرا ہے کہ ہاشمی بزرگوں نے اموی خلافت کو حضرت حسین کی شہادت کا ذمہ دار نہیں سمجھا۔ اس لئے حضرت عمار کی شہادت کی بنیاد پر حضرت علی کو برسرحق اور حضرت معاویہ کو باغی اور برسر باطل قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ حضرت عمار کی شہادت کے بارے میں اس کتاب میں ایک مستقل عنوان ہے۔ آپ کی شہادت کی اصل حقیقت وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

تحکیم کا معاملہ عین قرآن مجید کے حکم کے مطابق ہوا۔ حکمین یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو ابن العاص نے ایسا فیصلہ فرمایا جس کو حاضر الوقت سارے ہی اکابر و اصاغر نے بخوشی قبول کرلیا۔ حضرت علی کی عظمت و جلالت اور خلافت کے حقدار ہونے پر کسی کو اختلاف نہیں تھا۔ اگر حضرت علی کو خلیفہ تسلیم نہ کرنے کا جذبہ ہوتا تو لازماً حضرت طلحہ یا حضرت زبیر کے ہاتھ پر لوگ بیعت کر لیتے یا جنگ جمل کے بعد حضرت معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔ جنگ جمل کے بعد تو حضرت معاویہ کے لئے میدان بالکل صاف تھا۔ قاتلان عثمان کے نرغہ میں ہونے اور جنگ جمل میں مسلمانوں کی کثیر تعداد کے قتل ہو جانے کی وجہ سے عالم اسلام میں حضرت علی کی مقبولیت باقی نہیں رہی تھی۔ حضرت معاویہ کو خلافت کی آرزو ہوتی تو جنگ جمل کے بعد ہی وہ اپنی خلافت کا اعلان کر دیتے لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت معاویہ کو اپنے ابن عم (حضرت علی) سے کس قدر تعلق خاطر تھا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جنگ جمل قاتلان عثمان سے جنگ تھی اور قاتلان عثمان سے قصاص تو حضرت معاویہ کا اولین اصرار تھا۔ آپ اگر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کی مدد کے لئے اپنی فوج بھیجتے تو لازماً اصحاب جمل کی فتح ہوتی لیکن اس بات کا یقین تھا کہ اس جنگ میں حضرت علی، حضرات حسنین، حضرت ابن عباس اور حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہ) کی قیمتی جانیں ضرور ضائع ہو جاتیں اس لئے کہ شامی فوج ان بزرگوں کو بھی خون عثمان کا ذمہ دار سمجھتی تھی۔ حضرت معاویہ نے اپنے ابنائے عم کی حفاظت کی خاطر جو کہ بنوعبد مناف کا خاصہ رہا ہے جنگ جمل میں مداخلت نہیں کی ساتھ ہی آپ کو حضرت علی کی خلافت تسلیم نہیں تھی کیونکہ اس خلافت کی پیشکش اکابر اسلام کی جانب سے نہیں ہوئی تھی بلکہ دشمنان اسلام کی جانب سے ہوئی تھی، اور مرکز خلافت پر ان ہی کا زور چل رہا تھا۔ دوسری طرف حضرت معاویہ کا اصرار کہ قاتلان عثمان کو ہمارے حوالے کر دیجئے کہ ہم انھیں قصاص میں قتل کریں۔ یہ مطالبہ بھی کمزور تھا اس لئے کہ حضرت علی اس وقت اتنے مقتدر نہیں تھے کہ قاتلان عثمان کو خود قتل کریں یا حضرت معاویہ کے سپرد کر دیں۔ ان حالات میں حکمین کے لئے اس فیصلہ کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ فی الوقت دونوں فریق اپنی اپنی جگہ ٹھہر جائیں اور امت کو موقعہ دیں کہ پورے سکون کے ساتھ غور و فکر کر کے اپنے امام اور اپنے سربراہ کا انتخاب کر سکے اور وہ امام جس کو پوری اُمت کی تائید حاصل رہے گی خاطیوں کو معقول سزا دے کر اُمت میں امن و عافیت کا انتظام کر سکے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سبائی ذہنیت کے مورخین یہ تاثر دیتے ہیں کہ اس وقت اُمت کی فراست کا افلاس اس انتہا کو پہنچا ہوا تھا کہ اُمت کا فیصلہ ایسے حکمین کے ہاتھوں میں دیا گیا جن میں سے ایک انتہائی سادہ لوح اور غافل اور دوسرا کمال درجے کا چالاک اور متفنی تھا۔ اور اس دوسرے حکم نے پہلے حکم کو وہ جُل دیا کہ بعد میں وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ حکمین کو فیصلہ یہ کرنا چاہئے تھا کہ جنگ جاری رکھی جائے اور پوری امت کو پابند کرنا چاہئے تھا کہ وہ حق کا ساتھ دے۔ جبکہ حضرت عمار کی شہادت کے بعد حق واضح ہو چکا تھا لیکن یہ حکمین پھر خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ لے کر بیٹھ گئے جبکہ برحق خلیفہ موجود تھا۔ یہ مورخین یہ بھی کہتے ہیں کہ حکمین کا انتخاب بھی صحیح طور پر نہیں ہوا۔ معاویہ نے اپنی مرضی سے عمرو ابن العاص کو حکم مقرر کیا۔ کسی نے چوں و چرا نہیں کی۔ علی، ابن عباس کو حکم مقرر کرنا چاہتے کہ وہ ان کے اپنے آدمی تھے لیکن انھیں مجبور کیا گیا کہ ابوموسیٰ اشعری کو حکم مقرر کریں جبکہ ابوموسیٰ اشعری ایک غیر جانبدار شخص تھے۔ اس لئے حکمین کا فیصلہ حضرت علی کے حق میں نقصان دہ ثابت ہوا۔

سبائی مورخین کی یہ ساری باتیں خودساختہ مفروضات پر مبنی ہیں۔ تحکیم کی پوری کارروائی پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سبائی مورخین نے تحکیم کی داستان اپنے خودساختہ ذیل کے مفروضات کی بنیاد پر گھڑی ہے۔

﴿۱﴾۔ حکمین اپنی عقل و فراست، معاملہ فہمی، نکتہ رسی اور حزم و تدبیر کے لحاظ سے ہم پلّہ اور برابر کی ٹکر کے نہیں تھے۔ ان میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ چنانچہ معاویہ کے حکم (عمرو ابن العاص) نے علی کے حکم (ابوموسیٰ اشعری) کو کھٹی میٹھی باتوں میں وہ جھانسہ دیا کہ یہ حضرت بوکھلا کر رہ گئے اور معاویہ کا پلّہ بھاری ہو گیا۔

﴿۲﴾۔ اُمت کے لئے نئے خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ ان حکمین کے فرائض میں سے نہیں تھا۔ انھوں نے خواہ مخواہ اصل مسئلہ سے توجہ ہٹا کر ایک غیر متعلق مسئلہ کو کھڑا کر دیا جس کے نتیجہ میں اصل بات تشنہ ہی رہ گئی۔

﴿۳﴾۔ حضرت عمار کی شہادت کے بعد حق واضح ہو چکا تھا۔ حکمین نے امت کو حق کا ساتھ دینے اور باطل اور باغی کو مطیع اور حق کا تابع ہونے تک جنگ جاری رکھنے کی ہدایت نہ دے کر قرآنی حکم (سورہ حجرات آیت ۹) کی صریح خلاف ورزی کی۔

اب آیئے ان مفروضات پر غور کریں۔

﴿۱﴾۔ پہلے ان حکمین کی مبارک سیرتوں پر غور کریں جن کے ذمہ اُمت اسلام نے تحکیم کا اہم فریضہ سپرد کیا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (م ۴۴ھ)

آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا والی مقرر کیا تھا اور ہدایت فرمائی تھی کہ اہل یمن کو دین سکھائیں۔ عہد فاروقی اور عہد عثمانی میں بھی ولایت اور قضاءت کی ذمہ داریوں کے حامل تھے۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ عہد رسالت میں چار حضرات فتویٰ دیا کرتے تھے، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہم)۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں لکھا ہے کہ چھ صحابہ کرام آپس میں فقہی مسائل پر تبادلہ خیال کرتے تھے اور ان کی دو جماعتیں تھیں۔

﴿۱﴾ - حضرت علی، حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابوموسیٰ اشعری۔

﴿۲﴾ - حضرت عمر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن مسعود۔

ان امور کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوگا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کس جلیل القدر مقام ومرتبہ کے حامل تھے۔ حضرت علی کے لئے ان کی شخصیت اجنبی نہیں تھی۔ یہ حضرت جنگ جمل اور جنگ صفین میں غیر جانبدار تھے اور دوسرے جلیل القدر صحابہ کی طرح ان میں کسی طرح کا حصہ لینا پسند نہیں کرتے تھے اور شائد اسی لئے حضرت علیؓ بھی ان کے مزاج کی رعایت کرتے ہوئے ان کو اس قضیہ میں ڈالنا مناسب نہ سمجھا ہو۔

حضرت سیدنا عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ (م ۵۱ھ)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ درجہ کی عقل وفراست، بیدار مغزی، دانشمندی اور شعور وفہم سے نوازا تھا۔ آپ کو ایمان وایقان کی دولت بھی بخشی تھی۔ صحبتِ رسالت نے ان اعلیٰ صفات میں اور چار چاند لگادیئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ ہی مجاہدین اسلام میں ایک خاص مقام حاصل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست راست اور منظور نظر تھے۔ اپنی بہترین خدمات سے اللہ کے رسول کو تاحیات راضی اور خوش رکھا تھا۔ عہد رسالت اور عہد خلفاء ثلاثہ میں آپ کے مجاہدانہ کارنامے اس قدر روشن ہیں کہ اگر اس عہد کی تاریخ سے آپ کے کارناموں کا ذکر نکال دیا جائے تو شائد اس عہد کی تاریخ پھیکی اور بے جان ہو جائے۔

سبائی مورخین کو خاص طور پر مجاہد صحابہ جن کی سرفروشیوں اور قربانیوں نے اسلام کا بول بولا کیا ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ ان کی سیرتوں کو داغدار بنانا اور انھیں آنے والی نسلوں کی نظر میں مبغوض اور قابل نفرت بنا کر پیش کرنا سبائی مورخین کا اہم فریضہ تھا۔ ان لوگوں نے حضرت معاویہ کی والدہ اور حضرت عمرو ابن العاص کی والدہ کے بارے میں اتنی شرمناک باتیں گھڑی ہیں کہ اللہ کی پناہ! ان دونوں عظیم المرتبت خواتین کو جنھوں نے ایسے نامور فرزندوں کو جنم دے کر اُمت اسلام پر احسان عظیم کیا تھا، اُمت میں رسوا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ان باتوں کو سامنے رکھنے کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی کہ حضرت معاویہ اور حضرت عمرو ابن العاص کے ذکر خیر سے سبائیت زدہ اہل سنت کا بھی پارہ کیوں چڑھ جاتا ہے۔اپنی سُنّیت کا بھرم رکھنے کے لئے کچھ اچھے الفاظ استعمال کرنے اور سنبھل کر اعتراض کرنے میں بھی وہ تلخی اور سمّیت ضرور ظاہر ہو جاتی ہے جو دل و دماغ میں سبائی مورخین نے بھری ہے۔ یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ حکم کی حیثیت سے حضرت عمرو ابن العاص کا انتخاب نہایت صحیح انتخاب تھا۔اگر حضرت عمرو ابن العاص اس عظیم ذمہ داری کے لئے ذرا بھی نااہل ہوتے تو وہ اکابر صحابہ جو اس قضیہ میں غیر جانبدار تھے ضرور اعتراض کرتے۔اہل شام کے اعتراض کا تو سوال ہی نہیں تھا۔خود حضرت علی کی طرف جو صحابہ تھے وہ بھی مطمئن تھے، حتیٰ کہ قاتلان عثمان کو بھی دم مارنے کی مجال نہیں ہوئی۔ یہ قطعی اور یقینی بات تھی اس وقت جن بزرگوں کو حکم کی حیثیت سے منتخب کیا گیا تھا وہ پورے عالم اسلام میں منفرد حیثیت کے مالک تھے۔(رضی اللہ عنہما)

حکمین کو قرآن وسنت کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا ضروری تھا کہ بہر حال امت میں خانہ جنگی بند ہو۔ کوئی ایسا فیصلہ کرنے کے مجاز نہ تھے کہ جس کے نتیجہ میں پھر جنگ و جدل شروع ہو جائے۔انھیں یہ فیصلہ کرنا نہیں تھا کہ اُمت از روئے قرآن علی کی خلافت تسلیم کرے یا معاویہ کی۔اس لئے کہ معاویہ خلافت کے مدعی تھے ہی نہیں۔حضرت علی کی خلافت تسلیم کرنے میں کیا رکاوٹ ہو رہی تھی اس پر غور کرنا تھا۔اور کوئی ایسی صورت نکالنا تھا جس کی بنا پر خلافت مستحکم ہو۔حضرت معاویہ اور اہل شام کا شدید اصرار قاتلان عثمان سے قصاص کا تھا۔ وہ پہلے قصاص چاہتے تھے اور بعد میں حضرت علی کی بیعت کر لینے پر راضی تھے۔ادھر حضرت علی اتنے مقتدر نہیں تھے کہ قاتلان عثمان کو خود سزا دیں یا حضرت معاویہ کے سپرد کریں بلکہ وہ ان قاتلوں کے نرغہ میں بالکل بے بس تھے اور جیسے اوپر گذرا ہے جنگ جمل کے بعد عالم اسلام میں حضرت علی کی مقبولیت باقی نہیں رہی تھی۔حکمین رضی اللہ عنہما نے اس صورت حال پر اچھی طرح غور کیا۔حضرت معاویہ اور اہل شام کا مطالبہ اسی وقت پورا ہو سکتا تھا جبکہ ایک مقتدر امام کی امامت پر اُمت متفق ہو اور اس کو پورے عالم اسلام کی تائید حاصل ہو۔یہ حضرات اُمت کو حضرت علی ہی کو امام تسلیم کر لینے کی ہدایت بھی نہیں دے سکتے تھے۔حضرت علی کی ذاتی عظمت وجلالت کے باوجود سیاسی حیثیت سے آپ کا وہ مقام باقی نہیں رہا تھا جس کے آپ بدرجہ اولیٰ مستحق تھے۔حکمین نے فیصلہ کیا کہ فی الوقت ہر دو فریق (حضرت علی اور حضرت معاویہ) اپنی اپنی جگہ بیٹھ جائیں اور اُمت کو موقعہ دیں کہ وہ فراغت اور سکون کے ماحول میں آزادانہ غور وخوص کر کے اکابر اُمت میں سے کسی ایک شخصیت پر متفق ہو جائے۔ یہ فیصلہ اس قدر واجبی اور برمحل تھا کہ سب لوگ مطمئن ہو گئے۔اُمت نے سکون کی سانس لی۔اس فیصلہ پر غور کرنے سے معلوم ہوگا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی جگہ حضرت عبداللہ بن عباس یا سبطِ رسول حضرت حسن بھی ہوتے وہ بھی یہی فیصلہ کرتے۔

سبائی مورخین اس فیصلہ کو یک طرفہ قرار دیتے ہیں۔ان کے بموجب یہ فیصلہ صرف دھوکہ پر مبنی تھا، ابوموسیٰ اشعری بوکھلا کر رہ گئے اور شرمندگی کے مارے حضرت علی کو منہ نہ دکھا سکے۔اور عمرو ابن العاص بغلیں بجاتے ہوئے معاویہ کے پاس گئے اور انھیں مبارکباد دی کہ آپ کی خلافت کے لئے میدان پوری طرح ہموار کر کے آیا ہوں مبارک ہو!

واقعہ یہ ہے کہ اس وقت اُمت کے انتشار کی جو صورت حال تھی ایسے میں خلافت اور امامت کے منصب پر فائز ہونا اُمت کی کسی بھی بڑی سے بڑی شخصیت کے لئے کوئی خوشی کی بات نہیں تھی بلکہ فکرمند کردینے کی بات تھی اس لئے حضرت معاویہ کو قبل از وقت خلافت کی مبارکباد دینے کی بات بالکل فضول ہے اور بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ فیصلہ حضرت علی کے حق میں سکون بخش اور راحت افزا ثابت ہوا۔گرچہ کہ تاریخی روایات یہی بتاتی ہیں کہ حضرت علی اپنی خلافت کے استحکام کی فکر میں لگے رہے اور اپنی فوج کو جنگ کے لئے اُبھارتے رہے۔یہ روایات خود حضرت علی کے کردار کی قادح ہیں۔برادرکشی اور خانہ جنگی سے سارے ہی مسلمان بیزار اور نالاں تھے تو کیا ملّت کا درد آپ کے دل میں نہیں تھا کہ آپ اپنی خلافت کے استحکام کے لئے جنگ اور کشت وخون کے خواہشمند تھے۔تحکیم پر آپ راضی ہی اس لئے ہوئے تھے کہ خانہ جنگی اور برادرکشی بند ہو۔اس وقت آپ کا موقف یہ تھا کہ نہ آپ خلافت چھوڑ سکتے تھے اور نہ بحیثیت خلیفہ ملّت کے مفاد کا کوئی کام انجام دے سکتے تھے۔آپ کی خلافت پر قاتلان عثمان عملاً مسلط تھے۔انھوں نے آپ کو اپنی مٹھی میں جکڑ کر رکھا تھا۔اس دور کے آپ کے خطبات پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ آپ اس گھٹن کے ماحول سے کس قدر بیزار حتیٰ کہ اپنی زندگی سے بیزار ہو چکے تھے اور کھلے الفاظ میں دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ! مجھے ان سے نجات دے اور ان کو مجھ سے نجات دے۔اب ظاہر ہے کہ جب حکمین کا فیصلہ ہوا ہوگا تو آپ جان گئے ہوں گے کہ یقیناً دوصورتوں میں سے کوئی ایک صورت ضرور پیش آئے گی۔اگر اُمت نے کسی دوسری شخصیت کو امام بنالیا تو قاتلان عثمان کے نرغہ سے آپ کی جان چھوٹ جائے گی۔اگر آپ ہی کو اُمت نے امام مان لیا تو تب آپ اس قدر مقتدر ہوجائیں گے کہ قاتلان عثمان سے بھرپور قصاص لے سکیں گے۔اس لئے یہ کہنا کہ حکمین کا فیصلہ حضرت علی کے حق میں نقصان دہ ثابت ہوا صحیح نہیں ہے۔یہ فیصلہ حضرت علی کے حق میں پوری طرح مفید تھا۔ابوموسیٰ اشعری کو آپ سے منہ چھپانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔

حکمین رضی اللہ عنہما کا یہ فیصلہ صرف موقتی نہیں تھا بلکہ قیامت تک کے لئے اُمت کی صحیح رہنمائی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے والا فیصلہ تھا۔ ان حضرات نے اپنے فیصلہ میں یہ اشارہ دیا کہ اُمت جب تک ایک امام پر متفق نہیں ہوگی اور ایک پرچم تلے نہیں جمع ہوگی بھلائی سے محروم اور شرور آفات کا ھدف رہے گی۔ باہمی اختلافات کا واحد حل اسی صورت میں نکل آسکتا ہے کہ اُمت پہلے ''نصب امام'' کی فکر کرے۔ امام کے بغیر خواہ اُمت میں اکابر کی کثیر تعداد موجود ہو مسائل حل ہو نہیں سکتے۔

فیصلہ کے بعد عالم اسلام میں امن و امان تو قائم ہوگیا لیکن تذبذب کی کیفیت باقی رہی۔ اب صورت حال یہ تھی کہ جتنا علاقہ حضرت معاویہ کے زیرنگین تھا وہاں امن وامان پوری طرح تھا، حضرت علی کے زیرنگین علاقے کے لوگ بھی بے تکلف شام کے علاقوں میں جاتے اور وہاں کے امن وامان کو رشک کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اہل شام، اہل عراق کے ساتھ دوستانہ برتاؤ کرتے اور یہ محسوس ہونے نہیں دیتے تھے کہ ابھی ابھی ان کے درمیان خون ریز جنگ ہو چکی ہے۔ اس کے برخلاف حضرت علی کے زیرنگین علاقے میں شدید افراتفری اور بدامنی تھی۔ اب وہ لوگ جواب تک اپنے آپ کو حضرت علی کے وفادار اور جاں نثار ثابت کر رہے تھے آپ کے علانیہ مخالف ہوگئے گویا ان کا اصل روپ اب نمایاں ہوا۔ اب تک حضرت علی کے مبائعین ''شیعان علی'' اور اہل شام ''شیعان عثمان یا شیعانِ معاویہ'' کہلاتے تھے۔ لیکن جب شیعت کی یہ حقیقت سامنے آئی تو اہل شام نے اپنے نام سے شیعہ کا لفظ نکال دیا اور وہ عثمانی یا شامی کہلانے لگے۔ شیعہ کا لفظ صرف حضرت علی کے وابستگان سے مخصوص ہوگیا۔ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ شیعان علی غیر محسوس طور پر تین گروہوں میں منقسم تھے، انتہا پسند، غیر انتہا پسند اور مصلحت پسند۔ انتہا پسند شیعوں نے یہ دیکھ کر کہ زمام کار علی کے ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہے اور جب دوسرے ہاتھوں میں چلی جائے گی تو ہمارا بُرا حشر ہوگا، حضرت علی کے سخت دشمن ہوگئے، آپ سے قطع تعلق کر کے اپنی علحدہ جماعت بنالی اور ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کو باقاعدہ ''امیر المومنین'' کہنے لگے۔ ایک امام کی بیعت ہو جانے کے بعد دوبارہ بیعت کی یہ پہلی صورت تھی جس کو اُمت اسلام نے سخت ناپسند کیا۔ یہ لوگ ''خوارج'' کہلاتے ہیں۔ غیر انتہا پسند آخر تک شیعان علی ہی رہے، ایک مصلحت پسند گروہ بھی تھا جس کا لیڈر مالک اشتر تھا۔ یہ شخص درحقیقت انتہا پسند ہی تھا۔ مصلحتہً حضرت علی کے ساتھ لگا رہا تاکہ آپ کی زندگی اجیرن کرتا رہے۔ بعد کے واقعات بتاتے ہیں کہ اس کی موت کے بعد ہی آپ نے سکون کی سانس لی۔ شیعہ اور اہل طریقت اہل سنت اس شخص سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں۔

آمدم برسر مطلب، حضرت علی کے زیرنگین علاقوں میں بدامنی اور انتشار کی کیفیت بڑھتی چلی گئی۔ ادھر خوارج الگ دردسر بن گئے، جنگ نہروان کے بعد آپ خطرات میں پوری طرح گھر گئے تھے۔ سبائی مورخین نے تاثر دیا ہے کہ معاویہ نے مختلف علاقوں پر اپنے ظالم سپہ سالاروں کو بھیج کر بدامنی اور دہشت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی کیفیت پیدا کر دی اور لوگ مجبور ہو کر معاویہ کی اطاعت پر راضی ہو گئے۔ اس طرح معاویہ نے حضرت علی کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر بزور شمشیر بیشتر علاقے چھین لئے۔ آپ کی شہادت کے بعد حضرت حسن کو ڈرا دھمکا کر مجبور کر دیا کہ خلافت سے ان کے حق میں دست بردار ہو جائیں۔ اس طرح معاویہ بزور شمشیر تخت خلافت بحیثیت ایک جابر و قاہر حکمران کے متمکن ہو گئے۔ لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا حضرت معاویہ کے زیر نگین علاقہ کے امن و سکون نے لوگوں کے دلوں کو ادھر راغب کیا۔ انفرادی طور پر بھی کئی اکابر صحابہ شام میں منتقل ہو گئے اور کئی ایک علاقوں کے وفود آپ کے پاس پہنچ کر گذارش کرنے لگے کہ ہمارے علاقہ کا کنٹرول بھی آپ اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ اگرچہ مورخین یہ لکھتے ہیں کہ معاویہ نے اپنے ظالم سپہ سالاروں کو بھیج کر لوگوں کو اپنی اطاعت کے لئے مجبور کیا لیکن بات اتنی سچ ہے کہ آپ نے اپنے چند مخلص سپہ سالاروں کو مختصر حفاظتی دستہ کے ساتھ مختلف علاقوں میں روانہ کیا کہ صحیح صورت حال معلوم کریں۔ مورخین نے ان مخلص سپہ سالاروں میں سے خاص طور پر صحابی رسول حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ کی مبارک سیرت کو اس قدر داغدار بنایا کہ اللہ کی پناہ! گویا ظلم و شقاوت، بے رحمی و خونخواری ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ بعد کے واقعات ثابت کرتے ہیں کہ ان کے ظلم و شقاوت کی داستانیں سراسر منگھڑت اور طبع زاد ہیں۔ نصب امام کے لئے دی ہوئی مدت سے پہلے حالات بدلنے لگے۔ عالم اسلام کا جھکاؤ حضرت معاویہ کی طرف ہونے لگا۔ بنو عبد مناف میں اب حضرت معاویہ ہی ایک شخص تھے جن پر سارے عالم اسلام کی نظریں پڑ رہی تھیں۔ حتیٰ کہ حضرت علی نے بھی اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنے جانشین حضرت حسن کو وصیت فرمائی کہ معاویہ سے صلح کر لینا اور ان کی سیادت و قیادت سے کراہت نہ کرنا، اگر لوگوں نے ان کو بھی کھو دیا تو پھر اُمت میں اس قدر خون ریزی ہوگی کہ کسی جسم پر سر باقی نہ رہے گا۔ البدایۃ والنہایۃ، السنن الکبریٰ اور مروج الذھب کی روایت ہے کہ بوقت وفات آپ سے جانشین مقرر کرنے کی خواہش کی گئی تو آپ نے فرمایا:

لاولکن اترککم کماترککم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان یرداللہ بکم خیرا یجمعکم علی خیرکم کما جمعکم علی خیرکم بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

(ترجمہ) نہیں، میں تم کو اسی طرح چھوڑوں گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں چھوڑ گئے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو تمہاری بھلائی منظور ہوگی تو وہ تمہیں ایک بہتر آدمی پر جمع کر دے گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک بہتر آدمی (ابوبکر) پر جمع کر دیا تھا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو میری کتاب ''شاندار فیصلہ'' صفحہ ۹۵)

حضرت علی کے اس ارشاد سے یہ بات واجب التسلیم ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت معاویہ پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُمت کا اجماع منجانب اللہ تھا اور وہ بھی اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ کو اس میں اُمت کی بھلائی منظور تھی۔ اس ارشاد سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ حضرت علی کی ذات سے ذرا سی بھی عقیدت رکھنے والا حضرت ابوبکر اور حضرت معاویہ سے کدورت اور بیر کا شائبہ اپنے دل میں نہیں رکھ سکتا۔ آپ کا یہ ارشاد ان اہل سنت والجماعت مسلمانوں کو بھی چونکا دینے والا ہے جو حضرت معاویہ کو صرف ایک جابر و قاہر حکمران اور ایک مطلق العنان بادشاہ قرار دیتے ہیں۔ جبکہ اس ارشاد کے بموجب حضرت معاویہ، حضرت ابوبکر کی طرح بلاشبہ خلیفہ راشد اور اپنے زمانے کے ''خیر الناس'' اور ''افضل الناس'' ثابت ہوتے ہیں۔

حضرت معاویہ کی یہ بے مثال عالی ظرفی، متانت و بردباری کس قدر حیرت انگیز ہے کہ آپ دیکھ رہے تھے کہ اقتدار آپ کی طرف لپک کر آ رہا ہے، خلافت ''کالسَّیل الی المیل'' (یعنی پانی کا بہاؤ ڈھلوان حصہ کی طرف) کی طرح آپ کی طرف بڑھ رہی ہے عالم اسلام کے سارے ہی اکابر و اصاغر کی نظریں آپ کی طرف لگیں ہوئی ہیں پھر بھی آپ ''کوہ تمکین'' کی طرح اپنی جگہ رہے۔ اقتدار اور خلافت کو حاصل کرنے کے لئے ایک قدم آگے نہیں بڑھایا۔ اہل عراق (سبائی) جو دراصل سبطِ رسول حضرت حسن سے خوش نہیں تھے اور چاہتے تھے کہ جنگ ہو اور اس میں حسن شہید ہو جائیں تا کہ اُمت میں پھر بے تحاشا خون ریزی کا سلسلہ چل پڑے، حضرت معاویہ بحیثیت ایک شفیق چچا کے کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ حسن شہید ہوں اور بحیثیت ''خال المومنین'' کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ چند فتنہ پردازوں کی وجہ سے مومنین کی جانیں ضائع ہوں۔ آپ نے صلح کی پیشکش کی جس کو حضرت حسن نے بخوشی قبول فرمالیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہوئی کہ میرا یہ بیٹا سید ہے ، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے گا۔

اگر حضرت معاویہ، اللہ اور رسول کے نزدیک مقبول شخص نہ ہوتے اور اقتدار حاصل کرنے کے بعد ان سے اسلام کُش اقدامات صادر ہونے والے ہوتے تو کیسے ممکن تھا کہ اللہ کے رسول اس صلح کی کارروائی کی مدح فرماتے۔ اور کیسے ممکن تھا کہ اس وقت موجود سارے ہی اکابر صحابہ اس صلح کی کارروائی کو بنظر استحسان دیکھتے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ صلح کی کارروائی کے بعد سارے ہی اکابر صحابہ جو اب تک غیر جانبدار تھے اور خود بزرگانِ اہل بیت حضرت معاویہ کی بیعت میں بخوشی داخل ہو گئے۔ اس طرح چند سال کے اختلال و اضطراب کے بعد اُمت پھر ایک امام پر مجتمع ہو گئی۔ چونکہ ان چند سال کے اختلال کی وجہ سے اُمت کی ساکھ متاثر ہوئی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کی تلافی کے لئے حضرت معاویہ کے دورِ خلافت کو قدرے طویل کر دیا۔

سارے ہی مسلمانوں، صحابہ کرام اور بالخصوص بزرگان بنی ہاشم کے ساتھ حضرت معاویہ نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہایت خلوص ومحبت اورعزت واحترام کا معاملہ کیا۔ ساری تلخیاں بھولی بسری ہوگئیں۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ آپ نے خوارج اور سبائیوں (قاتلان عثمان) کو چُن چُن کر کیفر کردار کو پہنچایا۔ یہی وجہ ہے کہ سبائیہ اور خوارج کبھی آپ سے راضی اور خوش نہیں رہے۔ سُنّیت اور بغض معاویہ کی سَمیت اجتماع ضدین ہے دونوں باتیں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔ جو شخص بھی حضرت معاویہ کی شان میں حرف گیری کرے جان لیجئے کہ اس میں سبائیت یا خارجیت کی لٹک ہے۔

خلفاءراشدین رضی اللہ عنہم کون ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ولید بن عقبہ اموی رضی اللہ عنہ کو بنوالمصطلق کے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ حضرت ولید اس قبیلہ کے قریب تک پہنچے تھے کہ کسی مجہول اور شرارت پسند (فاسق) شخص نے ان کو خبر دی کہ بنوالمصطلق مرتد ہوچکے ہیں اور وہ تم کو قتل کرنے والے ہیں۔ یہ سُن کر ولید راستے ہی سے لوٹ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دے دی۔ آپ بنوالمصطلق کے تعلق سے کوئی اقدام کرنے ہی والے تھے کہ بنوالمصطلق کے سردار حضرت حارث بن ابی ضرار (ام المومنین جویریہ کے والد) خود حاضر ہوئے اور اس غلط فہمی کو دور کیا اور اپنے صدقات پیش کر دیئے۔ اس پر سورہ حجرات کی آیات ۶ تا ۸ نازل ہوئیں۔ جن میں صحابہ کرام کی یہ خاص صفت بیان کی گئی کہ ان کو ایمان محبوب ہے اور ایمان ان کے قلب کی زینت ہے اور انھیں کفر، فسق اور عصیان سے سخت کراہت ہے جس کی بنا پر وہ ''راشد'' ہیں۔

صحابہ کرام میں ایک قابل لحاظ تعداد ان صحابہ کی ہے جنھیں صرف شرف صحابیت حاصل ہے اور اُن صحابہ کی بھی ہے جنہیں شرف صحابیت کے ساتھ شرف قرابت (رشتہ داری) بھی حاصل ہے۔ شرف صحابیت رکھنے والے صحابہ میں سے جن کو جتنا زیادہ صحبت کا موقعہ ملا اس لحاظ سے ان کی فضیلت ہے اسی طرح جن حضرات کا جتنا زیادہ قریبی رشتہ ہے ان کی فضیلت ہے۔ بحیثیت مجموعی بقیہ اُمت ان سارے ہی خوش نصیب حضرات سے عقیدت ومحبت رکھنے کی پابند ہے۔ یہ سب حضرات ''راشد'' ہیں، ان کے دل میں ایمان جاگزیں اور ان کے دلوں کی زینت ہے۔ ان حضرات کے نفوس عالیہ اس قدر پاک ومطہر ہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ کفر، فسق اور معصیت سے انھیں سخت بے زاری ہے۔ قرآن مجید میں مومنین کی مدح وثنا اور ان کے لئے بشارتوں، رحمتوں اور مغفرت کی جس قدر آیات ہیں ان کے اولین مصداق یہ سب صحابہ کرام ہیں، باقی اُمت کے لئے یہ سب حضرات نجوم ہدایت اور مطاع ومقتدا ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم میرے صحابہ تاروں کے مانند ہیں تم جن کی اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ اس ارشاد کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اُمت کی ہدایت صحابہ کرام کی اقتداء میں ہے۔ کوئی عمل کئی صحابہ کرام سے ثابت ہو تو وہ واجب الاقتداء ہے ہی لیکن کوئی عمل کسی ایک صحابی سے ثابت ہو تو وہ بھی بعد والوں کے قیاس واجتہاد سے مقدم اور افضل ہے۔

اور ارشاد رسولؐ:۔ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تم پر میری سنت اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کی اتباع لازی ہے، سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کرام آپ کے خلفاء (جانشین) ہیں اور سب ہی ہدایت یافتہ ہیں اور باقی اُمت پر ان کی اقتداء واتباع لازی ہے۔ اس ارشاد میں ایک واضح اشارہ یہ بھی ہے کہ جو امور عہد رسالت میں نہیں تھے اور بعد میں صحابہ کرام کے زمانے میں وجود میں آئے وہ امور بھی عند اللہ مقبول ہیں اور اُمت ان کی اتباع کی پابند ہے۔ اس لئے عہد صحابہ میں وجود میں آئے کسی امر کے بارے میں یہ کہہ کر رد کر دینا کہ یہ سنت رسولؐ سے ثابت نہیں ہے، صریح گمراہی ہے۔ اگر ہدایت صرف ''سنت رسول'' میں ہی محدود ہوتی تو پھر ''سنة الخلفاء الراشدین المهدیین'' کا کوئی مصرف نہیں رہے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد والوں کا پھر اس کے بعد والوں کا۔

اس حدیث شریف میں عہد رسالت، عہد صحابہ اور عہد تابعین کو ''خیر'' فرمایا گیا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان مبارک ادوار میں خیر کا بڑا غلبہ تھا اور شر مغلوب رہا۔

سارے ہی صحابہ کرام بحیثیت مجموعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدایت یافتہ خلیفہ راشد ہیں (رضی اللہ عنہم) اصطلاحاً ان صحابہ کرام کو ''خلفاء راشدین'' کہا جاتا ہے جن کی خلافت اور امامت پر اتفاق کر کے حاضر الوقت مومنین نے سمع واطاعت کی بیعت کی تھی۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضیٰ (ان چاروں حضرات کو جمہور اُمت نے ''خلفاء راشدین'' تسلیم کیا ہے) حضرت حسن بن علی، حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہم) ان ساتوں حضرات کے حالات کے لحاظ سے ان کی خلافتوں کا انداز بھی مختلف ہے۔

حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان قدیم الاسلام صحابہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے قریبی قرابت اور زیادہ سے زیادہ صحبت کے شرف سے مشرف ہیں اور ان تینوں حضرات کی بیعت پر حاضر الوقت سارے ہی مومنین کو اتفاق تھا۔ اس لحاظ سے ان تینوں حضرات کے خلیفہ راشد ہونے میں اُمت مسلمہ کا اتفاق ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شرف صحبت اور شرف قرابت میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں جو اظہر من الشمس ہے۔ لیکن جیسے اوپر گذرا ہے آپ کا دور خلافت جس انتشار کا شکار تھا اور پھر آپ کی بیعت پر پوری اُمت کا اتفاق نہیں تھا اس کے پیش نظر آپ کے عہد خلافت کو وہ مقام حاصل نہیں ہے جو مقام خلفاء ثلاثہ کے عہد خلافت کو حاصل ہے۔ ورنہ شخصی طور پر آپ بھی بلاشبہ خلیفہ راشد ہیں۔ حالات سازگار ہوتے تو آپ کا عہد خلافت بھی خلفاء ثلاثہ کے عہد خلافت کے معیار کا ہوتا۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما عہد رسالت میں نہایت کم سن تھے۔ اس بنا پر ایک جماعت نے آپ کو زمرۂ صحابہ میں شریک نہیں مانا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت قریبی قرابت اور آپ کے چہیتے نواسے ہونے کی بنا پر آپ کی عظمت وفضیلت مسلم ہے۔ اس کے علاوہ آپ کا چھ ماہ کا دور خلافت مستقل نہیں بلکہ عبوری تھا آپ کو بہت جلد خلافت سے دست بردار ہونا تھا۔ اس لئے اگر آپ کو خلفاء راشدین میں شمار نہ کیا جائے تو خلفاءِ راشدین کی تعداد چھ رہ جاتی ہے۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

جیسا کہ گذشتہ مضامین میں گذرا ہے آپ بھی بلاشبہ خلیفہ راشد ہیں۔ آپ کی خلافت وامامت پر سارے ہی اکابر واصاغر کو اتفاق تھا۔ آپ کا قریب بیس سالہ عہد خلافت وامامت خیر وبرکت کے لحاظ سے حضرات خلفاء ثلاثہ کے عہد خلافت کے ہم پلّہ تھا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما

ایک زمانے میں بحیثیت خلیفہ آپ کے ہاتھ پر بھی بیعت ہوئی اور قریب نو سال آپ خلیفہ کی حیثیت سے متعارف رہے۔ بحیثیت صحابی وہ سارے ہی پاکیزہ صفات کے حامل تھے جو ایک صحابی میں ہونے چاہئے۔ نہایت عبادت گزار، قائم اللیل، صائم النہار، مجاہد فی سبیل اللہ، عالم وفاضل اور صاحب صلاح وتقویٰ تھے۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت زبیر بن العوام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپی زاد بھائی اور اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے حقیقی بھتیجے تھے، حواریٔ رسول کہلاتے تھے۔ آپ کی والدہ سیدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق، اُم المومنین عائشہ کی بہن تھیں۔ اس طرح آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گونا گوں قریبی قرابت بھی رکھتے تھے۔ آپ کی خلافت کامیاب نہیں رہی۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ پہلی اور اہم وجہ یہ تھی آپ بنوعبد مناف سے نہیں تھے بلکہ قریش کے دوسرے قبیلہ بنو اسد سے تھے۔ اگر چہ کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوبکر وعمر بھی بنوعبد مناف سے نہیں تھے لیکن ان کی بات اور تھی۔ دوسرے آپ کے مزاج میں حد درجہ سخت گیری تھی، نہایت جذباتی اور پُر جوش آدمی تھے، مصلحت کوشی اور دوراندیشی چھو کر نہیں گئی تھی۔ جن لوگوں نے (جن میں صحابہ کرام بھی تھے) آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ آپ کے دیگر فضائل ومناقب اور حالات کی نزاکت کے پیش نظر بیعت کی تھی۔ اس طرح آپ خلیفہ راشد تو تھے لیکن خلافت ناکام رہی۔

حضرات ابوبکر وعمر بنوعبد مناف سے نہیں تھے لیکن ان حضرات کی امامت وخلافت پر اُمت کا اتفاق تھا۔ حضرات عثمان، علی اور معاویہ بنوعبد مناف سے تھے۔ عام طور پر لوگ خلفاء راشدین کی تعداد چار بتاتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ خلفاء راشدین کی تعداد پانچ ہے اور وہ یہی پانچ حضرات ہیں۔ یہ پانچوں حضرات شرف صحبت اور شرف قرابت سے حظِّ وافر رکھتے تھے اور علم وفضل کے اعتبار سے اپنے اپنے وقت میں ''خیر الناس'' اور ''افضل الناس'' تھے اس لئے یہ حضرات اپنے عہد خلافت میں نہ صرف خلیفہ وقت بلکہ ''امام وقت'' بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جن خلفاء کو ''راشد'' اور ''مہدی'' قرار دیا اور اُمت کو جن کی سنت کی اتباع کرنے کی تاکید فرمائی وہ بلاشبہ یہی ''پنج تن'' ہیں۔ (رضی اللہ عنہم)

خوارج، حضرات ابوبکر وعمر سے عقیدت رکھتے ہیں اور بقیہ تین حضرات سے تبرّا (بیزاری) کرتے ہیں۔ سبائیہ اور روافض صرف حضرت علی سے عقیدت رکھتے ہیں اور بقیہ چاروں حضرات سے تبرّا کرتے ہیں۔ صحیح العقیدہ اہل سنت ان پانچوں حضرات سے بھرپور عقیدت رکھتے اور انھیں حدیث شریف میں وارد حکم کی تعمیل میں راشد، مہدی اور واجب الاتباع مانتے ہیں اور جیسا کہ اوپر گذرا ہے اہل سنت میں سے وہ لوگ جنھیں حضرت معاویہ کو راشد اور مہدی ماننے میں تکلف ہے اور آپ پر تنقید کرتے اور آپ کی شان میں خوردہ گیری کرتے ہیں ان میں خارجیت یا سبائیت ورفض کی لٹک ہے۔

امیر المومنین یزید ابن معاویہ کی خلافت پر بھی امت کا اتفاق تھا، لیکن صرف خلافت کی حد تک۔ یزید اپنے وقت میں خیر الناس اور افضل الناس نہیں تھے اس لئے کہ ان کے زمانے میں صحابہ کرام کی کثیر تعداد بقید حیات تھی جو لازماً یزید سے افضل وبرتر تھے۔ اسی طرح علم وفضل میں بھی ایک مقام رکھنے کے باوجود اپنے زمانے کے اکابر سے کمتر تھے۔ اس لئے وہ خلیفۂ وقت ضرور تھے لیکن امام وقت نہیں تھے۔ اس لحاظ سے حضرت معاویہ پر امامت ختم ہوگئی۔

جس زمانے میں حضرت علی بڑی الجھنوں میں تھے تو حضرت ابن عباس نے خطبہ جمعہ میں (خطبہ ثانیہ میں) آپ کے لئے دعا کی کہ "اللھم انصر علیا علی الحق" اے اللہ! علی کی مدد فرما حق پر، جب یہ بات اہل شام تک پہنچی تو انھوں نے بھی حضرت معاویہ کے لئے دعا کرنی شروع کی۔ رہے خوارج: تو وہ حضرات ابوبکر وعمر کے لئے دعائے مغفرت ورحمت کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر اہل شام نے حضرت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاویہ کے لئے دعا کے ساتھ حضرت عثمان کے لئے دعائے مغفرت و رحمت کرنی شروع کی۔ جب حضرت معاویہ کی خلافت و امامت پر امت کا اتفاق ہوگیا تو خطبوں میں حضرات خلفاء ثلاثہ کے لئے دعائے مغفرت و رحمت اور حضرت معاویہ کے لئے بحیثیت خلیفہ چہارم دعائے نصرت کی جانے لگی۔ اہل شام کو حضرت علی کی خلافت تسلیم نہیں تھی اس لئے بنو امیہ کے عہد کے ختم تک حضرت معاویہ بحیثیت خلیفہ چہارم متعارف تھے۔

حضرت علی کی خلافت قریب ساڑھے چار سال رہی اور حضرت ابن زبیر کی خلافت قریب نو سال رہی۔ ان دونوں حضرات کی ذاتی عظمت و فضیلت کے باوجود ان کی خلافت پر امت متفق نہیں تھی۔ شرف صحبت اور شرف قرابت میں حضرت علی حضرت ابن زبیر سے فائق تھے۔ بنو عباس کے عہد میں حضرت علی کو خلیفہ چہارم قرار دیا گیا جس کو اہل سنت نے قبول کرلیا۔ چونکہ اس دور میں بنو امیہ کو بدنام کیا جارہا تھا کہ اس لئے حضرت معاویہ کو خلیفہ راشد کی بجائے ایک جابر و قاہر حکمران اور ایک مطلق العنان بادشاہ کی حیثیت سے مشہور کیا گیا اور عامۃ المسلمین میں خلفاء راشدین کی تعداد چار ہی مشہور ہوگئی جبکہ خلفاء راشدین کی تعداد بشمول حضرت معاویہ پانچ ہے۔ اگر ''پنج تن'' کا کوئی تصور ہے تو دراصل یہی ''پنج تن'' ہیں۔ لیکن شیعوں نے پنج تن کے لفظ کو چھین کر محمد علی فاطمہ حسن حسین کے لئے مخصوص کردیا اور سنیوں کو ''چار یار'' کا تصور دیا تاکہ حضرت معاویہ کو خلفاء راشدین کے زمرہ سے خارج کیا جاسکے۔

بنو امیہ کے آخر عہد میں جبکہ خلافت کمزور پڑ رہی تھی اور خلفاء اپنی ہی برادری سے الجھ گئے تھے۔ سبائیوں نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر خلافت کو دوسرے خاندان میں منتقل کرنے کی کوشش شروع کی اور اس کے لئے بنو عبد مناف ہی کے گھرانے سے بنو عباس اور بنو علی کو منتخب کیا۔ یہاں سے بنو ہاشم اور بنو امیہ کی تفریق سامنے آئی۔ بنو ہاشم کے فضائل و مناقب میں حدیثیں گھڑی گئیں اور بنو امیہ کے خلفاء کے فسق و فجور کی داستانیں وضع ہوئیں۔ ان کے اعوان و انصار کی کردار کشی کی گئی اور انھیں ظالم، خونی، شقی اور فاسق کی حیثیت سے اس قدر بدنام کیا گیا کہ وہ امت میں معتوب ہوکر رہ گئے۔ بنو امیہ کو وہ ''شجر ملعونہ'' قرار دیا گیا جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے (سورہ بنی اسرائیل آیت ٦٠) اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ تاریخ اسلام میں کوئی خاندان نہایت مظلوم ہے تو وہ بلاشبہ بنو امیہ کا خاندان ہے۔ جس خاندان کے آفتاب و مہتاب یعنی حضرت عثمان اور حضرت معاویہ جیسے راشد اور مہدی کو نہیں بخشا گیا تو تا بہ دیگراں چہ رسد۔

جب بنو عباس برسر اقتدار آگئے تب تو سکون ہوجانا چاہئے تھا لیکن وہ سبائیت ہی کیا جو خود چین سے بیٹھے اور دوسروں کو چین سے بیٹھنے دے۔ اب انھوں نے بنو علی کو خلافت کی منازعت کے لئے ابھارنا شروع کیا۔ اس زمانے میں بنو علی کے فضائل و مناقب میں حدیثیں گھڑی گئیں۔ اہل بیت، آل رسول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

،پنجتن پاک، بارہ امام وغیرہ اصطلاحیں وجود میں آئیں۔(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو میری کتاب ''دین تصوف و طریقت'' عنوان ''نسب پرستی'')۔ بنوعباس کی خلافت ۶۳۲ھ میں ختم ہوگئی لیکن بنوعلی کی غلوآمیز عقیدت امت میں ہمیشہ کے لئے مستحکم ہوگئی۔شیعوں کے تو دین وایمان کی بنیاد ہی ''حُبِ علی و حُبِ اہل بیت'' ہے، اہل سنت میں سے وہ سارے ہی مسلمان جو دین تصوف وطریقت سے وابستہ ہیں وہ بھی پوری طرح شیعوں کے ہم نوا اور دوش بدوش ہیں۔

ہماری تاریخ اسلام

اسلام اور تاریخ اسلام کو داغدار بنانے کا سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا جب کہ شکست خوردہ ایرانیوں، نصرانیوں، مجوسیوں اور یہودیوں کی ملی جلی جماعت یمن کے ایک یہودی ''عبداللہ بن سبا'' کی سرکردگی میں وجود میں آئی اور تاریخ میں ''سبائیہ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔(اس جماعت کے تفصیلی تعارف کے لئے ملاحظہ ہو میری کتاب ''دین تصوف وطریقت'' صفحات ۴ تا ۸) اس جماعت کا واحد مقصد اسلام اور اکابر اسلام کو بدنام کرنا تھا تاکہ اسلام جو دنیا کے بہت بڑے حصہ پر سیل رواں کی طرح پھیل رہا ہے اس پر روک لگادی جائے اس جماعت کی کارکردگی کچھ اس طرح تھی :-

﴿الف﴾- حضرات خلفاء ثلاثہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی سخت خوردہ گیری کی، ان کو ظالم اور غاصب قرار دیا، ان کے ایمان کو کفرونفاق سے متہم کیا۔ ان کے نام ونسب پر کیچڑ اچھالا۔ بات یہاں تک پہنچی کہ حیدرآباد دکن کے ایک پیر طریقت نے دو-دو ہزار روپے کی تھیلیاں لٹکا کر اعلان فرمایا کہ جو ابوبکر، عمر اور عثمان کا ایمان ثابت کرے وہ یہ رقم انعام میں لے جائے۔(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو میری کتاب ''شاندار فیصلہ'' صفحات ۵۶ تا ۶۲) انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ نے حالات سازگار فرمائے اور برادران اسلام نے حوصلہ افزائی کی تو میں حضرات خلفاء ثلاثہ کا نہ صرف ایمان ثابت کروں گا بلکہ یہ ثابت کروں گا کہ ان حضرات کا ایمان باقی امت کے ایمان سے بدرجہا بڑھ کر ہے اور یہ تینوں حضرات ''اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِيَاءِ'' ہیں۔

﴿ب﴾- حضرات خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں جو اسلامی فتوحات ہوئیں اور اللہ کے وعدہ ''استخلاف في الارض'' اور ''تمکین دین'' کی تعمیل ہوئی، سبائیہ اس کو ہوس ملک گیری، خواہش نفسانی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تکمیل، بداخلاقی وناانصافی، وحشی درندوں کے کام، ظلم وستم، عزت اور ناموس کی لوٹ، جبر واستبداد اور بے پناہ خون ریزی قرار دیتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو'' شاندار فیصلہ'' صفحات ۱۲۱ تا ۱۴۴) اور جن صحابہ کرام نے ان حضرات کے زمانہ میں مجاہدانہ کارنامے انجام دیئے اور اپنی جانوں پر کھیل کر'' اعلاء کلمۃ اللہ'' کا فریضہ انجام دیا جن کی بے لاگ قربانیوں کے سبب آج تک اسلام زندہ ہے، ان کو جی بھر کر بدنام کیا جن میں خاص طور پر حضرات خالد بن ولید، سعد ابن ابی وقاص، ابوعبیدہ ابن الجراح، ابوسفیان بن حرب اور ان کے فرزند یزید، عمرو ابن العاص، عبداللہ بن عامر وغیرھم رضی اللہ عنہم ہیں۔

﴿ج﴾۔ حضرت علی اور اہل بیت کی عقیدت اور محبت کو سبائیہ نے سپر اور شوگر کوٹنگ کے طور پر استعمال کیا تاکہ عامۃ المسلمین میں ان کی ساکھ رہے اور اس سے متاثر ہو کر عامۃ المسلمین ان کا ساتھ دیں۔ چنانچہ انھوں نے امامت ووصایت، خلافت بلافصل، خلافت صغریٰ اور خلافت کبریٰ کے عقیدے وضع کئے اور یہ موضوع عقیدے اصحابِ تصوف وطریقت کے ذریعہ عامۃ المسلمین میں نوے ۹۰ فیصد حد تک سرائیت کر گئے۔

﴿د﴾۔ یہ ذہن عام کیا کہ خلافت کے حقدار صرف حضرت علی اور اہل بیت ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے حضرت علی کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی، ان کو چھوڑ کر باقی وہ تمام حضرات جو فی الوقت بیعت سے دست کش رہے یا جمل وصفین میں مقابلے پر آئے انھیں جی بھر کر بدنام کیا، ان کے بارے میں سخت الفاظ استعمال کئے اور اتنا کچھ کیا کہ اچھے اچھے اصحاب علم ودانش اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

﴿ہ﴾۔ سبائیہ کو حضرت علی اور اہل بیت سے واقعی عقیدت ومحبت نہیں تھی وہ صرف مسلمانوں میں کشت وخون کرانے سے دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ ہر ہنگامہ آرائی میں ان حضرات کو سامنے رکھیں۔ اور جب یہ حضرات ان کے مقصد کو پورا کرتے نہ تھے تو ان پر بے تکلف تلوار چلادیتے تھے۔ حضرت علی نے باہمی کشت وخون کو روکنے کے لئے تحکیم کو قبول کیا تو سبائیوں کے انتہا پسندوں نے آپ سے قطع تعلق کر لیا۔ کل تک جس امام کے مخالفوں کو کافر اور واجب القتل قرار دیتے تھے آج اسی امام کو کافر اور واجب القتل قرار دے کر اس کو شہید کر دیا۔ حضرت حسین کے ساتھ بھی ان کا یہی عمل رہا کہ جب آپ ان کے ہاتھ سے نکلتے محسوس ہوئے تو اچانک شب خون مار کر آپ کو اور آپ کے چند عزیزوں کو شہید کر دیا۔

﴿و﴾۔ ایک طرف تو حضرت علی اور اہل بیت کے ساتھ ان کا یہ طرز عمل تھا اور ساتھ ساتھ پوری کوشش کرتے تھے کہ عامۃ المسلمین کے ذہن حضرت علی اور اہل بیت سے وابستہ رہیں تاکہ امت میں ہنگامہ آرائی اور الجھن قائم رہے۔ حضرت علی کے فضائل ومناقب میں اتنی حدیثیں گھڑیں کہ عامۃ المسلمین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں حضرت علی کے ''افضل الصحابہ'' ہونے کا مسئلہ زیر بحث آ گیا اور عامتہ المسلمین میں ایک قابل لحاظ جماعت آپ کی افضلیت کی قائل ہوگئی۔ حضرت حسین کوفیوں کی غلط بیانی پر اعتماد کر کے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے جو آپ کی واضح اجتہادی غلطی تھی جس سے آپ نے رجوع بھی فرما لیا تھا لیکن ان ہی کوفی سبائیوں نے آپ کو شہید کر کے اس کی ذمہ داری حکومت وقت پر ڈال دی۔ آپ کو ''سید الشہداء'' قرار دیا اور واقعہ کربلا کو جو ایک اتفاقی حادثہ تھا اس کو ایک طول طویل افسانہ بنا کر ''معرکہ حق و باطل'' مشہور کیا۔ کتنے ہی اصحاب علم و فضل آپ کو ''سید الشہداء'' اور واقعہ کربلا کو ''معرکہ حق و باطل'' قرار دیتے ہیں۔ طریقت و تصوف کے ذریعہ عامتہ المسلمین میں یہ بات ذہن نشین کر دی گئی کہ خلیفہ بلا فصل حضرت علی ہی ہیں۔ بیعت کے شجروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے بعد حضرت علی کا نام آتا ہے۔ اسی طرح حضرت حسین کو ''سید الشہداء'' اور واقعہ کربلا کو ''معرکہ حق و باطل'' قرار دینا سبائیوں کی کارستانی ہے۔

﴿ز﴾۔ اسلام کی تاریخ بنو عباس کے دور میں مرتب ہوئی۔ اس تاریخ کے مرتب کرنے والے اور روایات فراہم کرنے والے زیادہ تر وہی لوگ تھے جو فرزندان اسلام اور صحابہ کرام کے ہاتھوں شرمناک ہزیمت اٹھا چکے تھے۔ ان کے دل میں عربوں اور اسلام سے سخت عداوت تھی۔ مسلمانی کا لبادہ اوڑھ کر انھوں نے عرب کے قدیم کلچر کو جی بھر کر بدنام کیا۔ فحاشی اور بدکاری کے ایسے ایسے واقعات وضع کئے جس سے معلوم ہو کہ عرب خواتین میں غیرت و حمیت اور شرم و حیا نام کی کوئی چیز ہی نہیں تھی۔ ان مورخین نے کوشش کی کہ قریب قریب سب ہی صحابہ کرام کا نام و نسب مجروح اور مشتبہ کر دیا جائے۔

﴿ح﴾۔ بنوامیہ خاص طور پر ان کا ہدف تھے۔ اس لئے کہ یہ بنوامیہ ہی تھے جو عہد رسالت میں کرتا دھرتا کی حیثیت رکھتے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست راست اور نہایت مخلص رفیق تھے۔ بنوامیہ کی ہر شخصیت خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، سب و شتم کا نشانہ بنی۔ ان کی خلافت کے عہد کو جو اُمت اسلامیہ کا زرین عہد تھا، بدترین عہد قرار دیا۔ خلفاء اور ان کے اعوان و انصار کو نہایت شقی القلب، ظالم اور سفاک قرار دیا۔ حضرات عمرو ابن العاص، بُسر بن ارطاۃ، حصین بن نمیر سکونی، مسلم بن عقبہ، عمر بن سعد، حجاج بن یوسف وغیرھم تاریخ کی بدنام شخصیتیں قرار پائیں۔ اس کے برعکس جن لوگوں نے خلفاء اسلام کے خلاف ہنگامہ آرائیاں کی تھیں جیسے مالک اشتر، حر بن یزید ریاحی، حبیب ابن مظاھر، حجر بن عدی، عمرو بن الحمق اور مختار ثقفی ان لوگوں سے بڑی عقیدت پیدا کی گئی اور انھیں تقدس کے آسمانوں پر پہنچایا گیا۔

﴿ط﴾۔ کتنی شخصیتیں ایسی ہیں جن کا واقعتہً کوئی وجود ہی نہیں تھا جیسے فضہ نامی ایک خاتون جس کا کربلائی لٹریچر میں کثرت سے ذکر آتا ہے، فرزندان مسلم بن عقیل، فاطمہ کبریٰ (قاسم کی دلہن)، شش ماہے علی اصغر، شہربانو، مہدی وغیرھم۔ ان شخصیتوں کو صرف زیب داستاں کے لئے وجود میں لایا گیا۔ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح کئی واقعات فرضی ہیں جیسے در خیبر، غدیر خم، واقعہ قرطاس، واقعہ وادئ عقبہ، کربلا اور واقعہ حرہ کی خونچکاں داستانیں۔ اسی طرح بہت سارے واقعات واقعتہً کچھ اور تھے ان کو کچھ اور بنا دیا جیسے حضرت عمار بن یاسر کی شہادت، جنگ جمل میں حضرت زبیر کا میدان جنگ سے ہٹ جانا، تحکیم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص کا فیصلہ وغیرہ، ان واقعات کو کچھ کا کچھ بنا کر تاریخ میں الجھن پیدا کر دی۔

غرض تاریخ اسلام سبائیوں کے ہاتھوں کافی مجروح ہوئی۔ یہ بھی اسلام کی حقانیت کا ناقابل انکار ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تاریخ میں ایسے شواہد پوشیدہ کر دیئے ہیں کہ اگر کوئی شخص تحقیق اور غور و فکر کے جذبہ سے تاریخ کا مطالعہ کرے تو حقائق اس پر روشن ہو جائیں گے۔ شدید ضرورت اس بات کی ہے کہ تاریخ اسلام کا گہری نظر اور غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کیا جائے۔

تاریخ اسلام جو آج ہمارے سامنے ہے اس کا مطالعہ کرنے کے بعد کئی عجیب و غریب باتیں سامنے آتی ہیں، کئی امور ایسے ہیں جن کو پڑھ کر ذہن میں سوال آتا ہے کہ کیا ایسا ہو بھی سکتا ہے؟ دور کیوں جایئے صرف مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی مشہور تصنیف ''خلافت و ملوکیت'' پڑھیں تو اندازہ ہوگا کہ ہماری تاریخ اسلام کیسی ''چیستان'' بنی ہوئی ہے جس کی فی الوقت دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

﴿۱﴾۔ باب چہارم میں عنوان ''تغیر کا آغاز'' پڑھنے کے بعد یہ تصفیہ ہی نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت عثمان کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے۔ تعریف اور تنقید اتنی بھرپور انداز میں ہے کہ نہ تعریف تعریف معلوم ہوتی ہے اور نہ تنقید تنقید۔ مولانا لکھتے ہیں کہ حضرات ابوبکر و عمر اقربا نوازی سے پوری طرح محترز تھے اور حضرت عثمان اس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے اور اپنے نااہل، دولت کے بھوکے، شرابی اور فاسق اقربا کو ملک اور ملت پر مسلط کر دیا۔ ایسی صورت میں حضرت عثمان ''خلیفہ راشد'' ہی کہاں رہے؟ مولانا فرماتے ہیں کہ ''بغاوت کے علمبرداروں'' نے حضرت عثمان کے خلاف الزامات کی ایک فہرست مرتب کی جو زیادہ تر بالکل بے بنیاد یا ایسے کمزور الزامات پر مشتمل تھی جن کے معقول جوابات دیئے جا سکتے تھے اور بعد میں دیئے بھی گئے۔ آگے فرماتے ہیں کہ حضرت علی نے ان کے ایک ایک الزام کا جواب دے کر حضرت عثمان کی پوزیشن صاف کی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ بے بنیاد اور کمزور الزامات کیا تھے جن کا جواب دے کر حضرت علی نے حضرت عثمان کی پوزیشن صاف کی۔ اگر واقعی حضرت عثمان اپنے پیش رو خلفاء کی پالیسی سے ہٹ گئے تھے اور اندھی اقرباء نوازی آپ کا وطیرہ رہا تو یہ واقعتہً مضبوط اور معقول الزامات تھے۔ حضرت علی نے ان کا کیا جواب دے کر پوزیشن صاف کی؟ جب حضرت علی نے پوزیشن صاف کر دی تو پھر کوئی الزام ہی کہاں رہا؟ مولانا نے ولید بن عقبہ، مروان، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا تذکرہ ہی کیوں کیا جبکہ حضرت علی نے سب باتوں کو غلط قرار دے کر پوزیشن صاف کر دی تھی۔ یا پھر یہ ماننا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑے گا کہ الزامات تو بالکل صحیح اور مضبوط تھے لیکن حضرت علی نے اپنی لفاظی اور چرب زبانی سے الزامات کا آئیں بائیں شائیں جواب دے کر معترضین کو خاموش کر دیا گویا پوزیشن صاف نہیں کی بلکہ اس پر لفاظی کا پردہ ڈال دیا۔ حضرت علی کا بھی یہ کردار سامنے آتا ہے اور سوچنا پڑتا ہے کہ کیا حضرت علی ایک صریح غلط عمل کو صحیح ثابت کی مہارت تامہ رکھتے تھے؟ آگے کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی حضرت علی نے صحیح الزامات کو غلط ثابت کرنے میں مہارت دکھائی تھی۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

> ......صرف اتنی بات کافی ہوسکتی تھی کہ یہ لوگ مدینہ طیبہ کے انصار و مہاجرین اور خصوصاً اکابر صحابہ سے مل کر ان کے ذریعہ سے حضرت عثمان کو اصلاح پر آمادہ کرتے۔

گویا بغاوت کے علمبرداروں کے الزامات صحیح تھے۔ انھیں انصار و مہاجرین اور اکابر صحابہ کے ذریعہ دباؤ ڈال کر حضرت عثمان کو اصلاح پر آمادہ کرنا چاہئے تھا۔ پھر لکھتے ہیں:-

> چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوشش شروع بھی کر دی تھی اور حضرت عثمان نے اصلاح کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔

سوال یہ ہے کہ جب حضرت علی کے نزدیک حضرت عثمان کی پوزیشن صاف تھی اور الزامات کمزور اور بے بنیاد تھے تو پھر آپ نے کس بات کی اصلاح کی کوشش شروع کی تھی۔ حضرت عثمان نے اپنے وعدہ کے مطابق واقعی اصلاح کر دی تھی تو پھر آپ کو شہید کیوں کیا گیا اور اصلاح نہیں کی تھی تو کیا حضرت عثمان نے اصلاح کرنے کا جھوٹا وعدہ کیا تھا؟ حضرت عثمان کی شہادت کا واقعہ لکھ کر ایک خلیفہ اور ایک دنیاوی بادشاہ کا فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> مگر وہ خلیفہ راشد تھے......وہ اپنی جان دے دینے کو اس سے ہلکی چیز سمجھتے تھے کہ ان کی بدولت وہ حرمتیں پامال ہوں جو ایک مسلمان کو ہر چیز سے بڑھ کر عزیز ہونی چاہئیں۔

''بیت المال کے امانت ہونے کا تصور'' کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ خلفاء کے نزدیک مال کا خلاف قانون خرچ کرنا جائز نہ تھا اور ذاتی اغراض کے تحت اس کا استعمال حرام تھا۔ آگے ''ظالم بادشاہ'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ (مال کو) دوسرے کو بے جا عطا کر دیتا ہے۔ ادھر حضرت عثمان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ افریقہ کے مال غنیمت کا خمس (۵ لاکھ دینار) آپ نے مروان بن حکم کو بخش دیا۔ پہلی جنگ کا خمس عبداللہ بن سعد کو دیا اور دوسری جنگ کا خمس مروان کو دیا۔ تو کیا یہ حرمت کی پامالی حضرت عثمان سے سرزد نہیں ہوئی؟ اور کیا آپ اس بے جا عطا کی بناپر ''ظالم بادشاہ'' قرار نہیں پاتے؟ اس چیز کے پیش نظر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان بیک وقت خلیفہ راشد بھی تھے اور ''ظالم بادشاہ'' بھی تھے۔ اب اس ''جام'' اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''سندان'' کو بیک وقت کیسے سنبھالا جائے؟

﴿۲﴾- تحکیم کے بعد شام پر چڑھائی کی تیاریوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت علی کی تقریروں کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ

> ''ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اُمت پر ملوکیت کے مسلط ہو جانے کا خطرہ کس شدت کے ساتھ محسوس کر رہے تھے اور خلافتِ راشدہ کو بچانے کے لئے کس طرح ہاتھ پاؤں مار رہے تھے''

آگے حضرت معاویہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> حافظ ابن کثیر کے بقول سنت بھی یہی ہے کہ ان کو خلیفہ کے بجائے بادشاہ کہا جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ ''میرے بعد خلافت ۳۰ سال رہے گی پھر بادشاہی ہوگی'' اور یہ مدت ربیع الاول ۴۱ھ میں ختم ہوگئی جبکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوئے۔

خلافت کے ۳۰ سال باقی رہنے اور پھر ملوکیت ہو جانے کی حدیث ابن کثیر کو معلوم تھی تو حضرت علی کو بدرجۂ اولیٰ معلوم ہی ہوگی۔ حدیث کے بموجب ربیع الاول ۴۱ھ تک خلافت راشدہ رہنے کی بات قطعی تھی تو پھر اس کو بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے کی کیا ضرورت تھی اور اس کے بعد ملوکیت آ جانے کی بات بھی قطعی تھی تو ملوکیت کے مسلط ہو جانے کے خطرہ کا سوال ہی کیا تھا۔ اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو پھر بھی حضرت علی کی خلافت راشدہ کو بچانے اور ملوکیت کو مسلط ہونے سے روکنے کی کوششیں قابل تحسین تھیں، لیکن کیا حضرت علی مقدرات سے لڑ کر خلافت راشدہ باقی رکھنا چاہتے تھے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو غلط ثابت کرنے کے لئے جدوجہد کر رہے تھے؟

مولانا فرماتے ہیں کہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے بحال ہونے کی آخری صورت یہ تھی کہ حضرت معاویہ اپنے بعد جانشین کا معاملہ مسلمانوں کے اہل علم و اہل خیر پر چھوڑ دیتے لیکن انھوں نے اپنے بیٹے کی ولی عہدی کی بیعت لے کر اس امکان کا بھی خاتمہ کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ ۴۱ھ کے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوۃ تھی ہی کہاں۔ جبکہ حدیث مذکورہ کے بموجب ملوکیت آ چکی تھی۔ اگر حضرت معاویہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کو بحال کرنے کی کوشش کرتے تو کیا ان کے ''فرد جرم'' میں یہ اضافہ نہیں ہوتا کہ یہ صاحب ''قول رسول'' کو غلط ثابت کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔

''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور صرف دو مثالیں پیش کی گئی ہیں ورنہ ایسی ''چیستانیں'' تاریخ اسلام میں اس کثرت سے ہیں کہ ایک مستقل کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ سبائی ذہنیت رکھنے والے مورخین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے ایسی بے سروپا روایتیں جمع کر دی ہیں کہ اچھے اچھے اصحاب علم و دانش ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ مخفی مبادمیرا مقصد ''خلافت وملوکیت'' پر تنقید کرنا نہیں ہے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ تاریخ اسلام کی روایات میں کافی الجھنیں ہیں۔ قدیم مورخین کا عجیب وغریب انداز رہا ہے جس کی وجہ سے ان کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسے مورخین بھی ہیں جن کی زیادہ تر تحریریں انھیں اہل سنت ثابت کرتی ہے لیکن لگے ہاتھ وہ بعض سبائی روایات کو بھی اپنی کتابوں میں جگہ دیدیتے ہیں۔ ایک خالی الذہن قاری اس یقین کے ساتھ اس کی کتاب پڑھتا ہے کہ وہ صحیح العقیدہ اہل سنت مورخ کی کتاب پڑھ رہا ہے اس طرح سبائی روایات اس کے حلق میں اتر جاتی ہیں۔ ایسے مورخین بھی ہیں جنھوں نے صرف روایات کو جمع کیا ہے اور حاطب اللیل کی طرح ساری رطب ویابس روایتوں کا ڈھیر لگادیا۔ لوگ ان کے وسعت علم سے متاثر ہو کر ان کی روایات کو قبول کر لیتے ہیں۔ ایسے مورخین بھی ہیں جنھوں نے بعض صحابہ کی مدافعت کی لیکن ایسی پُھسپُھسی مدافعت کی کہ یہ مدافعت خود ان صحابہ کی سیرت کو مجروح منوانے کا ثبوت بن گئی اور اس سے سبائی ذہنیت ہی کو فروغ حاصل ہوا۔ جب عامتہ المسلمین ان تاریخوں کو پڑھیں گے تو تاریخ اسلام تو کجا اسلام ہی کے بارے میں شک وشبہ میں پڑ جائیں گے کہ یہ کیا دین ہے کہ وہ صحابہ جو بقیہ امت سے افضل اور امت کے مقتدا ہیں ان کا یہ کردار ہے تو پھر بعد کے لوگ کیسے ہوں گے اور جو دین اکابر صحابہ میں تبدیلی پیدا نہ کر سکا وہ دوسروں کے لئے کس طرح ہدایت کا باعث ہوگا۔ جس نبی کا اہم فریضہ ''تزکیہ نفس'' تھا اس نبی کے مقرب صحابہ ہی خباثتوں میں ملوث تھے تو نبی نے آخر تزکیہ نفوس کا فریضہ کیا انجام دیا؟

دور کیوں جایئے۔ فی الوقت ''خلافت وملوکیت'' ہی دیکھ لیجئے جس سے اکابر صحابہ کا کیسا ناقص کردار سامنے آتا ہے۔ چند مثالیں ہیں:-

﴿۱﴾- مولانا مشہور حدیث ''تقتلک الفئته الباغية'' لکھ کر اور یہ بیان کرتے ہوئے کہ حضرت عمار جنگ صفین میں حضرت معاویہ کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے قطعیت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت عمار کی شہادت پر حق و باطل کا فیصلہ ہوگیا۔ حافظ ابن حجر کا قول پیش کرتے ہیں کہ قتل عمار کے بعد یہ بات ظاہر ہوگئی کہ حق حضرت علی کے ساتھ تھا، حافظ ابن کثیر کا قول پیش کرتے ہیں کہ اس واقعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی کہ حضرت علی حق پر ہیں اور حضرت معاویہ باغی ہیں۔ اس کے باوجود جو صحابہ حضرت علی کی بیعت سے رُکے رہے وہ رُکے رہے اور جو حضرت معاویہ کی طرف تھے ان کے رویہ میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ حضرت عمار کے قتل کے دوسرے روز بھی جنگ جاری رہی بلکہ شدید ہوگئی۔ تحکیم کے بعد حضرت علی کا موقف کمزور ہوتا گیا اور حضرت معاویہ زور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پکڑتے چلے گئے۔ کتنے ہی اکابر صحابہ نے حق کے ظاہر ہو جانے کے باوجود نہ حضرت علی کی بیعت کی اور نہ حق کی حمایت کے لئے اُٹھے۔ دوسرے صحابہ کا معاملہ تو رہنے دیجئے حضرت سعد بن ابی وقاص کے بارے میں ایک جگہ موصوف نے لکھا ہے کہ ایک لاکھ تلواریں ان کی حمایت کے لئے تیار تھیں۔ صرف حضرت سعد ہی حق کی حمایت کے لئے کھڑے ہوتے تو آج تاریخ کچھ اور ہوتی۔ اب حضرت سعد جیسے جلیل القدر اور مبشر بالجنۃ صحابی کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے کہ وہ اس موقعہ پر کیوں خاموش رہے ان کا جذبۂ حق پرستی اس اہم موقعہ پر کیوں سرد پڑ گیا؟

﴿۲﴾۔ ''چھٹا مرحلہ'' کے عنوان کے تحت مولانا نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمین یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو ابن العاص اپنی اہم ذمہ داریوں سے بے خبر اور اس اہم منصب کے قطعی نااہل تھے۔ ایک انتہائی سادہ لوح اور بالکل بے وقوف اور دوسرا انتہائی چالاک اور متفنّی اور سارا عالم اسلام بشمول حاضر الوقت اکابر صحابہ ان کے فیصلے پر نظر جمائے ہوئے! یہ بات حیرت انگیز ہے کہ نہیں؟ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وہ بزرگ ہیں کہ عہد رسالت میں یمن کے والی اور مبلغ اسلام تھے، عہد رسالت میں فتویٰ دیتے تھے۔ حضرت امام محمد کی کتاب ''کتاب الآثار'' میں ہے کہ آپ اور حضرت علی اور حضرت ابی بن کعب باہمی علمی مذاکرات کرتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ تحکیم کے اہم موقعہ پر آپ نے اپنی وہ بلند پایہ صلاحیتوں کو کیوں معطل رکھا اور ایک نہایت بے وقوف شخص کی طرح دھوکا کھا گئے اور حضرت علی کا بیڑہ غرق کر کے شرم کے مارے منہ نہ دکھا سکے اور سیدھے مکہ چلے گئے!

رہے عمرو ابن العاص تو مولانا کے بموجب جنگ صفین میں قران اٹھانا صرف جنگی چال تھی قرآن کو حکم بنانا مقصود نہیں تھا۔ اور پھر انھوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو وہ جُل دیا کہ اسی وقت حضرت معاویہ کی خلافت گویا طے ہوگئی اور آپ نے ان کو خلافت کی بشارت بھی دے دی! حضرت عمرو ابن العاص وہ صحابی ہیں جنھوں نے صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصہ میں اسلام قبول کیا تھا، قبول اسلام کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب رہے، آپ کے حکم سے رمضان ۸ ھ میں بنو ہذیل کے بُت ''سواع'' کو منہدم کیا تھا۔ اللہ کے رسول اپنی وفات تک آپ سے راضی اور خوش رہے۔ خلفاء ثلاثہ کے زمانے میں آپ کے مجاہدانہ کارناموں کی ایک تاریخ ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے مجاہد صحابی سبائیوں کی آنکھوں میں کیسے نہیں کھٹکتے۔ اگر ان کا کوئی عمل دین اور ملّت کے لئے نقصان دہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطور پیشگوئی اشارہ فرما دیتے کہ یہ انتہائی چالباز شخص ہے ایک وقت آئے گا کہ یہ قران کو بھی جنگی چال کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طور پر استعمال کر کے دین وملّت کو نقصان پہنچائے گا۔ لیکن ایسی کوئی روایت نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو اس عظیم خطرے کے بارے میں کیوں نہیں آگاہ کیا؟

یزید کی جانشینی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے اپنی کوفہ کی گورنری کے تحفظ کے لئے حضرت معاویہ کو اس طرح خوش کیا کہ یزید کی جانشینی کی رائے دی۔ لکھتے ہیں کہ یہ تجویز کسی صحیح جذبہ کی بنیاد پر نہیں ہوئی۔ ایک بزرگ نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے دوسرے بزرگ کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا اور اس بات سے قطع نظر کر لیا کہ وہ اُمت کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں قبیلہ بنو ثقیف کے نمایاں فرد ہیں۔ سنہ ۵ھ میں اسلام لائے۔ صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان میں شرکت کا شرف حاصل کیا۔ حضرات خلفاء ثلاثہ کے زمانے میں مجاہدانہ کارنامے انجام دیئے۔ ان بے چاروں کا بڑا جرم سبائیوں کے نزدیک یہ ہے کہ یہ حضرت معاویہ کے طرفداروں میں سے تھے۔ سبائی مورخین نے ان کو عیاشی اور فحاشی میں جی بھر کر بدنام کیا ہے ایسے شرمناک قصے گھڑے ہیں کہ ان کو دہرانے سے اخلاق اور شرافت مانع ہے۔ حضرت معاویہ کے زمانے میں یہ کوفہ کے گورنر تھے جو سبائیوں کا گڑھ تھا۔ ان کی شرارتوں سے حضرت مغیرہ تنگ آگئے تھے۔ سبائیوں نے ان کے خلاف ایک تحریک یہ بھی شروع کی تھی کہ یہ غیر قریشی ہیں جو ہم پر مسلط ہیں۔ اس طرح آپ کے خلاف قریشی اور غیر قریشی کی مہم بھی چلا رکھی تھی۔ البدایہ والنہایہ کی روایت کے مطابق آپ نے حضرت معاویہ سے درخواست کی تھی کہ میں کافی بوڑھا ہو چکا ہوں۔ قریشی لوگ میرے خلاف ہوگئے ہیں آپ مجھے اس خدمت سے سبکدوش کر دیجئے۔ ایسی صورت میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے اپنے ذاتی مفاد (گورنری کے تحفظ) کے لئے حضرت معاویہ کے ذاتی مفاد (فرزند کی ولیعہدی) سے اپیل کی اور اُمت کو غلط راہ پر ڈال دیا۔ یہ روایت ضرور ہے کہ آپ نے اپنی کسی ملاقات میں حضرت معاویہ کو اپنے بعد جانشین مقرر کرنے کی رائے دی اور ضمناً یزید کو جانشین قرار دینے کا مشورہ دیا لیکن آپ کا مشورہ کسی ذاتی غرض اور ملّت کو نقصان پہنچانے کے لئے نہیں بلکہ بالکلیہ دین وملت کی خیر خواہی کے تحت تھا۔ ذاتی غرض کچھ نہیں تھی۔ آپ کا انتقال ۵۱ھ میں ہوا اور یزید کی جانشینی کی کارروائی ۵۶ھ میں ہوئی۔ اس کے پیش نظر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے اپنی غرض کے لئے حضرت معاویہ کو غلط مشورہ دیا تھا۔ سبائیوں کے نزدیک یہ حضرت نہایت مبغوض اور مطعون ہیں۔ یہ مشہور بات ہے کہ نجف میں جو قبر حضرت علی کی بتائی جاتی ہے وہ دراصل حضرت مغیرہ بن شعبہ کی قبر ہے۔

بہر حال ہماری تاریخ اسلام جو آج ہمارے سامنے ہے اس پر کافی غور و خوص کرنے کی ضرورت ہے۔ اس پر سبائی ذہنیت رکھنے والے مورخین نے اپنے پورے اثرات چھوڑے ہیں۔ اکابر صحابہ کرام جن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی اسلامی خدمات نہایت روشن ہیں جن سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک راضی اور خوش رہے ان کے کردار کو کافی مسخ کیا گیا ہے۔ اہل سنت والجماعت کا خاصہ ہے کہ ہر اس صحابی سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں اور اس کو مطاع و مقتداء مانتے ہیں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی اور خوش رہے۔ سبائیوں کے نزدیک صرف ان صحابہ سے عقیدت ہے جن کے تعلقات حضرت علی سے اچھے تھے یا انھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی۔ جو صحابہ بیعت سے کنارہ کش رہے یا جو صحابہ جمل وصفین میں مقابلے پر آئے وہ سبائیوں کے نزدیک مبغوض و مطعون ہیں۔ گویا سبائیوں کے نزدیک رسول سے تعلق کی اہمیت نہیں ہے بلکہ حضرت علی سے تعلق کی اہمیت ہے۔ سبائیت اور رفض کی چھاپ یا اس کے اثر سے بہت سارے اہل سنت مورخین بھی اسی ذہنیت سے متاثر ہیں۔ یہی دیکھا جائے کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر جلیل القدر صحابی اور بالاتفاق مبشر بالجنہ ہیں۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ کی جو عظمت وجلالت ہے وہ اظہر من الشمس ہے لیکن جنگ جمل کے معاملے میں بے تکلف ان عظیم المرتبت شخصیتوں پر ''اجتہادی غلطی'' کا حرف رکھتے ہیں۔ قاتلان عثمان سے قصاص ایک اہم ترین دینی فرض تھا جس کی ادائی کے لئے یہ حضرات اُٹھے تھے۔ جو اکابر صحابہ غیر جانبدار تھے انھوں نے بھی ان حضرات کو اس اقدام سے نہیں روکا تھا وہ جانتے تھے کہ فریقین کا استدلال اپنی اپنی جگہ معقول اور برحق ہے۔ اس کے برخلاف جب یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسین کا بہ نیت خروج مکہ سے کوفہ کا سفر ایک واضح اجتہادی غلطی تھی اور حاضر الوقت سارے ہی مخلصین واعزہ نے آپ کو روکا تھا اور آخر میں آپ نے خود بھی اپنے موقف سے رجوع فرمالیا تھا تو یہ لوگ برہم ہو جاتے ہیں کہ حسین پر اجتہادی غلطی کا حرف رکھتے ہو؟ حالانکہ اصحاب جمل (حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور ام المومنین عائشہ) حضرت حسین سے بہر حال افضل و برتر تھے۔ افضل پر تو اجتہادی غلطی کا حرف رکھنا اور مفضول پر اجتہادی غلطی کا حرف رکھنے پر برہم ہونا ہی سبائی ذہنیت ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:-

فالتشيع في عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل علي علىٰ عثمان و ان عليا كان مصيبا في حروبه وان مخالفه مخطي مع تقديم الشيخين و تفضيلهما۔

ترجمہ: متقدمین کے نزدیک شیعت یہ اعتقاد ہے کہ حضرت علی، حضرت عثمان سے افضل ہیں اور یہ اعتقاد کہ حضرت علی اپنی جنگوں (جمل وصفین) میں حق پر تھے اور ان کے مخالفین (اصحاب جمل و اہل شام) خطا پر تھے، خواہ یہ لوگ حضرات شیخین (حضرت ابوبکر وحضرت عمر) کو مقدم اور افضل مانیں۔

علامہ عسقلانی کے اس قول سے اندازہ ہوتا ہے کہ قدیم زمانے سے ہی صحابہ کرام اور اکابر سلف پر حرف گیری کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا اور اہل سنت بھی جن کا خاصہ ''تقدیم وتفضیل شیخین'' ہے شیعیت و

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رفض اور سبائیت سے متاثر ہو چکے تھے۔ علامہ عسقلانی نے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ کر بتایا کہ سُنّیت اور سبائیت کے درمیان نقطۂ امتیاز کیا ہے۔ [illegible] اہل سنت کی ذمہ دار شخصیتوں نے بے تکلف اصحاب جمل کے بارے میں اجتہادی غلطی کا حرف رکھا ہے اور حضرت معاویہ کو ''قتل عمار'' کی بناء پر باغی اور برسر باطل قرار دیا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ صحابہ کرام اور اکابر سلف کی سیرتوں کا قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور پیش آمدہ واقعات کی روشنی میں مطالعہ کیا جائے تا کہ معلوم ہو کہ اسلام کے ان اولین فرزندوں کی سیرت اور تاریخ کیا تھی اور اسلام دشمن لابی نے کس طرح اس کو تاریک اور داغدار بنایا۔ اسلام دشمن لابی کی پوری کوشش یہی ہے کہ آنے والی نسلوں کے سامنے اکابر سلف کی سیرتوں کو داغدار بنا کر پیش کیا جائے تا کہ وہ اپنے اسلاف سے بداعتقاد اور برگشتہ ہو جائیں۔

اب آیئے چند بزرگوں کی سیرت کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ وہ کس درجے کے لوگ تھے اور عام طور پر وہ کیا مشہور ہیں۔

دین تصوف وطریقت

یہ کتاب تصوف اور طریقت پر سیر حاصل مواد کا مجموعہ ہے۔ اس کا ہر عنوان بار بار مطالعے کا متقاضی ہے۔ بحمد للہ یہ کتاب اہل علم سے کافی داد تحسین حاصل کر چکی ہے۔ اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں صوفیوں نے اسلام کے نام سے دین تصوف وطریقت کی ترویج کی ہے جو دین اسلام کے متوازی ایک مستقل دین ہے۔

قیمت: (۱۲۰) روپئے

یہ کتاب وہاں سے حاصل کی جا سکتی ہے جہاں سے زیر نظر کتاب حاصل کی گئی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ

مولد: مکہ معظمہ **وفات**: ۳۴ھ۔ **مدفن**: مدینہ منورہ

نام ونسب: صخر نام، کنیت ابوسفیان اور ابوحنظلہ ہے۔

سلسلۂ نسب یہ ہے۔ صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ عبد مناف پر ان کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر تھے۔

فضائل ومناقب: ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں اسلامی شان وشوکت سے متاثر ہو کر کچھ افراد نے منافقانہ اسلام قبول کیا تھا۔ یہ لوگ بظاہر مسلمان تھے اور مسلمانوں میں گھلے ملے رہتے تھے لیکن ان کی ساری ہمدردیاں دشمنان اسلام کے ساتھ تھیں۔ بالکل اسی طرح ہجرت سے قبل مکہ معظمہ میں ایسے افراد موجود تھے جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اور بظاہر کفار ومشرکین کے ساتھ تھے لیکن ان کی دِلی ہمدردیاں اسلام اور پیغمبر اسلام سے وابستہ تھیں۔ گویا یہ افراد مدینہ کے منافقین کا جواب تھے۔ ان میں یہ چند حضرات خاص طور پر نمایاں ہیں۔

﴿۱﴾۔ **حضرت عباس بن عبدالمطلب**: انھوں نے فتح مکہ تک اپنے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا لیکن اپنی زوجہ مکرمہ سیدہ ام الفضل بنت حارث اور اپنے پروردہ بھتیجے جعفر بن ابی طالب کو اسلام قبول کرنے کی اجازت دی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر اس قدر اعتماد تھا کہ بیعت عقبہ کے نازک موقعہ پر آپ نے ان ہی کو اپنے ساتھ رکھا تھا اور عباس بیعت کرنے والوں کو آپ کی مدد ونصرت کی تلقین کررہے تھے۔ جنگ بدر میں کفار کے ساتھ آئے تھے لیکن کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ہدایت فرمائی تھی کہ عباس پر ہاتھ نہ اٹھائیں۔

﴿۲﴾۔ داماد رسول حضرت ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزیٰ بن عبد شمس، یہ بھی خیر خواہان اسلام میں سے تھے۔ اپنی زوجہ مکرمہ سیدہ زینب بنت رسول اللہ کے ساتھ حسن معاشرت کی قابل تقلید مثال قائم کی۔ شعب ابی طالب کی محصوری کے زمانے میں اونٹوں پر غلہ بھر کر شعب کی طرف ہانک دیتے تھے۔ اور راتوں کو خفیہ طور پر ضرورت کی چیزیں پہنچادیتے تھے۔

﴿۳﴾۔ حضرت حکیم بن حزام۔ یہ اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے بھتیجے تھے۔ یہ بھی شعب کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محصوری کے زمانے میں غلّہ اور پانی پہنچاتے اور کفار کی سازشوں سے باخبر کرتے تھے۔

﴿۴﴾-حضرت عبداللہ بن ابوبکر صدیق۔ ہجرت کے موقعہ پر غار ثور میں بکریوں کو لے جا کر دودھ فراہم کرنا اور کفار کی دن تمام کی دوڑ دھوپ کی خبریں رات کے وقت اپنے والد بزرگوار کو پہنچانا ان کا کام تھا۔ اس انتہائی خطرناک وقت میں جان پر کھیل کر جس خوبی کے ساتھ انھوں نے یہ خدمت انجام دی اس کی مثال نہیں ملتی۔ اپنے والد بزرگوار کے عہد خلافت کی مشہور جنگ یمامہ میں شہادت پائی۔

﴿۵﴾-نعیم بن مسعود۔ یہ صاحب بھی درپردہ مسلمان ہو چکے تھے۔ جب حضرت عمر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے ارادے سے نکلے تو انھوں نے حضرت عمر کا رُخ ان کی بہن کی طرف کر دیا تاکہ اللہ کے رسول کو کوئی گزند نہ پہنچے۔

ان ہی سعادت مند بزرگوں میں سے ایک ابوسفیان بن حرب بھی تھے۔ سرداران قریش میں تقریباً سب ہی ایسے تھے جنھوں نے اپنے ماتحتوں اور غلاموں کو اسلام قبول کرنے پر مارا پیٹا تھا لیکن کوئی روایت نہیں ملتی کہ ابوسفیان نے بھی کسی پر قبول اسلام کے جرم میں مظالم ڈھائے ہوں۔

ایک بار ابوجہل نے سیدہ فاطمہ زہرا کے چہرہ پر طمانچہ مار دیا۔ وہ روتی ہوئی اپنے والد بزرگوار کے پاس گئیں۔ آپ نے فرمایا تم اپنے چچا ابوسفیان کے پاس جاؤ اور ان سے شکایت کرو۔ چنانچہ سیدہ نے ابوسفیان سے شکایت کی۔ انھوں نے سیدہ کا ہاتھ پکڑا اور حرم میں لے آئے جہاں ابوجہل موجود تھا۔ اور کہا: بیٹی! جس قدر زور سے مار سکتی ہو اس کے منہ پر طمانچہ مارو! سیدہ نے ابوجہل کے منہ پر طمانچہ رسید کیا۔ اس وقت ابوسفیان اس قدر جوش وغضب میں تھے کہ ابوجہل کچھ نہ کر سکا اور خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو فرمایا! اے اللہ! میں ابوسفیان کے اس احسان کو بھول نہیں سکتا۔

ظہور اسلام کے وقت ابوسفیان قریش کے علمبردار اور منصب ''عقاب'' کے حامل تھے۔ ہجرت کے بعد جب اہل مکہ سے جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا تو لامحالہ ان کو اسلام اور پیغمبر اسلام کے مقابلے پر آنا پڑا۔ یہ ابوسفیان کی منصبی مجبوری تھی۔ جنگ بدر کے موقعہ پر یہ مکہ سے باہر تھے۔ اس لئے بدر میں شریک نہیں تھے۔ جنگ احد اور اس کے بعد معرکوں میں یہ دشمن اسلام کی حیثیت سے نمایاں ہو گئے۔ ان جنگوں میں انھوں نے جو کچھ کیا وہ اپنی منصبی مجبوری کی بنا پر کیا اگر وہ اس منصب پر فائز نہ رہتے تو آج ان کی سیرت کچھ اور ہوتی۔

ابوسفیان کی صاحبزادی سیدہ ام حبیبہ اپنے شوہر کے ساتھ سبقت فی الاسلام کے شرف سے مشرف ہو چکی تھیں اور حالات سے مجبور ہو کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئیں۔ وہاں پہنچ کر ان کا شوہر مرتد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو گیا لیکن یہ دین اسلام پر قائم رہیں۔ محرم ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام نکاح بھیجا۔ چنانچہ نجاشی شاہ حبشہ نے حضرت جعفر طیار کی موجودگی میں نکاح کی رسم انجام دی اور گرانقدر مہر اپنی طرف سے ادا کر کے ان کو مدینہ منورہ بھیج دیا۔ ابوسفیان کو اس نکاح کی اطلاع ملی تو کہا: ''یہ بہت اچھا ہوا، محمد اس کے اہل ہیں''۔ یہ صلح حدیبیہ کے صرف دو تین مہینے کے بعد کا واقعہ ہے۔

ابوسفیان کی دوسری دو صاحبزادیاں سیدہ جویریہ اور سیدہ آمنہ اور دو فرزند یزید اور معاویہ مسلمان ہو گئے تھے اور اپنے والدین کے خوف سے اسلام کا اظہار نہ کر سکتے تھے۔ پھر بھی ابوسفیان اپنے گھر کی اندرونی کیفیت کو تاڑ گئے۔ ان حالات نے ان کی اسلام دشمنی کے جذبہ کو سخت دھکا پہنچایا۔ اسی زمانے میں ابوسفیان ایک تجارتی سفر میں شام کی طرف روانہ ہوئے۔ اس عرصہ میں ہرقل شاہ روم کو اسلام کا دعوت نامہ پہنچ چکا تھا۔ ہرقل چاہتا تھا کہ عرب کا کوئی قافلہ ملے تاکہ اس سے دعوت اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ حُسن اتفاق سے یہی قافلہ جس کے امیر ابوسفیان تھے، ہرقل کے پاس پیش کیا گیا۔ ہرقل نے ابوسفیان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کئی سوالات کئے۔ صورت حال کچھ ایسی تھی کہ ابوسفیان آپ کے بارے میں کچھ غلط بیانی نہ کر سکے جس کی وجہ سے ہرقل نے اچھا اثر لیا۔ ان سارے حالات نے ابوسفیان کے دل پر اسلام کی حقانیت کو اچھی طرح مرتسم کر دیا۔ اب ابوسفیان وہ ابوسفیان نہیں تھے جو اُحد کے میدان میں اپنی فتح پر مسرور ہو کر ''ھبل کی جے'' پکارتے تھے۔ اس شہباز کو توحید کے جال میں آنے کے لئے اب زیادہ وقت باقی نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ فتح مکہ سے قبل ہی ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے قدیمی رفیق عباس بن عبدالمطلب نے ان کی جان کی پوری پوری حفاظت کی اور سفارش اور اصرار سے ان تقصیرات کی نہ صرف معافی دلائی بلکہ خصوصی اعزاز عطا کروایا۔ عباس نے عرض کیا کہ ابوسفیان فخر پسند آدمی ہیں انھیں کچھ ایسا اعزاز عطا فرمایئے جو ان کے لئے باعث فخر ہو۔ آپ نے اعلان فرمایا کہ جو شخص بیت الحرام میں داخل ہو جائے اس کو امان ہے اور جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امان ہے۔ یہ ایسا خصوصی اعزاز تھا کہ جو کسی بھی قریشی سردار کو نصیب نہیں ہوا۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلام انسانیت کے لئے طغرائے امتیاز ہے۔ انسانی مجد و شرف کا ضامن ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد شرف و اعزاز میں اضافہ ہی ہوتا ہے کمی نہیں ہوتی۔ بیشتر سرداران قریش نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ اگر یہ صاحب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) غالب آ گئے تو پھر ہمارا کوئی مقام نہیں رہے گا ہم عوام الناس کے برابر ہو جائیں گے۔ اسی بنا پر انھوں نے آپ کی شدّت سے مخالفت کی تھی۔ اس کشمکش میں جو ہلاک ہو گئے وہ ہلاک ہو گئے، جو زندہ بچے اور اطاعت قبول کر لی انھوں نے دیکھا کہ نہ صرف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعزاز باقی رہا بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا تو ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اور معلوم ہوا کہ اسلام کسی عزت والے کو بے عزت نہیں کرتا بلکہ اس کے شرف و اعزاز کو بڑھاتا ہے۔ ابوسفیان کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ ان کی خوش نصیبی تھی کہ وہ کفر و اسلام کی کشمکش میں زندہ رہ گئے۔ فتح مکہ کے موقعہ پر سو فیصد اس بات کا یقین تھا کہ ان کی ایک ایک حرکت کا حساب لیا جائے گا۔ ان کا ایک ایک جرم بھیانک شکل لئے آنکھوں کے سامنے نمودار ہو رہا تھا لیکن ابوسفیان اس وقت کسی دنیاوی جابر و قاہر بادشاہ کے سامنے نہیں کھڑے تھے بلکہ اللہ کے اُس رسول کے سامنے کھڑے تھے جو سراپا رحمتِ مجسم تھے، الشفقة علی خلق اللہ جس کی سیرت پاک کا اہم عنوان تھا، اور خود رسول کے چچا عباس، ابوسفیان کا سر اپنی گود میں لئے کہہ رہے تھے کہ خبردار کوئی ابوسفیان پر ہاتھ نہ اٹھائے۔ ابوسفیان نے کلمۂ شہادت پڑھا اور اللہ اور رسول کی بارگاہ میں مقبول ہو گئے۔ جیسے ہی اسلام قبول کیا ان کے اعزاز میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔

سب سے پہلا اور عظیم اعزاز یہ ملا کہ ان کے گھر کو بیت الحرام کی طرح دار الامان قرار دیا گیا۔

دوسرا یہ اعزاز ملا کہ عباس بن عبدالمطلب اور ان کو مدینہ منورہ منتقل ہو جانے کی اجازت دی گئی جبکہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں تھی اور آپ نے دوسرے سرداران قریش کو مکہ واپس کر دیا تھا۔ گویا عباس اور ابوسفیان آپ کے نزدیک قدیم الاسلام ہی تھے۔

تیسرا اعزاز یہ ملا کہ ان کو نجران کا عامل مقرر فرمایا۔ جبکہ نجران رومی اقتدار کا سرحدی علاقہ تھا۔ اس جگہ پر ایسا ہی شخص متعین کیا جا سکتا تھا جو نہایت مخلص، اعلیٰ درجہ کا مدبّر اور بھرپور اعتماد کا حامل ہو۔ اس کے لئے ابوسفیان کا انتخاب اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ ابوسفیان آپ کی نظر میں اس درجے کے شخص تھے۔

چوتھا اعزاز یہ ملا کہ ان کے دوسرے لائق و فاضل فرزند معاویہ کو آپ نے اپنا سکریٹری اور منشی مقرر فرمایا۔ دوسرے اہم خطوط کے علاوہ کتابت وحی کی ذمہ داری عطا فرما کر انھیں جماعت "کِرَامٍ بَرَرَةٍ" (سورہ عبس آیت ۱۶) میں شریک فرمایا۔

یہ سب ایسے اعزازات تھے جو سب کے سب کسی بھی قریشی سردار کے لئے بیک وقت جمع نہیں ہوئے تھے۔ حنین کے مال غنیمت میں سے ۱۰۰ اونٹ مرحمت فرمائے گئے۔ حُنین کے بعد طائف کا محاصرہ ہوا۔ اہل طائف قلعہ بند ہو کر مسلمانوں پر گرم لوہے کی سلاخیں برسانے لگے۔ ابوسفیان کی صاحبزادی آمنہ طائف کے سردار عروہ بن مسعود ثقفی کے حبالۂ عقد میں تھی۔ اس تعلق سے ابوسفیان نے جنگ کی طوالت کو رکوا کر مصالحت کروا دی۔ اس جنگ میں ان کی ایک آنکھ شہید ہو گئی۔ جنگ کے بعد انھوں نے طائف کے صنم کدہ کو مسمار کر دیا۔

عہد فاروقی میں جنگ یرموک ۱۵ھ میں اپنے پورے کنبے کے ساتھ شریک ہوئے، یعنی بیوی ھند

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

، بیٹی جویریہ اور دونوں فرزند یزید اور معاویہ ساتھ تھے۔ پورے جوش کے ساتھ مسلمانوں کو جنگ پر اُبھارتے اور جوش دلاتے تھے، یزید ایک دستہ کے سردار تھے، ان سے کہا: اے فرزند خبردار! تم سردار ہو، دوسروں کی بہ نسبت تم اپنی بہادری کے خوب جوہر دکھانا، تم پیچھے ہٹو گے تو بڑی شرم کی بات ہوگی۔ کبھی دشمن کا غلبہ محسوس کرتے تو پکار اٹھتے تھے کہ: یـا نصـر الله اقـتـرب ! اے اللہ کی مدد! جلد آ۔ ھند اور ان کی بیٹی جویریہ بھی دوسری قریشی خواتین کے ساتھ مجاہدین کو جوش دلاتی تھیں۔ اس معرکہ میں ابوسفیان کی دوسری آنکھ بھی شہید ہوگئی۔ اب وہ بالکل نابینا ہوگئے۔

اس معرکہ کے دو تین سال بعد یعنی ۱۸ھ میں ابوسفیان کو ایک اور جانکاہ صدمہ پہنچا۔ اسلام کے مایہ ناز سپوت اور نامور مجاہد یزید طاعون عمواس میں مبتلا ہو کر راہی خلد بریں ہوگئے۔ دنیا ان کے لئے ہر لحاظ سے اندھیر ہوگئی۔ وہ بالکل خانہ نشین ہوگئے۔ ۳۴ھ میں بعمر ۸۸ سال مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ خلیفہ وقت حضرت عثمان بن عفان نے نماز جنازہ پڑھائی۔

تغمده الله بالرحمة والرضوان

ابوسفیان کا قد بلند و بالا اور رنگ گندم گوں تھا، بینائی جانے کے بعد غلام کے سہارے چلتے تھے۔ ابوسفیان قریش کے رئیس تھے اور ''سیدِ قریش'' کہلاتے تھے۔

ابوسفیان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بااعتماد رفیق، مخلص اور جاں نثار تھے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ صرف جان بچانے کے لئے منافقانہ اسلام لائے تھے لیکن جو حالات اوپر لکھے گئے ہیں اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ خلوص دل سے اسلام لائے تھے اور اللہ تعالیٰ نے خود ان کے لئے حالات کی سازگاری فرمائی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر کی بیعت ہو جانے کے بعد انھوں نے حضرت علی کو بغاوت کے لئے اُکسایا تھا اور بھرپور مدد کرنے کی امید دلائی تھی۔ جس پر حضرت علی نے انھیں جھڑک دیا۔ اتنا نہیں سوچا کہ حضرت علی کو بغاوت پر اُکسانے سے انھیں کیا فائدہ تھا۔ اُکسانا ہی تھا تو وہ حضرت عثمان کو اُکسا سکتے تھے جو ان کے قریبی عزیز تھے اور دولت مند و ذی اثر تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان کے خلیفہ ہو جانے کے بعد انھیں مشورہ دیا کہ اپنے خاندان والوں (بنو اُمیہ) کو حکومتی عہدے دیں تاکہ خاندان کا پلّہ بھاری رہے۔ اس الزام کا بے بنیاد ہونا بیک نظر واضح ہو جاتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عبد شمس اور بنو اُمیہ کو حکومتی عہدوں پر فائز فرمایا تھا۔ جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

ھند: مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر اسلام کی اِس باعظمت اور عفت مآب خاتون کا بھی ذکر خیر کیا جائے جس کو سبائی ذہنیت کے مورخین نے جی بھر کر بدنام کیا ہے۔ اس پاک دامن خاتون کی بے حیائی، بدکاری اور فحاشی کے اس قدر شرمناک افسانے گھڑے گئے ہیں کہ الامان الحفیظ، اور ستم بالائے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ستم یہ کہ اہل سنت مورخین نے اس پر صرف خاموشی اختیار کی ہے۔ ان شرمناک افسانوں کو دہرایا نہیں ہے۔ تب بھی تردید نہ کر کے خاموشی کی زبان میں سبائی مورخین کی ہاں میں ہاں ملائی ہے۔ اس کو ''اکـالة الـکـبـد'' ''جگر خوار'' کا خطاب دیا گیا اور اس کو اہل سنت بھی بے تکلف دہراتے ہیں جبکہ یہ دونوں الزامات اس باعظمت خاتون پر بہتان عظیم کے سوا کچھ نہیں ہیں۔

یہ ہیں ھند بنتِ عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف، عبد مناف پر ان کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔ ھند میں حُسن و جمال کے ساتھ فصاحت و بلاغت، شجاعت و بسالت اور حمیت و غیرت وغیرہ وہ ساری خوبیاں بدرجۂ اتم تھیں جو عرب کے معزز گھرانے کی خواتین کے شایان شان ہوسکتی ہیں۔ سنِ بلوغ کو پہنچیں تو ایک نوجوان ''ابوفکیہہ'' سے بیاہی گئیں۔ دونوں میاں بیوی شہر سے باہر ایک خیمہ میں رہتے تھے۔ ایک روز ابوفکیہہ کہیں گیا ہوا تھا۔ اس کے غائبانہ میں ایک مفلس نوجوان ھند کے پاس آیا اور کھانا مانگا۔ ھند نے اس کو خیمہ میں بلا کر کھانا کھلایا۔ یہ کھانا کھا کر نکل رہا تھا کہ ابوفکیہہ آ گیا۔ ابوفکیہہ کو ھند کے کردار پر شبہ ہو گیا، اس بات پر دونوں میں خوب جھگڑا ہوا۔ ابوفکیہہ پورے یقین کے ساتھ اس کو الزام دیتا تھا اور یہ پوری مضبوطی کے ساتھ اپنی بے گناہی جتاتی تھی۔ آخر سرداران قریش کے پاس یہ قضیہ پیش ہوا۔ دونوں ہی اپنی بات پر مُصر تھے اور قسمیں کھاتے تھے۔ یہ جھگڑا اہل مکہ کی گفتگو کا موضوع بن گیا۔ چونکہ بڑے گھر کی بیٹی کی عزت کا معاملہ تھا ہر شخص اس قصہ سے دلچسپی لینے لگا۔ سرداران قریش نے طے کیا کہ اس مسئلہ کو طائف کے کاھن کے پاس پیش کیا جائے اور وہ جو فیصلہ کرے اس کو قبول کیا جائے۔ چنانچہ سرداران قریش اور اس قصہ سے دلچسپی لینے والوں کا ایک اچھا خاصہ قافلہ طائف چل پڑا۔ عتبہ بار بار بیٹی سے کہتا تھا کہ اگر تو قصوروار ہے تو صاف کہہ دے میں کسی طرح قافلہ کو پلٹا دوں گا ورنہ اگر کاھن ان سب کے سامنے تجھے قصوروار قرار دے تو ایسی بے عزتی ہوگی کہ نہ تو زندہ رہے گی اور نہ میں زندہ رہوں گا۔ لیکن ھند آخر تک اپنی بات پر اڑی رہی اور پورے وثوق کے ساتھ اپنی بے گناہی جتاتی رہی۔ غرض یہ قافلہ کاہن کے دربار میں پہنچا۔ وہاں پہلے عام لوگ اپنے مسائل پیش کرتے اور جواب شافی پاتے رہے۔ پھر سرداران قریش کی باری آئی۔ جب عتبہ کا نمبر آیا تو اس نے پہلے اپنے گھر کی خواتین اور دیگر متعلقہ افراد کو پیش کرنا شروع کیا اور پھر اسی روا روی میں ھند کو بھی لا کر کاہن کے سامنے کھڑا کر دیا۔ کاھن کی نظر جیسے ہی ھند پر پڑی اس نے دیدے پھاڑ دیئے۔ حیرت انگیز انداز میں اس کو گھورنا اور زیرِ لب بڑبڑانا شروع کیا۔ یہ وقت سارے ہی اہل محفل کے لئے بڑے اضطراب کا تھا۔ ہر شخص کے دل کی دھڑکنیں تیز تھیں کہ معلوم نہیں کیا دھماکو قسم کی بات سننے میں آئے۔ آخر کاھن نے زبان کھولی اور کہا: معلوم نہیں بہت جلد مکہ میں کیا عظیم انقلاب آنے والا ہے۔ معلوم نہیں حالات کیا سے کیا ہو جائیں گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ بہت خوش نصیب لڑکی ہے اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جو ایک عظیم مملکت کا بادشاہ ہوگا اور نہایت نام آور ہوگا۔ (غالباً یہ حضرت معاویہ کی پیشین گوئی تھی) سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ یہ سب کچھ اس قدر جلد کیسے ہو جائے گا۔ اتنا سننا تھا کہ ابوفکیہہ چیخ اُٹھا کہ ھند مجھے معاف کر دو، میری غلطی تھی، میں نے غلط الزام لگایا تھا، تم بے قصور ہو۔ چونکہ اس ہنگامے میں ھند کی غیرت وحمیت کو زبردست دھکا لگا تھا اس نے سر محفل ابوفکیہہ کو دھتکار دیا اور اس سے جدائی کر لی۔ اس کے بعد ابوسفیان نے ھند سے نکاح کر لیا۔

جیسا کہ اوپر گذر را ہے ابوسفیان منصب ''عقاب'' کے حامل اور علمبردار ہونے کی بنا پر اسلام اور پیغمبر اسلام کے نمایاں حریف تھے ھند بھی اس معاملے میں اپنے شوہر کے دوش بدوش تھیں۔ جنگ بدر میں ابوسفیان کی غیر موجودگی کے سبب قریش کا علم عتبہ بن ربیعہ کے ہاتھ میں تھا۔ آغاز جنگ میں عتبہ، اس کا بھائی شیبہ اور بیٹا ولید، یعنی ھند کا باپ، چچا اور بھائی جنگ کے لئے نکلے۔ ان کے مقابلے لئے لشکر اسلام سے بنو ہاشم کے تین افراد حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت ابوعبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب اور حضرت علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب نکلے ان تینوں فرزندان ہاشم نے ان تینوں فرزندان عبدشمس کو لقمۂ اجل کر دیا۔ مشہور ہے کہ باپ، چچا اور بھائی کے غم نے ھند کو بے حد مشتعل کر دیا۔ حضرت حمزہ چونکہ عتبہ کے قاتل تھے اس لئے باپ کا انتقام لینے کے لئے وہ بہت بے چین تھی۔ حضرت حمزہ سے دوبدو جنگ کرنے اور ان پر فتح پانے کی کسی میں جرأت نہیں تھی۔ اس لئے ھند نے ایک حبشی غلام ''وحشی'' کی خدمات حاصل کیں اور بھاری انعام کا لالچ دلا کر قتل حمزہ پر آمادہ کیا۔ حبشی حربہ اندازی میں بڑا ماہر تھا چنانچہ اس نے جنگ اُحد میں حضرت حمزہ کو حربہ کا نشانہ بنایا جس سے وہ جاں بر نہ ہو سکے۔ مشرکین نے اس جنگ میں جاہلیت کے رواج کے مطابق شہداء کی لاشوں کا مثلہ کیا۔ ۷۰ شہداء میں سے جن شہداء کی لاشوں کا زیادہ مثلہ کیا گیا تھا ان میں حضرت حمزہ، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت سعد بن ربیع، حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزم اور حضرت انس بن نضر (رضی اللہ عنہم) کی لاشیں تھیں۔

جن علماء اور مورخین نے جنگ اُحد کے واقعہ پر قلم اُٹھایا ہے ان میں بیشتر بلکہ سب ہی حضرت حمزہ کی شہادت کے ذکر میں یہ ضرور بیان کرتے ہیں کہ ھند نے وحشی کو قتل حمزہ پر آمادہ کیا اور بھاری انعام کا وعدہ کیا تھا۔ اس طرح وہ قتل حمزہ کی سازش میں ھند کو ملوث قرار دیتے ہیں۔ اور دوسرا الزام یہ دیتے ہیں کہ ھند نے حضرت حمزہ کی لاش کا مثلہ کیا اور کلیجہ نکال کر چبایا۔ اس بنا پر ھند کو ''اکّالۃ الکبد'' یعنی ''جگر خوار'' کہتے ہیں۔

اب آیئے دیکھیں یہ دو الزامات نقل اور عقل کی رو سے کس حد تک قابل تسلیم ہیں۔

صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قتل حمزہ میں قتل حمزہ کا واقعہ خود قاتل یعنی ''وحشی'' کی زبانی بیان ہوا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جبیر بن مطعم نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) اپنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چچا طعیمہ بن عدی کے انتقام میں اپنے غلام وحشی کو آزادی کی امید دلا کر قتل حمزہ پر آمادہ کیا تھا۔اس روایت میں ھند کا کوئی ذکر نہیں ہے۔اگر ھند بھی اس کام کے لئے وحشی کو انعام کا لالچ دیتی تو وحشی اس کا ذکر ضرور کرتا۔وحشی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنگ میں صرف حضرت حمزہ کو شہید کرنے کے لئے شریک تھا۔اس کام کے سوا اس نے کسی مسلمان پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔اختتام جنگ پر وہ دوسرے مشرکین کے ساتھ میدان جنگ سے چلا گیا۔حضرت حمزہ ہی وحشی کا خاص نشانہ تھے۔اگر حضرت حمزہ کی لاش کا مثلہ ھند نے کیا ہوتا تو وہ اس کا ذکر ضرور کرتا لیکن وحشی کے بیان میں ھند کا کوئی ذکر نہیں ہے۔وحشی کا یہ بیان اس لئے قابل تسلیم ہے کہ وہ خود قتل حمزہ کا پورا پورا ذمہ دار ہے۔

علامہ ابن قیم الجوزیہ نے اپنی کتاب زاد المعاد، جلد ۳، میں جنگ اُحد کے واقعہ میں حضرت حمزہ کی شہادت کا ذکر کیا ہے پھر لاشوں کا مثلہ کرنے اور حضرت حمزہ کا کلیجہ نکالنے کا بھی ذکر ہے لیکن یہاں بھی ھند کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

تاریخ کا یہ بھی ایک المیہ ہے کہ جب کوئی واقعہ غلط طور پر کسی کتاب میں جگہ پا جاتا ہے تو بعد کے اہل قلم اس واقعہ کو دہراتے چلے جاتے ہیں۔اس طرح بیسیوں کتابوں میں اس کو جگہ مل جاتی ہے اور اس کی اس قدر شہرت ہو جاتی ہے کہ اس کی تردید کرنا یا اس پر نظر ثانی کرنا شہد کی مکھیوں کے چھتے کو چھیڑنے کے برابر ہو جاتا ہے۔کئی کتابوں میں قتل حمزہ کی سازش اور ان کا کلیجہ چبانے کا ذکر ہونا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ واقعی ھند پر یہ الزامات صحیح ہیں۔کسی واقعہ کے بارے میں قرائن پر غور کر کے حقیقت تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے اور فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ واقعہ کی اصل صورت کیا ہے۔ذیل کے چند امور پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ھند پر یہ الزامات سراسر غلط ہیں۔یہ من گھڑت کہانیاں یہ تاثر دینے کے لئے گھڑی گئی ہیں کہ بنو اُمیہ اور بنو ہاشم کے درمیان سخت عداوت تھی۔

(ا)۔جنگ بدر کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ قریش کی طرف سے عتبہ، شیبہ اور ولید یعنی ھند کے باپ، چچا اور بھائی نکلے۔ان کے مقابلہ پر حضرت حمزہ، حضرت ابوعبیدہ بن حارث اور حضرت علی نکلے۔حضرت حمزہ شیبہ کے، حضرت ابوعبیدہ عتبہ کے اور حضرت علی ولید کے مقابلے پر آئے۔حضرت حمزہ اور حضرت علی نے اپنے حریفوں شیبہ اور ولید پر فتح پالی اور ان کا خاتمہ کر دیا۔اس عرصہ میں عتبہ نے حضرت ابوعبیدہ کو شدید زخمی کر دیا وہ گر پڑے۔حضرت حمزہ اور حضرت علی نے عتبہ پر حملہ کیا اور اس کو قتل کر دیا۔اس طرح عتبہ کے قتل میں حضرت علی بھی شریک تھے۔پھر کیا بات ہے کہ ھند نے صرف حضرت حمزہ سے انتقام لیا اور حضرت علی کو چھوڑ دیا جبکہ حضرت علی، ھند کے بھائی ولید کے بھی قاتل تھے۔

(ب)۔جنگ بدر میں ابوجہل بھی قتل ہوا تھا اور جنگ اُحد میں ابوجہل کے خاندان کی عورتیں بھی

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آئی تھیں۔ لیکن کوئی روایت نہیں ملتی کہ ابوجہل کے خاندان کی عورتوں نے کسی مسلمان کی لاش کا مثلہ کیا ہو۔ آخر ھند ہی کو اپنے باپ کا ایسا کیا غم تھا کہ اس نے حضرت حمزہ کی لاش کا مثلہ کیا۔

﴿ج﴾- جنگ اُحد کے اس وقت کے حالات کا اندازہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ وقت بڑی افراتفری کا تھا۔ مسلمان مجاہدین نہایت سراسیمہ حالت میں تلواریں چلا رہے تھے یہاں تک کہ دو مسلمان خود مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی افواہ نے اور بھی قیامت ڈھادی تھی۔ ادھر مشرکین بھی بدحواسی کے عالم میں تھے جو تلواروں اور برچھوں میں گھرے ہوئے تھے موت ان کے سر پر تھی اور جو موقعہ پا رہے تھے وہ بھاگ نکلنے ہی کو ترجیح دے رہے تھے۔ ایسے میں کس کو ہوش تھا کہ لاشوں کا مثلہ کرتا رہے۔ بالخصوص عورتیں کیسے لاشوں کے کان اور ناک کاٹ کر ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈال سکتی تھیں؟

﴿د﴾- حدیبیہ کے بعد کئی ایک ایسے مرد و خواتین مشرف بہ اسلام ہوئے جو جنگ اُحد میں مسلمانوں پر اپنا غیظ وغضب ڈھانے کے لئے مشرکین کی طرف سے آئے تھے۔ جنگ اُحد میں مسلمانوں پر پڑی افتاد کے وہ عینی شاہد تھے لیکن کوئی روایت نہیں ملتی کہ کسی نے بھی حضرت حمزہ کی لاش کا مثلہ کرنے کا ھند پر الزام لگایا ہو۔

﴿ھ﴾- ان سب امور سے قطع نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل بھی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ھند پر قتل حمزہ کی سازش میں ملوث ہونے اور ان کا کلیجہ چبانے کے الزامات من گھڑت ہیں۔ قتل حمزہ کے اصل محرک جُبیر بن مطعم تھے جنھوں نے آزادی کی امید دلا کر وحشی کو قتل حمزہ پر آمادہ کیا تھا۔ جب انھوں نے اسلام قبول کرلیا تو آپ نے انھیں معاف کردیا۔ ان پر کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا۔ گویا قبول اسلام ہر قسم کے جرم کی معافی کا ضامن تھا۔ بالفرض ھند بھی سازش قتل میں شریک تھیں تو قبول اسلام سے وہ بھی معافی یافتہ ہوگئی تھیں۔ اب رہ گئے اصل قاتل وحشی، جب وحشی نے بھی اسلام قبول کرلیا تو رحمتِ مجسّم نے انھیں بھی معاف فرمادیا۔ البتہ ان کو ہدایت فرمائی کہ وہ سامنے نہ آیا کریں مبادا چچا کی یاد غصہ دلائے۔ اگر لاش کا مثلہ کرنے اور کلیجہ چبانے کی بات صحیح ہوتی تو آپ ھند کو بھی اس قسم کی کوئی ہدایت فرماتے۔ اس کے برخلاف آپ نے ابوسفیان اور ھند کے گھر کو بیت الحرام کی طرح دارالامان قرار دیا۔

قبول اسلام کے بعد ھند نے عرض کیا یارسول اللہ! روئے زمین پر آپ کے خیمہ کے سوا کوئی خیمہ نہیں تھا جس کی تذلیل کے ہم خواہشمند تھے لیکن آج آپ کے خیمہ کے سوا کوئی خیمہ نہیں جس کے اعزاز و تکریم کے ہم خواہشمند ہیں۔ آپ نے جواباً فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میرا بھی یہی حال ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب فضل ھند بنت عتبہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب آیئے قران مجید کی دو آیات پر غور کریں جن کی روشنی میں ھند کی پوزیشن اور صاف ہوتی ہے۔ سورۂ ممتحنہ کی آیت ۱۲ میں جن ''مومنات'' کے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر بیعت کرنے کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان مومنات کے لئے دعائے مغفرت کرنے کی آپ کو ہدایت فرمائی ہے اس آیت سے تین باتیں واضح ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ قریشی خواتین عنداللہ ''مومنات'' تھیں۔ دوسرے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان خواتین کے لئے دعائے مغفرت کرنے کی ہدایت فرمائی ''وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ'' اور لازماً آپ نے اس ہدایت کی تعمیل فرمائی ہوگی۔ تیسرے اس آیت پاک کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص نام ''غفور'' اور ''رحیم'' پر ختم کیا۔ ایسی صورت میں ان خواتین کی مغفرت میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا بلکہ شک وشبہ کرنا بلاشبہ کفر قرار پاتا ہے اور ساری ہی روایات اس بات پر متفق ہیں کہ ان خواتین میں ھند بھی شریک تھیں۔ حتیٰ کہ شیعہ علماء کو بھی اس بات سے انکار نہیں ہے۔

سورۂ مجادلہ کی آخری آیت بھی قابل غور ہے۔ کفر واسلام کی جنگوں میں بعض صحابہ نے اپنے قریبی عزیزوں کو قتل کر دیا تھا اور یہ ثبوت دیا کہ تھا ایمان کے مقابلے میں دنیاوی رشتے داریوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ کرام کو دل میں ایمان کے راسخ ہونے اور اپنی خوشنودی اور جنت میں داخلے کی بشارت دی اور ان کو اپنی خاص جماعت قرار دیا۔ کسی صحابی نے اپنے باپ کو قتل کیا، کسی نے ماموں کو قتل کیا، کسی نے بھائی کو قتل کیا، کوئی اپنے بیٹے کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس آیت کی روشنی میں ھند کے موقف کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ آیت اپنی جامعیت کے ساتھ ھند پر پوری طرح منطبق ہوتی ہے۔ باپ، بیٹا، بھائی اور رشتہ دار میں ھند کے باپ عتبہ، بیٹا حنظلہ بن ابی سفیان، بھائی ولید اور چچا شیبہ ایک ہی دن میں مسلمانوں کے ہاتھوں مقتول ہوئے لیکن ھند نے اپنے ان گہرے زخموں کو بھلا کر خوش دلی کے ساتھ اسلام قبول کیا اور ان بھاری غموں پر قابو پا کر خالص ایمانی جذبہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوص وعقیدت کا اظہار کیا تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ایمان ان کے اندر پوری طرح راسخ ہو چکا تھا دنیا کی محبت اور اپنے کافر جگر کے ٹکڑوں کی محبت دل سے بالکل محو ہو چکی تھی۔ اس طرح وہ سورہ مجادلہ کی مذکورہ آیت پاک میں دی گئی بشارتوں کی پوری طرح مستحق ہو چکی تھیں۔

رضی اللہ عنہا وتغمدھا اللہ بالرحمۃ والرضوان

ھند کے ایک بھائی حضرت ابوحذیفہ سبقت فی الاسلام کے شرف سے مشرف تھے۔ قبول اسلام پر بڑی اذیتیں برداشت کیں اور ہجرت حبشہ پر مجبور ہوئے اور پھر ہجرت مدینہ کا شرف بھی حاصل کیا۔ جنگ بدر میں خود ان کا باپ عتبہ لشکر کفار کا علمبردار تھا، اور یہ لشکر اسلام میں پیش پیش تھے۔ باپ عتبہ، چچا شیبہ، بھائی ولید اور بھانجے حنظلہ کے قتل کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن ایمان واستقامت میں ذرا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی لغزش نہیں آئی۔ بعد جنگ جب مشرکین کی لاشوں کو ایک کنویں میں ڈالنے کے لئے گھسیٹا جارہا تھا اوران لاشوں میں عتبہ کی بھی لاش تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوحذیفہ کی طرف دیکھا جو ایک طرف کھڑے ہوئے تھے۔اس وقت ان کے چہرے پر نہایت رنج و ملال کے آثار تھے۔آپ ان کے قریب گئے اور فرمایا: شائد تمہارے دل میں والد کے قتل پر کچھ احساسات ہیں، عرض کیا: نہیں اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! میں ان کے قتل پر دل میں ذرا بھی لغزش نہیں پاتا۔بات یہ ہے کہ میرے باپ عرب کے عاقل و فرزانہ اور صاحب فضل و کمال شخص تھے میں امید لگائے بیٹھا تھا کہ ان کی یہ خوبیاں انھیں اسلام تک پہنچادیں گی لیکن اپنی توقع کے خلاف یہ منظر دیکھ رہا ہوں تو مجھے بڑا دکھ ہو رہا ہے۔یہ سُن کر آپ نے ان کو تسلّی دی اوران کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

جنگ سے قبل آپ نے فرمایا کہ عباس جبراً میدان میں لائے گئے ہیں اگر وہ زد میں آجائیں تو کوئی ان پر ہاتھ نہ اٹھائے۔ابوحذیفہ نے فوراً کہا: یہ کیا بات ہے، ہم تو اپنے باپ اور بھائی کو قتل کریں اور عباس کو چھوڑ دیں۔اگر عباس میری زد میں آجائیں تو میں ضرور ان پر تلوار چلادوں گا۔یہ ایک سخت گستاخانہ جملہ تھا جو ان کی زبان سے بلا ارادہ نکل گیا۔ بعد میں وہ بے حد پشیمان ہوئے۔توبہ و استغفار کرتے تھے، روتے تھے، کفارہ کے لئے روزے رکھے، کئی غلاموں کو آزاد کیا۔کہتے تھے کہ کہیں اس جملے کی وجہ سے میری موت کفر پر نہ ہو جائے۔آخر میں فرمایا کہ اگر میں کسی جہاد فی سبیل اللہ میں شہید ہو جاؤں تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے میری توبہ قبول فرمالی۔اور اگر عام حالت میں موت واقع ہو جائے تو سمجھ لو کہ ابوحذیفہ ہلاک ہو گیا۔اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔اور یہ عہد صدیقی کی مشہور جنگ میں جو جنگ یمامہ کہلاتی ہے شہادت سے سرفراز ہو گئے۔رضی اللہ عنہ

یہ ہیں ان بھائی اور بہن کے ایمان افروز کارنامے۔ان کے ایمان کی صداقت کے اللہ کے رسول گواہ ہیں۔قرآن مجید ان کے ایمان اور مراتب عُلیا کی تصدیق کرتا ہے۔ایسی صورت ایک صاحب ایمان کس طرح یہ بات باور کرسکتا ہے کہ بنوعبد شمس دشمن اسلام تھے اوران کے گھرانے کی خواتین فاحشہ اور بدچلن تھیں۔بنوعبد شمس کے بارے میں کسی قسم کی یاوہ گوئی اور زہر افشانی ایک مومن کو قطعاً زیب نہیں دیتی اور جو لوگ یاوہ گوئی اور زہر افشانی کرتے ہیں ان پر یہ آیت پاک پوری طرح منطبق ہوتی ہے:۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امیر زیاد بن ابی سفیان

ولادت :۵،۶ سال قبل ہجرت **وفات** :۵۳ھ

مولد :طائف

نام ونسب: زیاد، نام، نسب کے معاملے میں بڑی بحثیں ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ زیاد بن ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہیں۔ ماں کا نام سُمیّہ ہے۔ جن لوگوں نے اس نسب کو قبول نہیں کیا وہ ان کو ''زیاد ابن سُمیّہ'' یا ''زیاد بن ابیہ'' کہتے ہیں۔ مشہور ہے کہ سُمیّہ ایک عجمی کنیز تھی، یمن کے بادشاہ ابوالخیر کو شاہ ایران نے ھبہ کیا تھا۔ جب یہ بادشاہ طائف سے گذرا تو بیمار پڑ گیا۔ یہاں ایک طبیب حارث بن کلدہ نے علاج کیا، جب وہ صحتمند ہوا تو اس کنیز کو حارث کے حوالے کیا۔ حارث نے اس کا نکاح اپنے غلام مسروح سے کیا جس سے دولڑکے نافع اور نفیع (ابوبکرہ) پیدا ہوئے۔ مسروح کے انتقال کے بعد ابوسفیان نے سُمیّہ سے نکاح کیا جو ''متعہ'' کی ایک صورت تھی۔ اس سے زیاد پیدا ہوئے۔ زیاد کی ولادت کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں جو زیادہ تر قیاس پر مبنی ہیں۔ کسی نے ہجرت کے سال، کسی نے غزوہ بدر کے دن اور کسی نے فتح مکہ کے سال ولادت ہونے کا ذکر کیا ہے لیکن قرین قیاس اور قابل قبول یہ بات ہے کہ ان کی ولادت ہجرت سے ۵،۶ سال قبل ہوئی ہوگی۔ دیدار نبویؐ سے مشرف ہونے کی کوئی روایت نہیں ہے اور یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ انھوں نے اسلام قبول کیا ہوگا تو اسی زمانے میں قبول کیا ہوگا جس زمانے میں اہل طائف نے اسلام قبول کیا۔ طائف کے محاصرہ ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ جو غلام ہماری طرف آجائیں وہ آزاد ہیں۔ اس اعلان پر زیاد کے ماں جائے بھائی نفیع بن مسروح قلعہ سے باہر آ گئے اور اسلام قبول کیا اور شرف صحابیت سے مشرف ہوئے۔ اعلان کے مطابق اب وہ آزاد تھے لیکن وہ قبول اسلام کے بعد اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام کہتے تھے۔ اس بنا پر صحابہ کرام میں ان کا ایک مقام تھا۔ ہوسکتا ہے کہ ان ہی کی ہدایت پر زیاد نے بھی کسی وقت اسلام قبول کرلیا ہو۔ پھر بھی زیاد کی صحابیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ انھیں کبار تابعین میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

عام حالات: سب سے پہلی مرتبہ خلافت فاروقی میں یہ جنگ جلولاء ۱۶ھ میں شریک ہوئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت سعد بن ابی وقاص نے فتح کا مژدہ اور مال غنیمت کا خمس اِن ہی کے ذریعہ مدینہ بھجوایا۔ جب زیاد مدینہ پہنچے تو حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہو کر مال غنیمت پیش کیا اور نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ حالات جنگ بیان کیے۔ حضرت عمر نے فرمایا کیا تم مجمع عام میں بھی اسی طرح بیان کر سکتے ہو؟ عرض کیا امیر المومنین! میں کسی سے مرعوب ہوتا تو آپ سے مرعوب ہوتا جب آپ کے سامنے بے کھٹکے بیان کر سکتا ہوں تو مجمع عام میں کیوں نہیں بیان کر سکتا؟ چنانچہ حضرت عمر کے حکم سے مجمع عام میں نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ حالات جنگ بیان کیے اور معرکہ کی پوری تصویر کھینچ دی۔ حضرت عمر بہت خوش ہوئے اور فرمایا خطیب اس کو کہتے ہیں۔ اس موقعہ پر حضرت عمر نے یہ بھی فرمایا کہ کیا اچھا ہوتا اگر یہ لڑکا قریشی ہوتا۔ اس وقت ابوسفیان نے اپنے چند احباب سے سرگوشی میں کہا کہ یہ میرا ہی فرزند ہے۔ ابوسفیان نے سُمیہ سے متعہ کیا تھا، جو بعد میں اسلام میں حرام قرار پایا اور حضرت عمر شدت کے ساتھ اس کی حرمت کو نافذ فرماتے تھے اس لئے ابوسفیان کو حضرت عمر کے سامنے برملا اعتراف کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

زیاد حضرت علی کے پرجوش حامیوں اور مخلص شیعوں میں سے تھے اور آپ کی طرف سے فارس کے والی تھے۔ آپ کی شہادت کے بعد سبائیوں کا غلبہ بڑھ گیا اور وہ حضرت حسن کو بھی پریشان کر رہے تھے تو یہ زمانہ زیاد کے لئے سخت مصیبت کا ہو گیا۔ حضرت حسن نے جب حضرت معاویہ سے صلح کر لی تو اس وقت زیاد فارس کے ایک قلعہ میں محصور تھے زیاد پر خزانہ میں غبن کا الزام تھا۔ حضرت معاویہ نے حضرت بسر بن ارطاۃ کو بصرہ کا امیر بنایا تو انھوں نے زیاد پر سختیاں کیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت معاویہ نے امان نامہ دے کر زیاد کو طلب کیا اور حسابات پوچھے، جو کچھ حسابات انھوں نے پیش کیے اس کی تصدیق کر کے انھیں واپس کر دیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت معاویہ نے زیاد کو حکم بھیجا کہ حاضر ہو کر حسابات پیش کریں اور جو رقم واجب الادا ہے خزانہ میں داخل کریں۔ زیاد نے کہلا بھیجا کہ امیر المومنین! میرے پاس کچھ نہیں ہے جو کچھ رقم تھی میں نے سابق امیر المومنین (حضرت علی) کے پاس بھیج دی تھی۔ حضرت معاویہ نے پھر بھی حاضر ہونے کا حکم دیا اور طمانیت دی کہ اگر حسابات ٹھیک نہ بھی ہوئے تو تم کو روکا نہیں جائے گا۔ اس کے باوجود زیاد کو حاضر ہونے کی ہمت نہیں ہوئی۔ آخر حضرت معاویہ نے حضرت بُسر کو متوجہ کیا۔ حضرت بُسر طبعاً سخت گیر آدمی تھے۔ انھوں نے زیاد کے دو بیٹوں کو گرفتار کر لیا اور کہا کہ امیر المومنین کے پاس حاضر ہو جاؤ ورنہ تمہارے بیٹوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ جب یہ کارروائی اس خطرناک حد تک پہنچ گئی تو زیاد کے ماں جائے بھائی حضرت نفیع (ابوبکرہ) بن مسروح نے سفارش کر کے دونوں لڑکوں کو چھڑا لیا اور حضرت معاویہ سے درخواست کی کہ زیاد پر سختی نہ کریں۔ اس کے بعد قریب تین سال تک زیاد گوشہ گمنامی میں رہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود زیاد نے اپنے نسب کے بارے میں تحقیق کی اور لوگوں سے گواہی لی۔ شدہ شدہ یہ بات حضرت معاویہ تک پہنچی۔ حضرت معاویہ کے پاس دس ثقہ اور جید اشخاص نے گواہی دی کہ زیاد ابوسفیان کے بیٹے ہیں۔ ان میں ایک صحابی رسول حضرت مالک بن ربیعہ سلولی تھے اور دوسرے خود حضرت معاویہ کی بہن سیدہ جویریہ بنت ابوسفیان تھیں۔ ایک اہم گواہ حواریٔ رسول حضرت زبیر بن العوام کے فرزند منذر رتھے۔ انھوں نے ان الفاظ میں گواہی دی کہ میں نے حضرت علی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ابوسفیان نے کہا تھا کہ زیاد میرا بیٹا ہے۔ حضرت معاویہ نے زیاد کو اپنا بھائی قرار دیا تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ زیاد سے ان کے کچھ سیاسی اغراض وابستہ تھے یا وہ زیاد کی اعلیٰ صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ حضرت معاویہ کے ماتحتوں میں زیاد سے بھی زیادہ قابل اور مدبرّ اشخاص موجود تھے۔ حضرت معاویہ نے صرف یہ چاہا کہ جب وہ میرا بھائی ہی ہے تو اس کی عزت افزائی ہو اور لوگ ان کو زیاد ابن سُمیہ یا زیاد ابن ابیہ کی بجائے زیاد ابن ابی سفیان کہنے لگیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ اگر زیاد میں نسبی نقص ہوتا تو، جیسا کہ مخالفین نے مشہور کیا تھا، وہ حضرت علی کے شیعہ اور رفیق کار نہ ہوتے۔ حضرت علی کا زیاد کو اپنے سے قریب رکھنا اور اپنی حکومت میں عہدے دینا اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ آپ کے نزدیک زیاد صحیح النسب قریشی اور بنو عبد مناف میں سے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ جس نکاح کے تحت یہ ابوسفیان اور سُمیہ سے پیدا ہوئے تھے وہ نکاح اسلام میں باطل قرار دیا گیا تھا۔ زیاد کو ''ابن ابی سفیان'' قرار دینے کے بعد دو امہات المومنین کی تصدیق ضروری تھی۔ ایک ام المومنین عائشہ اور دوسری ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان۔ زیاد نے ام المومنین عائشہ کی خدمت میں خط لکھا: **من زیاد ابن ابی سفیان الیٰ امّ المومنین** ...... یہاں پر دو روایتیں ہیں ''تاریخ الامت'' میں مولانا اسلم جیراجپوری نے لکھا ہے ام المومنین نے اس کے جواب میں لکھا: **الیٰ ابنی زیاد** (میرے بیٹے زیاد)۔ اس پر یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ ام المومنین عائشہ نے ابوسفیان کی فرزندی کی تصدیق نہیں کی لیکن اتنا تو ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ زیاد ام المومنین کی نظر میں مومن صادق اور صحیح النسب تھے اگر زیاد کی یہ حیثیت نہ ہوتی تو وہ ان کو اپنا بیٹا نہ کہتیں۔ دوسری روایت ابن عساکر کی ہے کہ جواباً ام المومنین نے تحریر فرمایا: **من عائشة ام المومنین الیٰ زیاد ابن ابی سفیان**، جب یہ خط زیاد کو ملا تو انھوں نے خوشی اور مسرت کے ساتھ مجمع عام میں پڑھ کر سنایا۔

ام المومنین ام حبیبہ کے بارے میں بھی دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ زیاد مدینہ منورہ گئے۔ سب لوگوں کی نگاہیں اس بات پر لگی ہوئی تھی کہ دیکھیں ام المومنین ان سے پردہ کرتی ہیں یا بھائی قرار دے کر سامنے بلاتی ہیں۔ لیکن زیاد کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی ام المومنین کا انتقال ہوگیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ ام المومنین نے ان سے پردہ کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غرض حضرت معاویہ کا زیاد کو اپنا بھائی قرار دینا کسی ذاتی یا سیاسی غرض کے تحت نہیں تھا اور نہ اس میں خود ان کی کوئی عزت افزائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو جو عزت وعظمت کا مقام عطا فرمایا تھا اور نہایت مخلص اور مدبّر اعوان و انصار عطا فرمائے تھے اس کی بنا پر وہ زیاد کی حاجت سے بالکل بے نیاز تھے۔ وہ زیاد کو ان کا مستحقہ مقام دلانا اور ایک مومن پر لگے دھبہ کو دور کرنا چاہتے تھے۔ اس کے سوا اس کارروائی میں ان کی کوئی غرض نہیں تھی۔

۴۵ھ میں حضرت معاویہ نے زیاد کو بصرہ کا والی مقرر کیا۔ بصرہ اس وقت بڑی بدنظمی کا شکار تھا۔ آئے دن کے دنگے فسادات، لوٹ مار اور قتل و غارتگری سے عوام بے حد پریشان تھے۔ زیاد نے بصرہ کا چارج لیتے ہی ایسی زبردست تقریر کی اور اہل بصرہ کو اس قدر ڈرایا دھمکایا کہ لوگ دم بخود ہو گئے۔ اپنی حسن تدبیر سے ایسا عمدہ انتظام کیا کہ امن و امان قائم ہو گیا۔ چوری، قتل، فساد اور لوٹ مار سب موقوف ہو گئے۔ مسافروں کی حفاظت کے لئے راستوں پر چوکیاں قائم کیں۔ اس طرح دیکھتے دیکھتے امن و امان قائم ہو گیا۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس انتظام میں زیاد نے کچھ ضرورت سے زیادہ سختی بھی کی۔ انھوں نے حکم دیا کہ عشاء کی نماز کے بعد ایک قاری سورہ بقرہ پڑھے گا اور اس عرصہ میں سب لوگ اپنے اپنے گھر میں داخل ہو جائیں اور گھر بند کر لیں کوئی باہر نظر آئے گا تو قتل کر دیا جائے گا۔ گویا یہ کرفیو کی صورت تھی۔ یہ کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا کہ کرفیو زیاد کی ایجاد ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک چرواہا جو اس حکم سے بے خبر تھا وہ گرفتار ہوا۔ زیاد نے کہا کہ اگرچہ تو بے قصور ہے لیکن تجھے قتل کرنے ہی میں بھلائی ہے پھر اس کو قتل کرا دیا۔ گویا زیاد نے یہ بھی تصور دیا کہ قانون سے بے خبری قابل قبول عذر نہیں ہے۔ اس واقعہ سے لوگوں کے دلوں میں اور بھی ھیبت بیٹھ گئی۔ پھر بھی زیاد نے امن پسند لوگوں کے ساتھ حسن سلوک میں کوئی کمی نہیں کی۔ زیاد اچھوں کے لئے بہت اچھے اور بُروں کے لئے بہت بُرے تھے۔ زیاد کی سخت گیریوں کو اجاگر کرنا اور ان کو ایک ظالم اور بے رحم امیر کی طرح پیش کرنا قرین انصاف نہیں ہے۔

۵۱ھ میں گورنر کوفہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے وفات پائی تو کوفے کی عملداری بھی زیاد کے سپرد کی گئی۔ کوفہ بھی شور و شر کا آماجگاہ تھا۔ کوفہ میں شر پسند سبائیوں کی ایک جماعت تھی جس کے سربراہ حجر بن عدی اور عمرو ابن الحمق تھے۔ یہ لوگ حکومت کے خلاف عوام کو اکساتے اور حکومتی عہدہ داروں کے ساتھ سرکشی کرتے تھے۔ زیاد پر خطبہ کے دوران کنکریاں پھینکتے اور آوازیں لگاتے تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ جیسے جلیل القدر صحابی کو انھوں نے بے حد تنگ کر رکھا تھا۔ یہ حضرت اپنی اس خدمت سے سخت بےزار تھے اور بار بار درخواست کرتے تھے، انھیں سبکدوش کر دیا جائے۔ زیاد حضرت مغیرہ کی بہ نسبت سخت گیر آدمی تھے۔ جب زیاد نے یہ رنگ دیکھا تو اس جماعت کے سربراہوں کو جن میں حجر بن عدی اور عمرو ابن الحمق تھے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گرفتار کر کے حضرت معاویہ کے پاس بھیج دیا۔ جب ان کے جرائم کی شہادتیں مکمل ہوگئیں تو حضرت معاویہ نے ان میں سے چھ شخصوں کو بشمول حجر بن عدی اور عمرو ابن الحمق قتل کرا دیا۔

جیسے اوپر گذرا ہے حضرت علی کے عہد خلافت میں آپ پر سبائیوں کا غلبہ تھا وہ آپ کو بالکل مجبور اور بے بس رکھ کر اپنی من مانی چلا رہے تھے اور آپ اس صورت حال سے اس قدر تنگ آ چکے تھے کہ اپنی مجبوری کا ذکر فرماتے ہوئے برسر منبر رُو دیتے تھے۔ اور دعا کرتے تھے کہ اے اللہ یہ لوگ مجھ سے بے زار ہیں میں ان سے بے زار ہوں مجھے اچھے لوگوں میں (مرحومین صحابہ) میں پہنچا دے اور ان پر کسی سخت گیر کو مسلط کر دے۔ ایک مرتبہ آپ نے دعا فرمائی ''اللھم سلِطَ علیھم فتیٰ من ثقیف'' (اے اللہ ان پر ثقیف کے ایک جوان کو مسلط فرما دے) کہتے ہیں کہ اسی رات کو کوفہ میں حجاج بن یوسف کی ولادت ہوئی۔ زیاد جو حضرت علی کے والہ وشیدا اور مخلص شیعوں میں سے تھے ان حالات کو خون کے گھونٹ پی پی کر دیکھ رہے تھے۔ حضرت علی کی شہادت کے بعد تو ان ظالموں کی ستم رانیاں اور بھی بڑھ گئیں۔ حضرت حسن کو ہر طرح سے پریشان کرنا شروع کیا۔ کمینہ خصلتی پر اس حد تک اُتر آئے کہ ایک نے اپنے چچا کو مشورہ دیا کہ یہ اچھا وقت ہے ہم حسن کو زنجیروں میں جکڑ کر معاویہ کے حوالے کر دیں گے اور اچھا انعام حاصل کر لیں گے۔ حضرت حسن نے صلح کی کارروائی شروع کی تو حضرت حسین کو آپ کے خلاف اُکسایا دونوں بھائیوں میں بدمزگی پیدا کر دی۔ وہ صلح جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا تھا اور اپنے چہیتے نواسے کو سراہا تھا جب اس صلح کی کارروائی مکمل ہوئی تو یہی حجر بن عدی غصہ میں بھرے ہوئے حضرت حسن کے پاس آئے اور کہا: اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے! تم نے ھم کو حق کے راستے سے ہٹا کر ظلم کے راستے پر ڈال دیا تم اللہ کو کیا جواب دو گے؟ ان کے ساتھیوں نے حضرت حسن کی قیامگاہ میں لوٹ مار مچا دی، سارا مال واسباب لوٹ لیا، خواتین اور کنیزوں اور لڑکیوں کے زیورات اُتار لئے، ایک بدبخت نے زانوئے مبارک میں اس زور سے خنجر مارا کہ ہڈی تک اُتر گیا۔ جب حضرت حسن جیسی عظیم المرتبت شخصیت کے ساتھ ان لوگوں کا یہ سلوک رہا ہے تو ان ظالموں نے بے چارے زیاد کو کب چھوڑا ہوگا۔ زیاد پر خزانہ میں غبن کا الزام لگا کر انھیں ایک قلعہ میں بند کر دیا۔ اتنا نہیں دیکھا کہ حضرت علی کا وفادار، تربیت یافتہ اور معتمد علیہ والی غبن کا مرتکب بھی ہو سکتا ہے۔

حجر بن عدی نے جو ہنگامے مچائے ہیں وہ تاریخ میں محفوظ ہیں، نہ خود کبھی چین سے بیٹھے نہ دوسروں کو چین سے بیٹھنے دیا۔ آئے دن ہنگامے، مار پیٹ، شور وشغب ان بزرگوار کا مستقل وطیرہ تھا۔ دوسری طرف یہ حجر بن عدی اپنے تقدس وتقویٰ، عبادت وریاضت اور زہد و پارسائی میں ایک مقام رکھتے تھے جس کی وجہ سے عوام تو عوام خواص بھی ان کی شخصیت سے متاثر تھے۔ اس لحاظ سے ان کا وجود حاکم وقت کے لئے بڑا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دردسر ہو گیا تھا۔ زیاد ان کی ہنگامہ آرائیوں سے تنگ تھے۔ آخر بڑی مشکل سے حجر کو گرفتار کیا گیا۔ زیاد نے شکایت نامہ تیار کیا۔ جب گواہوں کی ضرورت پڑی تو بہت سے لوگوں نے آگے بڑھ بڑھ کر اپنے نام لکھائے دیکھتے دیکھتے ستر ۷۰ سے زیادہ گواہ فراہم ہو گئے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عام مسلمان بھی حجر کے ہنگاموں سے دل برداشتہ تھے۔ ان سب گواہوں میں کاٹ چھانٹ کر کے اہم شخصیتوں کو گواہ کی حیثیت سے رکھا گیا پھر بھی یہ تعداد چالیس سے متجاوز تھی۔ ان میں حضرت خالد بن عرفطہ، حضرت عمرو بن حریث، حضرت وائل بن حجر اور حضرت کثیر بن شہاب اکابر صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے صاحبزادہ حضرت ابو بردہ جو حضرت علی کے خاص شاگرد تھے، حضرت قیس بن الولید، اور حضرت طلحہ کے دو صاحبزادے موسیٰ اور اسحاق کبار تابعین میں شمار ہوتے ہیں، گواہی میں پیش پیش تھے۔ حضرت معاویہ کے پاس گواہوں کی فہرست اور حجر اور ان کے ساتھیوں کو لے کر حضرت وائل بن حجر اور حضرت کثیر بن شہاب گئے۔ اتنی گواہیوں کے باوجود حضرت معاویہ نے بارہ قیدیوں میں سے چھ کو رہا کر دیا اور باقی چھ کو جن میں حجر اور عمرو ابن الحمق تھے قتل کا حکم دیا۔

ام المومنین عائشہ کو اطلاع ملی تو انھوں نے ایک صاحب کو دوڑایا کہ معاویہ حجر کو قتل نہ کریں۔ یہ صاحب جب حضرت معاویہ کے پاس پہنچے، حجر قتل گاہ میں جا چکے تھے۔ حضرت معاویہ نے قتل گاہ میں آدمی کو بھیجا لیکن اس وقت تک یہ چھ افراد قتل کیے جا چکے تھے۔ ام المومنین بھی حجر کے شخصی تقدس اور زہد و عبادت سے متاثر تھیں اور نہیں چاہتی تھیں کہ ان کے قتل کا دھبہ حضرت معاویہ کے دامن پہ لگے۔ حضرت معاویہ جب مدینہ میں ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ام المومنین نے فرمایا: اے معاویہ، حجر کے بارے میں تمہارا حلم کہاں گیا، ابوسفیان کی بردباری تم نے کیوں چھوڑ دی، کیا تمہیں حجر کو قتل کرتے ہوئے اللہ کا ڈر نہیں ہوا، روایت میں حضرت معاویہ کے مختلف جواب آئے ہیں۔ میرا اور حجر کا معاملہ اللہ کے سامنے پیش ہوگا وہی فیصلہ فرمائے گا، حجر کو ان لوگوں نے قتل کیا جنھوں نے ان کے خلاف گواہی دی، حجر کے اٹھائے ہوئے فتنوں پر سو آدمیوں کو قتل کرنے سے ایک حجر کو ہی قتل کر دینا بہتر تھا۔

شخصی تقدس اپنی جگہ ہے۔ مملکت اسلامیہ میں بغاوت، ہنگامہ آرائی اور فساد انگیزی کا جرم اپنی جگہ ہے۔ خوارج بھی تو بڑے تقدس و تقویٰ والے، قرآن کے قاری اور عابد و زاہد لوگ تھے، لیکن حضرت علی اور اکابر صحابہ نے ان سے بلا تکلف قتال کیا اور انھیں ہلاک کیا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر میں ان کو پاؤں تو قوم عاد کی طرح ہلاک کروں۔ حضرت علی کے قاتل عبد الرحمن بن ملجم کو جب قصاص میں قتل کیا جانے لگا تو وہ قرآن پڑھ رہا تھا۔ لوگوں نے ایسی حالت میں اس پر تلوار چلانے میں تکلف کیا۔ ام المومنین عائشہ سے پوچھا گیا تو فرمایا اس کو فوراً قتل کر دو، قرآن اس کے حلق سے نیچے نہیں اترا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔اس فتوے پر اس کو قتل کیا گیا۔قانون کا احترام بہرصورت لازم ہے۔کیسی ہی مقدس شخصیت ہو اگر قانون کو اپنے ہاتھ میں لے، امن وامان درہم و برہم کرے اور عوام کو بغاوت پر اُکسائے تو دنیاوی قانون اور شرعی قانون کے مطابق حاکم وقت کا فریضہ ہے کہ "اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" کے پیش نظر ایسی شخصیت کو قتل کردے۔

حجر بن عدی کے رفیق کار عمرو ابن الحمق بھی بڑے ذاتِ بزرگ تھے۔یہ وہ بدبخت شخص ہے جس نے امام تشنہ کام خلیفۂ مظلوم حضرت عثمان بن عثمان کے جسم مبارک میں اپنے برچھے سے دیوانہ وار نہایت گہرے گھاؤ لگائے تھے۔روح مبارک جنۃ الفردوس کو پرواز کر جانے کے بعد بھی وحشیانہ انداز میں اپنے شیطانی عمل کو جاری رکھا تھا۔اس طرح اس نے نو گھاؤ لگائے جب یہ اپنے اس کارنامے کے ساتھ پیش ہوا تو حضرت معاویہ نے حکم دیا کہ اس کو بھی اسی طرح نو گھاؤ لگائے جائیں۔لیکن دو تین گھاؤ پر ہی یہ ہلاک ہوگیا۔ایک روایت یہ ہے کہ یہ گرفتاری سے قبل بھاگ کر ایک غار میں چھپ گیا۔وہاں ایک زہریلے سانپ نے ڈس لیا اور موت واقع ہوگئی۔تعاقب کرنے والوں نے مردہ لاش کا سر کاٹ کر زیاد کے پاس پیش کیا۔

مولانا مودودی نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے تھے مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں انھوں نے بھی حصہ لیا تھا۔اس جملے سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ان کے عظیم شرف صحابیت کے آگے قتل عثمان میں ذرا سا حصہ لینا کوئی ایسا بھیانک جرم نہیں تھا کہ حکومت ان کی جان کی دشمن ہو جاتی۔

عمرو ابن الحمق کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نام کے دو شخص تھے۔ایک تو وہی ہے جس نے حضرت عثمان کے جسم مبارک پر برچھے کے گہرے گھاؤ لگائے تھے اور حضرت معاویہ کے حکم سے اس کو بھی گھاؤ لگوائے گئے۔دوسری وہ شخصیت ہے جس کے بارے میں مولانا مودودی نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے تھے۔صحابی عمرو ابن الحمق کے بارے میں یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے حضرت عثمان کے ساتھ یہ عمل کیا ہو۔بعض صحابہ سے حضرت عثمان کے اختلافات ضرور تھے لیکن کوئی صحابی آپ کی جان کا دشمن نہیں تھا اور یہ عمرو ابن الحمق بھی ان ہی میں سے تھے۔یہ بات متفقہ ہے کہ حضرت عثمان کے قتل میں جو لوگ شریک تھے اور آپ پر ہاتھ اٹھائے تھے ان میں کوئی بھی شرف صحابیت سے مشرف نہیں تھا۔اس لئے صحابی عمرو ابن الحمق کے بارے میں یہ کہنا کہ انھوں نے حضرت عثمان کے قتل میں حصہ لیا تھا صحیح نہیں ہے۔غار میں موت واقع ہونے کا واقعہ ان ہی کا ہے۔واللہ اعلم

حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ حضرت علی اور حضرت حسن جیسی عظیم المرتبت شخصیتوں کے ساتھ گستاخیوں اور شرارتوں کی سزا تھی۔حضرت علی کی ان کو دی گئی بد دعائیں خالی نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے زیاد اور ان کے فرزند عبیداللہ بن زیاد کو ان پر مسلط فرمایا کہ وہ ان شر پسندوں کو سزا دیں۔ اس لئے یہ کہنا کہ زیاد اور ابن زیاد نہایت ظالم اور جابر و قاہر تھے اور یہ تاثر دینا کہ اہل عراق بڑے معصوم اور بے قصور تھے سخت ناانصافی ہے۔

زیاد کے محسن اعظم حضرت علی تھے۔ آپ نے زیاد کو ابوسفیان کا بیٹا قرار دے کر اپنے سے قریب رکھا اور ذمہ دارانہ عہدہ دیا۔ حضرت معاویہ نے بھی حضرت علی کے ارشاد کو تسلیم کرتے ہوئے زیاد کو اپنا بھائی قرار دیا۔ حضرت معاویہ دیکھ رہے تھے اہل عراق کس قدر شر پسند لوگ ہیں۔ انھوں نے حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کو کس قدر ستایا ہے۔ آپ نے زیاد کو کھلی چھوٹ دیدی تھی کہ اہل عراق کو ان کی ھیکڑی بھلا دیں اور اچھی طرح مسل کر رکھ دیں۔ زیاد کو دو تین سال سے زیادہ کا موقعہ نہیں ملا، موت نے مہلت نہیں دی ورنہ وہ اہل عراق کا اچھی طرح کس بل نکال کر رکھتے اور آج اسلام کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔

زیاد نے عراق میں نہایت سخت گیری اور تشدد سے کام لیا وہ قصورواروں کو سزا دینے میں کوئی کمی نہیں کرتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شور و شر بڑی حد تک ختم ہو گیا۔ اپنی ان سختیوں کے باوجود زیاد اپنے بعد آنے والے حاکموں سے بہتر قرار دیئے گئے۔ ان کے عہد میں امن و امان قائم ہوا۔ لوگ خوش حال اور مطمئن ہو گئے۔ وہ سب کی تنخواہیں وقت پر پہنچا دیتے تھے۔ ان کی سچائی اور وعدہ کی پابندی پر سب کو اعتماد تھا۔ شخصی زندگی میں زیاد عابد و زاہد شخص تھے، ابن عساکر نے لکھا ہے "کان یعدّ فی الزھاد" وہ زاہدوں میں شمار ہوتے تھے (تاریخ ابن عساکر، جلد ۵) جنگ جمل میں غیر جانبدار تھے۔ ایک دوست رافع بن حارث کے گھر میں بیٹھے رہے۔

کوفے کی حکومت ملنے کے بعد زیاد صرف دو سال زندہ رہے اور ۵۳ھ میں بعارضہ طاعون وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ

زیاد اپنے وقت کے ایک بہترین ایڈمنسٹریٹر ہی نہیں بلکہ ایک بلند پایہ خطیب بھی تھے جو بنو عبد مناف کا خاصہ ہے۔ عراق کا چارج لیتے ہی عراقیوں کو ڈرانے اور دھمکانے کے لئے جو تقریر کی اس میں انھوں نے ان تمام نکات پر روشنی ڈالی جن سے ایک سرکش قوم کو مرعوب کیا جا سکتا ہے جس سے ان کی تدبیری صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ انھوں نے یہ خطبہ بغیر کسی تیاری کے ارتجالاً دیا تھا جس سے ان کی قادر الکلامی کا اندازہ ہوتا ہے۔ خطباء اسلام، خواہ خلفاء ہوں یا امراء، کا ایک مستقل طریقہ تھا کہ وہ اپنے خطبات کی ابتداء، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام سے کرتے اور پھر "اما بعد!" کہہ کر اپنی تقریر شروع کرتے تھے لیکن زیاد نے اس موقعہ پر روایت کے خلاف بغیر "حمد و صلوۃ" کے یہ خطبہ شروع کر دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاریخ ادب میں ان کا یہ خطبہ "الخطبة البتراء"(دُم کٹا، معیوب خطبہ) کے نام سے مشہور ہے۔

زیاد کا عربی ادب پر ایک اور احسان ہے۔ اس زمانے میں عجمیوں کی کثرت اور عربوں کے ان سے اختلاط کے باعث عربی زبان متاثر ہو رہی تھی۔ بعض وقت خود عرب اپنے مافی الضمیر کو صحیح الفاظ کا جامہ پہنانے سے قاصر ہو رہے تھے۔ بات کچھ سے کچھ ہو رہی تھی۔ زیاد نے اس طرف بروقت توجہ کی اور اپنے قدیمی رفیق حضرت ابوالاسود دوئلی کو جو حضرت علی کے ارشد تلامذہ اور کبار تابعین سے تھے، اس کام پر مامور کیا کہ عربی زبان کے اصول وقواعد مرتب کریں۔ چنانچہ حضرت ابوالاسود نے علم نحو کے اصول وقواعد مرتب فرمائے۔ آگے چل کر ان ہی اصول کی بنیاد پر علم نحو کی عظیم عمارت کھڑی ہوئی۔ اس طرح ابوالاسود اس علم کے معلم اور زیاد محرک قرار پائے۔

زیاد کے انتقال کے بعد صحابیٔ رسول حضرت نعمان بن بشیر کوفہ کے گورنر مقرر ہوئے جو حضرت معاویہ کی وفات ۶۰ھ تک برقرار رہے۔ یہ حضرت بھی اپنے پیش رو بزرگوں کی طرح نرم مزاج کے حامل تھے۔ اس لئے شرپسندوں کو اپنی شرارتوں کو منظم کرنے کا موقعہ مل گیا اور انھوں نے اپنی اندرونی کارروائیوں کو تیز کر دیا۔ حضرت معاویہ کا انتقال ہوتے ہی جان لیا کہ اب ہمیں کوئی پکڑنے والا نہیں ہے۔ انھوں نے حضرت حسین کو اپنی سربراہی کے لئے منتخب کیا اور کوفہ آنے کی دعوت دی اور یقین دلایا کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے۔ آپ تشریف لاکر ہماری سرپرستی فرمائیں۔ حضرت حسین نے ان پر زیادہ اعتماد نہیں کیا اور امتحاناً اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا تاکہ حالات کا جائزہ لے کر تصحیح صورت حال سے مطلع کریں کہ واقعی اہل عراق کی دعوت قبول کی جاسکتی ہے یا نہیں۔ مسلم جیسے ہی کوفہ پہنچے ۱۸ ھزار کوفیوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ دوسرا موقعہ تھا کہ ایک خلیفہ کی بیعت ہو جانے کے بعد دوسرے شخص کی بیعت ہوئی۔ مسلم طبعاً عجلت پسند، ناتجربہ کار اور حزم واحتیاط سے بے بہرہ شخص تھے۔ انھوں نے حضرت حسین کے لئے سبز جھنڈی ہلادی۔ حضرت نعمان بن بشیر حالات پر قابو نہ پاسکے چنانچہ امیر یزید نے ان کو معزول کرکے زیاد کے فرزند عبیداللہ کو جو تاریخ میں ''ابن زیاد'' کے نام سے جانے جاتے ہیں کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ مسلم نے اپنے اٹھارہ ھزار کوفی مبایعین کی شہ پر ان کو ساتھ لے کر'' گورنر ھاؤس'' پر مسلح حملہ کر دیا۔ ابن زیاد بڑی حکمت عملی سے اس ہنگامہ پر قابو پاسکے۔ سبھوں نے مسلم کو تنہا چھوڑ دیا۔ مسلم اور ان کے ساتھی ہانی بن عروہ فساد، بلوہ اور بغاوت کے الزام میں ماخوذ ہو کر قتل کر دیئے گئے۔ مسلم نے بوقت قتل ابن زیاد سے خواہش کی کہ حضرت حسین کو اس صورت حال کی اطلاع کر دیں اور انھیں یہاں آنے سے روک دیں۔ ان کی وصیت کے مطابق ابن زیاد نے ایک قاصد حضرت حسین کے پاس روانہ کیا اور خواہش کی کہ آپ کوفہ نہ آئیں۔ کوفہ کے راستوں پر پہرے لگادیئے گئے کہ حسینی قافلہ حدود

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عراق میں داخل نہ ہو۔ خلیفہ وقت کی تاکید تھی کہ حضرت حسین کے معاملے میں پوری احتیاط کی جائے۔ اِدھر حضرت مروان بن حکم کا خط بھی ابن زیاد کے نام تھا کہ حضرت حسین کو کوئی گزند نہ پہنچنے پائے۔ اس عرصہ میں حضرت حسین بعزم کوفہ مکہ معظمہ سے نکل چکے تھے۔ ثعلبہ کے مقام پر ابن زیاد کے قاصد نے مسلم کے قتل کی خبر اور کوفہ نہ آنے کی ہدایت پہنچائی۔ اس پر آپ نے اپنے سفر کے رُخ کو دمشق کی طرف موڑ دیا تاکہ سیدھے امیر یزید کے پاس پہنچ جائیں۔ کوفہ کا ایک سربرآوردہ شخص حرُ بن یزید ریاحی ایک ہزار سوار لے کر آپ کے پاس پہنچا اور اصرار کیا کہ آپ کوفہ چلیں۔ ظاہر ہے یہ شخص حکومت کا آدمی نہیں تھا اگر حکومت کا آدمی ہوتا تو کیوں حکومت کی مرضی کے خلاف آپ کو کوفہ چلنے پر اصرار کرتا۔ اس کے ساتھ زیادہ تر وہ لوگ تھے جنھوں نے آپ کو کوفہ آنے کے لئے خطوط لکھے تھے۔ یہ چاہتا تھا کہ آپ کوفہ چلیں یا پھر خطوط واپس کر دیں۔ حضرت حسین ان دونوں میں سے کسی بات کے لئے راضی نہیں تھے۔ امیر یزید نے حضرت حسین کے کوفہ کے سفر کی اطلاع پر امیر عمر بن سعد کو جو عراق کے امیر العسکر تھے ۴۰۰ سواروں کے طاقتور دستے کے ساتھ روانہ کیا کہ وہ حضرت حسین کو کسی طرح بحفاظت تمام دمشق لے آئیں۔ کربلا کے مقام پر ان جماعتوں کا اجتماع ہوا۔ حضرت حسین نے امیر عمر بن سعد کے مشورے پر دمشق چلنے پر رضامندی ظاہر کی تو ابن زیاد مطمئن ہو گئے اور عمر بن سعد کی کوششوں کو سراہا۔ اب آگے کیا صورت پیش آئی اس کے بارے میں کئی روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے اور زیادہ مشہور ہے کہ ابن زیاد نے ضد لگائی کہ حضرت حسین کوفہ آ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کریں اور آپ نے اس کو اپنی ذلت سمجھا آخر جنگ کی نوبت آئی۔ یہ روایت ابن زیاد کو واقعہ کربلا کا ذمہ دار قرار دینے کے لئے گھڑی گئی ہے۔ اوپر جو واقعات بیان کئے گئے ہیں ان کے پیش نظر ناممکن ہے کہ ابن زیاد بے جا ضد لے کر آسانی سے حل ہوتے ہوئے مسئلہ کو بگاڑ دیں۔

واقعہ کربلا کے بعد جب یہ قافلہ دربار شام میں پہنچا تو امیر یزید نے پہلے پہل ابن زیاد پر لعنت ملامت کی کہ شائد اسی کی بے تدبیری سے یہ المناک واقعہ پیش آیا۔ لیکن ظاہر ہے جب تفصیلات معلوم ہوئی ہونگی تو کوئی وجہ نہیں تھی ابن زیاد کے تعلق سے کوئی تادیبی کارروائی کی جاتی۔ پھر بھی علامہ مودودی پوچھتے ہیں کہ یزید نے اس سرپھرے گورنر کو کیا سزا دی۔ واقعہ کربلا یزید کا آنکھوں دیکھا نہیں تھا پھر بھی مولانا کا اصرار ہے کہ یزید کو چاہئے تھا کہ ابن زیاد کو معقول اور بھرپور سزا دیتا۔ حضرت عثمان کی شہادت کے موقعہ پر حضرت علی خود وہاں موجود تھے اور مالک اشتر اور محمد بن ابی بکر ان دونوں ''صاحبوں'' نے قتل عثمان میں جو حصہ لیا اس کے علم کے باوجود وہ حضرت علی کے ''مقرب'' تھے۔ مولانا نے ان دونوں کو اپنا تقرب عطا کرنے پر حضرت علی کے اس کام کو صرف ''غلط'' قرار دیا ہے وہ بھی بصورت مجبوری کہ غلط کہنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ علامہ مودودی، ابن زیاد کو سر پھرا گورنر اور مستوجب سزا قرار دیتے ہیں۔ یزید پر ذمہ داری عائد کرتے ہیں کہ ابن زیاد کو سزا دے۔ لیکن حضرت عثمان کے قتل میں حصہ لینے والوں یعنی مالک اشتر اور محمد بن ابی بکر کو "صاحب" کے احترامی لفظ سے یاد کرتے ہیں اور حضرت علی کے اس کام کو صرف "غلطی" قرار دیتے ہیں کہ آپ نے ان دونوں کو اپنا تقرب عطا کیا تھا۔ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے۔

واقعہ کربلا کے بعد حضرت ابن عباس اور حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہ) کے دمشق جانے اور امیر یزید سے ملاقات کرنے کی روایتیں ہیں۔ لیکن اس موقعہ پر ان بزرگوں نے ابن زیاد کو سزا دینے کا مطالبہ نہیں کیا۔ واقعہ حرّہ میں بنو ہاشم میں سے کسی بزرگ نے بھی بغاوت میں حصہ نہیں لیا۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ کربلا کے المیہ میں حکومت ملوث نہیں تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ امیر ابن زیاد اور امیر عمر بن سعد آخر تک کوشاں رہے کہ معاملہ آسانی سے حل ہو جائے اور حضرت حسین اور آپ کے اہل بیت کو کوئی گزند نہ پہنچے لیکن بعد کے مورخین نے اس المیہ کی ساری ذمہ داری ان دونوں پر ڈال دی اور ان کو ہمیشہ کے لئے امت میں بدنام اور مطعون کر دیا۔

جب مختار نے قاتلانِ حسین سے انتقام لینے کے بہانے سے عراق پر تسلط پایا تو اس نے جس جس کو اپنا موئید نہ پایا قتل حسین کا الزام لگا کر قتل کیا۔ بہت سے بے قصور مسلمانوں کو قتل کرنا، جلانا، اذیت دے کر ہلاک کرنا اس کا معمول ہو گیا تھا۔ امیر عمر بن سعد بھی گرفتار ہوئے۔ حضرت علی کے بھانجے حضرت جعدہ بن ھُبیرہ نے خاص طور پر سفارش کی کہ ان کو رہا کر دے لیکن اس نے ان کو اور ان کے فرزند حفص کو قتل کر دیا۔ جب یہ فساد زیادہ ہو گیا تو ابن زیاد شام سے ایک فوج لے کر عراق کی طرف بڑھے۔ چشمہ خازر پر مختار کے امیر لشکر ابراھیم بن مالک اشتر سے سخت جنگ ہوئی۔ جس میں ابن زیاد مقتول ہوئے۔ مختار نے ان کے سر اور جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرا دیئے۔ آخر حضرت مصعب بن زبیر جو حضرت عبداللہ بن زبیر کے بھائی اور سیدہ سکینہ بنت حضرت حسین کے شوہر تھے، گرانقدر فوج لے کر مختار پر چڑھائی کی اور اس کو کیفر کردار کو پہنچایا۔

یہ واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ بنو ہاشم کے بزرگ افراد خلیفہ وقت امیر یزید بن معاویہ اور ابن زیاد کو اپنا دشمن نہیں سمجھتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت مروان بن حکم اُموی

ولادت: ۲ھ

وفات: ۶۵ھ

نام ونسب: - نام مروان ہے، سلسلہ نسب یہ ہے۔ مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس بن عبد مناف، عبد مناف پر سلسلہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔ والدہ کا نام آمنہ بنت علقمہ بن صفوان ہے۔

حکم بن ابی العاص: - حضرت حکم بنی امیہ کے ذی اثر لوگوں میں سے تھے۔ انھوں نے فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام قبول کیا اور قرین قیاس یہی ہے کہ ان کے فرزند مروان جو اس وقت ۵، ۶ سال کے تھے اپنے والد کے ساتھ ہی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسلام لانے سے قبل حضرت حکم اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی میں سخت نہیں تھے۔ البتہ یہ روایت ضرور ہے کہ انھوں نے اپنے بھتیجے حضرت عثمان پر بری سختیاں کی تھیں جس کی بنا پر وہ ہجرت پر مجبور ہوئے۔ حضرت عثمان کے سوا کسی پر سختی کرنے کی روایت نہیں ہے۔ جنگ بدر، جنگ احد اور جنگ احزاب میں بھی حضرت حکم نے شرکت نہیں کی۔

حضرت حکم اسلام لانے کے بعد موقتی طور پر مدینہ آئے ہوں گے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ ہجرت کرکے مدینہ آ کر رہ گئے ہوں۔ اس لئے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی۔ حضرت صفوان بن اُمیہ بھی فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام لانے کے بعد ہجرت کی نیت سے مدینہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مکہ واپس کر دیا۔ اس لحاظ سے حضرت حکم بھی مستقلاً مکہ ہی میں مقیم رہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے اپنی کتاب "خلافت وملوکیت" میں لکھا ہے کہ قیام مدینہ کے زمانے میں حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راز افشا کر دیتے تھے اور آپ کی نقلیں اتارتے تھے جس کو آپ نے خود دیکھ لیا تھا اور اسی بنا پر آپ نے حکم کو مدینہ سے خارج البلد کر دیا اور طائف میں رہنے کا حکم دیا۔ حضرت حکم پر یہ دونوں الزام یعنی راز افشاء کرنے اور نقلیں اتارنے کے صحیح نہیں معلوم ہوتے اس لئے کہ افشاء راز کی صرف ایک ہی روایت ملتی ہے کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ سے فتح مکہ کے موقعہ پر یہ قصور صادر ہوا تھا جس کا تذکرہ سورہ ممتحنہ کی ابتدائی آیات میں آیا ہے۔ ان آیات میں خاص طور پر حضرت حاطب کو ہدایت ونصیحت کی گئی ہے۔ رسول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس موقعہ پر اشارۃً بھی ایسی کوئی ہدایت نہیں کی گئی کہ اور بھی لوگ اس قسم کی حرکات کرنے والے ہیں۔ آپ ان سے محتاط رہیں۔ حضرت حاطب کے واقعہ کے بعد کسی شخص کو افشاء راز کی ہمت نہیں ہوئی۔ حضرت حاطب کا واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے اور حکم فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے اس کے بعد انھیں مدینہ میں رہنے کا موقعہ ہی نہیں ملا تو افشاء راز کب کرتے؟ اس لئے یہ ناممکن ہے کہ حضرت حکم سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہو۔ اسی طرح نقلیں اتارنے کی بات بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اگر ان سے ایسی حرکت کبھی سرزد ہوتی تو جن صحابہ نے ان کو ایسی حرکت کرتے دیکھا تھا کیا دیکھ کر چپ ہو جاتے۔ ایسے وقت میں جبکہ سارے عرب میں آپ کی دھاک بیٹھ چکی تھی کس کی مجال تھی کہ وہ ایسی حرکت کرتا۔ حکم نقل بازی کا ہنر رکھتے تھے تو ہجرت سے قبل جبکہ آپ مظلوم زندگی گذار رہے تھے اور قریش آپ کی تحقیر و تضحیک کرتے تھے اس وقت، کوئی روایت نہیں ملتی کہ حکم نے آپ کی نقلیں اتار کر آپ کا مذاق اڑایا ہو۔ اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ حضرت حکم پر یہ دونوں الزام من گھڑت ہیں۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی جیسی کچھ شرارتیں تھیں وہ اظہر من الشمس ہیں۔ حتی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کو مدینہ سے نکال دینے کی بات بھی زبان پر لایا تھا (سورہ منافقون آیت نمبر ۸) آپ چاہتے تو جواباً اس کو خارج البلد کر سکتے تھے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا تو ابن اُبی کی شرارتوں کے مقابلے حکم کی شرارتیں بالفرض وہ شرارتیں ہوں، ایسی کیا تھیں کہ آپ حکم کو خارج البلد کرتے۔ واقعہ یہ ہے کہ حکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خدمت کے ضمن میں طائف روانہ کیا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد حضرات ابوبکر و عمر نے بھی انھیں وہیں برقرار رکھا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عمر کے زمانے میں بحرین کے عامل مقرر کئے گئے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے حضرت حکم کسی خدمت کے ضمن میں ہی طائف میں تھے۔ حضرت عثمان نے اپنے زمانے میں حکم کی ضعیف العمری کی بنا پر طائف سے مدینہ بلا لیا۔ حضرت عثمان نے اپنے محاصرہ کے زمانے میں بلوائیوں کے سامنے اس بات کی وضاحت فرمائی تھی کہ حکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف بھیجا تھا اور پھر طائف سے انھیں بلا لیا تھا لیکن وہ آپ کی زندگی میں مدینہ نہ آسکے، اس لئے اب میں نے انھیں بلا لیا (تاریخ طبری، جلد پنجم واقعات ۳۵ھ)۔

حضرت حکم، حضرت عثمان کے عہد کے آخری دور تک زندہ رہے اور ۳۲ھ میں مدینہ میں انتقال کیا۔ رضی اللہ عنہ۔

فضائل و مناقب:۔ حضرت مروان نے ۸ ہجری میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ اس لحاظ سے دیدار نبوی کے شرف سے مشرف تھے۔ ان کا شمار اصاغر صحابہ میں ہوتا ہے۔ حضرت مروان نے حضرت عثمان، حضرت علی اور دیگر صحابہ سے حدیث کی روایت کی اور ان سے حضرت عروہ بن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زبیر اور حضرت علی بن حسین زین العابدین نے روایت کی۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی صحابی نے حضرت مروان کی حدیث کو قبول فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے حلقہ میں معتبر اور قابل اعتماد تھے۔

البدایة والنهایة میں علامہ ابن کثیر نے حضرت سعید ابن العاص کے تذکرہ کے ضمن میں ایک واقعہ لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ اپنی جانشینی کے لئے چھ حضرات پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ سعید ابن العاص، عبداللہ بن عامر، حسن بن علی، مروان بن حکم، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہم) اور ان میں سے ہر بزرگ کے بارے میں نہایت اچھے الفاظ استعمال فرمائے تھے۔ اس موقعہ پر حضرت مروان کے بارے میں آپ کے جو الفاظ تھے ان سے حضرت مروان کی فضیلت کا اندازہ ہوتا ہے: حضرت معاویہ نے فرمایا:

اما القاری لکتاب الله الفقیه لدین الله الشدید لحدود الله مروان ابن الحکم ۔

کتاب اللہ کے قاری، اللہ کے دین کے فقیہ اور حدود اللہ کے لئے متشدد، مروان بن الحکم۔

مروان فطرۃً بہترین کردار اور عمدہ اخلاق کے مالک تھے۔ علامہ ابن تیمیہ اور قاضی ابن العربی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کو فقہا اور کبارِ اُمت میں شمار کیا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے البدایة والنهایة (جلد ۸) میں لکھا ہے کہ مروان قریش کے سادات اور فقہاء میں سے تھے۔ مروان جب مدینہ کے گورنر تھے تو حضرات حسن و حسین اور دیگر فرزندان علی ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ حضرت علی کی صاحبزادی ام کلثوم بنت سیدہ فاطمہ زہرا کی نماز جنازہ حضرت مروان ہی نے پڑھائی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مروان اپنے ہم عصروں کے درمیان ایک اہم مقام رکھتے تھے۔

علامہ ابن القیم نے لکھا ہے کہ مروان بن حکم کی مذمت میں جو احادیث ہیں وہ موضوع اور من گھڑت ہیں۔

عہد عثمانی میں: - حضرت مروان عہد نبوت، عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں طائف میں تھے۔ عہد عثمانی میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ مدینہ آگئے۔ مروان حضرت عثمان کے چچازاد بھائی اور داماد تھے۔ حضرت عثمان کی صاحبزادی سیدہ ام ابان الکبریٰ ان کے حبالۂ عقد میں تھیں۔ حضرت عثمان نے ان کو اپنا سکریٹری مقرر فرمایا تھا۔

جنگ جمل میں طالبان قصاص خونِ عثمان میں پیش پیش تھے۔ جنگ جمل کے بعد حضرت علی کی بیعت کرلی اور آپ کی اجازت سے شام چلے گئے۔ جنگ صفین میں حضرت معاویہ کے کیمپ میں تھے لیکن جنگ میں کوئی نمایاں کام انجام نہیں دیا۔

حضرت مروان عہد معاویہ میں مدینہ کے گورنر رہے اور جناب یزید کے عہد میں ولید بن عقبہ بن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابی سفیان حاکم مدینہ تھے اور مروان ان کے نائب اور مشیر تھے۔

خلافت:- امیر یزید بن معاویہ کے انتقال کے بعد خلافت کا معاملہ اتھل پتھل ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے حجاز میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ بصرہ اور کوفہ والوں نے ان کی خلافت کو تسلیم کر لیا۔ یہ وقت بنو اُمیہ کے لئے بڑا نازک تھا۔ امیر یزید کے بڑے فرزند معاویہ اپنے والد کے جانشین ہوئے لیکن صرف چھ ماہ بعد ہی خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ دوسرے فرزندان خالد اور عبداللہ نے خلافت سے کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ مروان نے بھی اپنی خیریت اسی میں دیکھی کہ وہ بھی حضرت ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کر لیں، قریب تھا کہ وہ بیعت کر لیتے لیکن حضرت ابن زبیر کو بنو اُمیہ سے سخت نفرت تھی چنانچہ انھوں نے مروان اور دیگر امویوں کو مدینہ سے نکال دیا یہ سب لوگ دمشق آ گئے۔ بنو اُمیہ کو سخت تشویش لاحق ہوئی کہ اگر پورے عالم اسلام پر ابن زبیر کا قبضہ ہو جائے تو پھر ہماری خیر نہیں۔ چنانچہ بنو اُمیہ نے کسی طرح مروان کو راضی کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اسطرح شام پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ پھر انھوں نے مصر کو بھی فتح کر لیا اس طرح شام اور مصر پر ان کی حکومت قائم ہو گئی۔ اس کے بعد ان کے دو فرزند عبدالملک اور زبیر نے افریقہ میں فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اس طرح دیکھتے دیکھتے ایک وسیع سلطنت کے مالک ہو گئے یہی سلطنت آگے چل کر "دولت بنی مروان" بنی۔

وفات:- حضرت مروان صرف ۹، ۱۰ مہینے حکومت کر سکے اور بعمر ۶۳ سال ۶۵ھ م ۶۸۴ء وفات پا گئے۔ رضی اللہ عنہ

حضرت مروان پر مطاعن:- ایسے مورخین جو شروع ہی سے اس بات پر قسم کھا بیٹھے تھے کہ کسی طرح بنو اُمیہ کو بدنام اور رسوا کریں اور جنھوں نے حضرت عثمان اور حضرت معاویہ جیسے اکابر صحابہ کو نہ چھوڑا وہ بے چارے مروان کو کب بخشنے والے تھے۔ ان کے والد بزرگوار حضرت حکم پر الزامات کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ اب آیئے دیکھیں خود ان پر کیا الزامات ہیں اور ان کی حقیقت کیا ہے۔

ایک روایت ہے کہ جب یہ پیدا ہوئے تو تحنیک کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے۔ آپ نے فرمایا "یہ گرگٹ کا بچہ گرگٹ اور ملعون کا بچہ ملعون ہے"۔ حضرت ام المومنین عائشہ کا بھی ایک قول مشہور کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم پر لعنت کی جبکہ مروان حکم کی صلب میں تھا۔ (خلافت وملوکیت)

یہ روایتیں بدیہی طور پر غلط اور من گھڑت ہیں اس لئے کہ مروان ۲ھ میں مکہ میں پیدا ہوئے اور اس وقت آپ کے والد مسلمان نہیں ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کو ہجرت فرما چکے تھے۔ اور پھر جس طرح اوپر گزرا ہے حکم کا قصور ہی کیا تھا کہ آپ ان پر لعنت فرماتے۔ یہ روایت کسی طرح حضرت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکم اور حضرت مروان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ''ملعون'' قرار دینے کے لئے گھڑی گئی۔

خلیفہ سوم حضرت عثمان اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما اہل سنت والجماعت کے نزدیک نہایت معزز ومحترم شخصیتیں ہیں۔ دونوں حضرات ''مبشر بالجنۃ'' ہیں۔ یہ دونوں حضرات شہید ہیں۔ اب کسی طرح ان دونوں بزرگوں کی شہادت میں حضرت مروان کو ملوث قرار دیا گیا تا کہ اہل سنت والجماعت مسلمان ان سے متنفر ہو جائیں۔ چنانچہ یہ کوشش بارآور ہوئی اور عوام تو ایک طرف خواص اور اہل علم کے نزدیک بھی حضرت مروان کی عظمت واحترام کا کوئی تصور نہیں ہے ان کا نام لیتے ہی فوری خیال آ جاتا ہے کہ یہ حضرت عثمان کی شہادت کا ذمہ دار ہے اور حضرت طلحہ کا قاتل ہے۔

شہادت حضرت عثمان: ۔ جب مصر، کوفہ اور بصرہ سے ایک ایک وفد مدینہ پہنچا، مصری حضرت علی کی خدمت میں، کوفی حضرت زبیر کی خدمت میں اور بصری حضرت طلحہ کی خدمت میں پہنچے اور ان تینوں بزرگوں سے درخواست کی کہ کوئی صاحب خلافت سنبھال لیں اور خلیفۂ وقت کو معزول کر دیں۔ تینوں بزرگوں نے اس تجویز کو ٹھکرا دیا اور ان لوگوں کو کچھ کو سمجھا بجھا کر اور کچھ کو ڈانٹ ڈپٹ کر کے مدینہ سے بڑھا دیا۔ تینوں وفود اپنی اپنی منزل پر کافی دور تک نکل گئے تھے۔ اہل مدینہ نے بھی اطمینان کی سانس لی لیکن اچانک یہ ہوا کہ تینوں وفود سرپٹ گھوڑے دوڑاتے، دندناتے، تکبیر کے نعرے لگاتے مدینہ میں گھس آئے اور قصر خلافت کا محاصرہ کر لیا۔ تینوں حضرات یعنی حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نکل آئے اور پوچھا کیا بات ہے۔ مصری وفد نے کہا ہم نے راستہ میں ایک ناقہ سوار کو پکڑا جو کبھی کہتا تھا میں مروان کا غلام ہوں، کبھی کہتا تھا عثمان کا غلام ہوں، ہم نے اس کے پاس ایک خط پکڑا ہے۔ جس میں عثمان کی مہر لگی تھی اور حاکم مصر کو لکھا گیا ہے کہ یہ مصری وفد مصر پہنچے تو ان سب کو قتل کر دو۔ حضرت علی نے تحقیق فرمائی تو حضرت عثمان اور حضرت مروان دونوں نے حلفیہ اس خط کے بارے میں لاعلمی ظاہر کی۔ حضرت علی فوراً بات کی تہ تک پہنچ گئے اور فرمایا تینوں وفود جب اپنی منزل کی طرف دور تک نکل گئے تھے اور خط صرف مصری وفد نے پکڑا تھا تو کوفی اور بصری وفد کو اس بات کی کیسے اطلاع ہوئی کہ وہ بھی ساتھ ہی پلٹ کر آ گئے۔ اس سوال کا ان بلوائیوں کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ چونکہ اب وہ کھل کر سامنے آ گئے تھے اس لئے جلد از جلد کچھ انقلاب برپا کر کے جانا چاہتے تھے۔ انھوں نے حضرت عثمان پر دباؤ ڈالا کہ خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ آخر بات حضرت عثمان کی شہادت کے واقعہ ہائلہ تک پہنچی اور صاف بات تھی کہ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت طلحہ (رضی اللہ عنہم) کے نزدیک اس واقعہ میں حضرت مروان بالکل بے قصور تھے۔ اگر واقعی مروان قصوروار ہوتے تو یہ حضرات بلوائیوں کے مطالبہ کے مطابق ان کو بلوائیوں کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حوالے کردیتے یا خود سزا دیتے۔ اگرچہ کہ آگے چل کر حضرت عثمان کی قیمتی ترین جان کا نقصان اٹھانا پڑا لیکن ان حضرات کے نزدیک حضرت مروان کی بے قصوری اتنی واضح تھی کہ کسی نے بھی اس موقعہ پر حضرت مروان کے خلاف زبان نہیں کھولی۔ یوں بھی حضرت عثمان سے حضرت مروان کے جو تعلقات تھے ان کے پیش نظر کوئی بھی صاحب عقل باور نہیں کرسکتا کہ وہ کوئی ایسی حرکت کریں گے جس سے حضرت عثمان پر مصیبتیں ٹوٹ پڑیں۔ اس ساری حقیقت کو سامنے رکھنے کے بعد یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ انھوں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی جس کے نتیجہ میں حضرت عثمان کی شہادت ہوئی بلکہ مفسدوں اور بلوائیوں نے صرف حضرت عثمان کو شہید کرنے کے لئے ایک فرضی خط کا بہانہ بنایا تھا۔ وہ صرف حضرت عثمان کو شہید کرنا چاہتے تھے اس لئے کسی بہانے شہید کرکے چھوڑا۔

شہادت حضرت طلحہ:۔ جنگ جمل کی تفصیلات پر بحث کرنے کا موقع نہیں ہے۔ اس جنگ میں حضرات طلحہ و زبیر شہید ہوگئے۔ مولانا مودودی نے لکھا ہے کہ ''ایک ظالم عمرو بن جرموز نے حضرت زبیر کو قتل کردیا اور مشہور روایات کے مطابق حضرت طلحہ کو مروان بن الحکم نے قتل کردیا (خلافت و ملوکیت) نیچے فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں کہ ''ثقات میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت طلحہ کا قاتل مروان ہی ہے حالانکہ وہ ان کی فوج میں شامل تھا۔ البدایہ میں علامہ ابن کثیر نے بھی مشہور روایت اسی کو مانا ہے۔ مولانا نے ان ثقات میں سے کسی ایک کا بھی نام نہیں لیا جن کے نزدیک مروان حضرت طلحہ کے یقینی قاتل تھے۔

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف ایڈیٹر ''الاعتصام'' نے اپنی کتاب ''خلافت و ملوکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت'' میں بعنوان ''طلحہ کا قتل؟'' میں ابن کثیر کا قول نقل کیا ہے کہ ''مروان بن الحکم نے طلحہ پر تیر چلایا اور بعض کہتے ہیں کہ کوئی اور۔ طبری میں ہے کہ طلحہ کو ایک تیر لگا جس سے وہ جاں بحق ہوگئے۔ لوگوں کا گمان ہے کہ وہ تیر انداز مروان ہے۔ دوسرے مقام پر ہے ''ایک نامعلوم تیر ان کو لگا'' علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ ''طلحہ کو ایک تیر لگا جس کا مارنے والا نامعلوم ہے بعض کا خیال ہے کہ وہ مروان بن الحکم ہے اللہ بہتر جانتا ہے'' علامہ ابن کثیر کے یہ بھی الفاظ ہیں: ''کہا جاتا ہے کہ یہ تیر انداز مروان ابن الحکم تھے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نہیں۔ ان کے علاوہ کوئی اور ہے۔ میرے نزدیک یہی قول صحت کے قریب ہے اگرچہ مشہور پہلا قول ہے۔ (البدایہ، جلد ۷)

ان روایات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ حضرت مروان کے قاتل طلحہ ہونے کی بات اتنی قطعی نہیں ہے جیسا کہ مولانا مودودی نے لکھا ہے کہ ثقات میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت طلحہ کا قاتل مروان ہے بلکہ مورخین نے تو اس بات کو ''عام لوگوں کا گمان'' قرار دیا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے تو واضح طور پر لکھا ہے کہ طلحہ کا قاتل کوئی اور ہونے کی بات میرے نزدیک صحیح ہے۔ علامہ ابن کثیر نے مروان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے قاتل طلحہ ہونے کی بات کو صرف ''مشہور روایت'' قرار دیا کہ نہ صحیح۔ کسی روایت کی شہرت کا اعتراف کرنا اس روایت کے صحیح ہونے کا اعتراف نہیں۔

ان ساری باتوں کے علاوہ ایک اور بات بھی غور طلب ہے۔ مولانا مودودی نے تحریر فرمایا ہے کہ ''حضرت زبیر کا قاتل انعام پانے کی امید لئے ہوئے آیا مگر آپ نے (حضرت علی نے) اس کو جہنم کی بشارت دی''۔ روایات کے مطابق حضرت علی نے حضرت طلحہ کی شہادت پر بھی رنج وغم کا اظہار فرمایا لیکن کوئی روایت نہیں ملتی جس میں آپ نے قاتل طلحہ کو بھی جہنمی قرار دیا ہو۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خواہ وہ تیر مروان کا ہو یا کسی اور کا ہو، غیر ارادی تیر تھا۔ مطلب یہ کہ تیر چلانے والے کا مقصد حضرت طلحہ کو نشانہ بنانا نہیں تھا بلکہ اصل نشانہ چوک کر وہ تیر آپ کو لگا اور جاں لیوا ثابت ہوا۔ اس طرح قاتل طلحہ خواہ مروان قرار پائیں یا کوئی اور بہرحال وہ جہنمی نہیں ہے۔

حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہما:- حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہما جمیع اہل سنت والجماعت اور شیعہ کے نزدیک نہایت معزز، محترم اور حد درجہ محبوب شخصیتیں ہیں۔ ان دونوں حضرات کی عظمت و فضیلت محتاج بیان نہیں، اظہر من الشمس ہے۔ سبائی ذہن کے مورخین نے حضرت مروان کو ان دونوں کا سخت دشمن ثابت کیا ہے تاکہ سارے ہی اہل سنت والجماعت اور شیعہ ان سے سخت متنفر ہو جائیں۔

ایک مشہور شیعہ عالم مولانا سید نجم الحسن کراروی نے اپنی کتاب ''چودہ ستارے'' میں حضرت حسن کی وفات کے جو حالات بیان کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن کو زہر دینے میں مروان بن الحکم ہی کی کوششیں کارفرما تھیں اور حضرت معاویہ ان کے ذریعہ زہر حضرت حسن تک پہنچاتے تھے۔ اور بعد وفات آپ کے جنازے کو روضہ نبوی پر لانے اور حجرۂ مبارکہ میں تدفین سے روکنے میں مروان ہی پیش پیش تھے۔ اور اس مزاحمت میں تیر اندازی بھی ہوئی اور تقریباً ستر تیر میت کے جسم میں پیوست ہو گئے۔

اب ظاہر ہے کہ جو شخص بھی اس روایت کو پڑھے گا اس کا خون کھول جائے گا۔ کراروی صاحب نے سرسری طور پر لکھ دیا کہ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اگر آں محترم صرف یہ تحقیق فرما لیتے کہ نماز جنازہ کس نے پڑھائی اور اس کے لئے ''شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید، ج ۴'' ملاحظہ فرما لیتے تو دو غلط فہمیاں دور ہو جاتیں۔ علامہ ابن ابی الحدید کی روایت ہے کہ نماز جنازہ کے لئے حضرت حسین نے گورنر مدینہ سعید بن العاص اموی کو آگے بڑھایا اور فرمایا کہ: آپ نماز پڑھایئے۔ اگر یہ طریقہ سنت نہ ہوتا کہ امیر وقت نماز جنازہ پڑھائے تو میں آپ کو آگے نہ کرتا'' اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت مدینہ کے گورنر حضرت سعید بن عاص اموی تھے نہ کہ حضرت مروان جیسا کہ کراروی صاحب نے لکھا ہے۔

دوسری بات: حضرت معاویہ کو زہر دینا مقصود ہوتا تو وہ مقتدر شخص یعنی اپنے گورنر کے ذریعہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زہر خورانی کی کارروائی کرتے نہ کہ حضرت مروان کو زہر خورانی کے لئے آلۂ کار بناتے جبکہ مروان اس وقت مقتدر شخص نہیں تھے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ زہر خورانی کی کوشش حضرت معاویہ کی طرف سے ہونا اور حضرت مروان کا اس میں آلۂ کار ہونا سراسر من گھڑت کہانی ہے۔

اس سارے ہنگامے کی بنیاد حضرت حسن کی وصیت بتائی جاتی ہے کہ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے روضۂ نبوی میں دفن کیا جائے۔ اسی وصیت کی تکمیل کے موقع پر مروان اور دیگر بنوامیہ نے مزاحمت کی اور جنازے پر تیر برسائے، ادھر حضرت عائشہ خچر پر سوار ہوکر تشریف لائیں کہ تدفین روضۂ نبوی میں ہرگز نہیں ہوگی۔ (حضرت عائشہ روضۂ نبوی سے دور کہاں تھیں کہ انھیں خچر پر سوار ہوکر آنا پڑے) سوال یہ ہے کہ اموی گورنر جس کی نماز جنازہ پڑھاتا ہے اسی جنازے پر بنوامیہ تیر اندازی کیسے کر سکتے ہیں۔

روضہ نبوی میں دفن کی وصیت بھی من گھڑت کہانی ہے۔ روایت ہے کہ وفات سے کچھ قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ زہرا سے فرمایا تھا کہ تم سب سے پہلے مجھ سے ملوگی۔ حضرت سیدہ چاہتیں تو اسی وقت آپ سے روضۂ نبوی میں اپنی تدفین کی اجازت لے لیتیں اور حضرت عائشہ بھی اجازت دے دیتیں۔ لیکن اس وقت ایسی کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ حضرت سیدہ کی وفات کے بعد خلیفۂ رسول بلا فصل یعنی حضرت صدیق اکبر نے نماز جنازہ پڑھائی۔ سارے ہی اکابر صحابہ اس موقع پر موجود تھے۔ اس وقت کسی کے ذہن میں روضۂ نبوی میں تدفین کا خیال نہیں آیا۔ روضۂ نبوی میں صرف حضرات ابوبکر وعمر کی تدفین ہوئی۔ حضرت عمر کے بعد روضۂ نبوی میں تدفین ہوسکتی تھی تو حضرت عباس بن عبدالمطلب کی جو آپ کے عم محترم ہونے کی وجہ سے سارے اکابر و اصاغر صحابہ میں نہایت معزز و محترم تھے۔ لیکن نہ حضرت عباس نے اس کی وصیت فرمائی اور نہ بنی ہاشم میں سے کسی کو روضۂ نبوی میں تدفین کا خیال آیا۔ حضرت عثمان کی شہادت جن حالات میں پیش آئی اس وقت آپ کے لئے ایسی وصیت کا کوئی موقع تھا اور نہ اس کی تعمیل ہوسکتی تھی لیکن اپنے حین حیات بھی حضرت عثمان نے اس خواہش کا اظہار نہیں فرمایا اور نہ حضرت عمر کے بعد آپ کم از کم خواہش تو ظاہر فرما سکتے تھے۔ حضرت علی کوفہ میں شہید کئے گئے اور وہیں تدفین عمل میں آئی اور آپ نے بھی اپنے حین حیات روضۂ نبوی میں تدفین کی خواہش کا اظہار نہیں فرمایا۔ ان سب حالات کو دیکھتے ہوئے حضرت حسن کیسے ایسی وصیت فرما سکتے ہیں؟

مشہور شیعہ عالم ملا محمد باقر مجلسی نے اپنی کتاب ''جلاء العیون'' میں حضرت محمد الباقر کی روایت بیان کی ہے کہ حضرت حسن نے اپنی وفات کے وقت حضرت حسین کو وصیت فرمائی کہ مجھے میری والدہ کے پہلو میں (قبرستان بقیع) میں دفن کرنا۔ ان ساری روایات پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوگا کہ زہر خورانی اور تدفین میں مزاحمت کے سارے قصے من گھڑت ہیں۔ حضرت معاویہ، حضرت یزید، سیدہ جعدہ بنت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشعث اور حضرت مروان پر سارے الزامات بے بنیاد ہیں۔

مشہور ہے کہ حضرت معاویہ کی وفات کے بعد جناب یزید نے حاکم مدینہ حضرت ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو تاکیدی خط لکھا کہ جلد سے جلد حسین اور ابن زبیر سے بیعت لو۔ ولید نے حضرت حسین کو بلایا، اس وقت حضرت مروان بھی موجود تھے۔ ولید نے حضرت معاویہ کی وفات کی خبر دی تو حضرت حسین نے ''اناللہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا۔ حضرت حسین کے ''اناللہ'' پڑھنے کی بات فریقین (سنی وشیعہ) کے درمیان متفقہ ہے۔ اس سے حضرت حسین کے حضرت معاویہ سے تعلق خاطر کا اظہار ہوتا ہے۔ ولید نے بیعت کی بات رکھی تو حضرت حسین نے ٹال دیا۔ اس پر مروان نے کہا کہ ان سے بیعت لئے بغیر نہ چھوڑو، اور بیعت نہ کریں تو فوراً قتل کردو۔ اس پر حضرت حسین سخت برہم ہوگئے اور دونوں میں تلخ کلامی ہوئی بات بڑھتی گئی لیکن ولید نے بیچ میں پڑکر جھگڑے کو ختم کردیا۔

اس قصے کی اور بھی تفصیلات ہیں۔ بات صرف اتنی معلوم ہوتی ہے کہ جناب مروان نے اس وقت کچھ اصرار کیا ہوگا کہ آپ بیعت فرمالیں تاکہ آئندہ کوئی پیچیدگی پیدا نہ ہو۔ حضرت حسین اس پر راضی نہیں تھے ہوسکتا ہے اس اختلاف رائے کی وجہ سے دونوں بزرگوں میں تکرار ہوگئی ہو۔ لیکن حضرت حسین کا چھوٹتے ہی حضرت مروان کو''اے ولدالزنا! اے زانیہ کے بچے!'' کے الفاظ سے مخاطب کرنا اور حضرت مروان کا حضرت حسین کو قتل کرنے کا مشورہ دینا، ان بزرگوں کے قطعاً شایان شان نہیں۔ یہ سب من گھڑت اضافے ہیں۔

حضرت مروان کو حضرت حسین سے اس قدر دشمنی ہوتی اور ان بزرگوں میں ایسی باہمی عداوت ہوتی تو حضرت حسین کے صاحبزادے حضرت علی بن حسین زین العابدین ان سے حدیث کیوں روایت کرتے۔ اس کے علاوہ البدایۃ والنہایہ ، جلد ۸ میں ہے کہ جب حضرت حسین بقصد کوفہ مکے سے نکلے تو حضرت مروان نے امیر کوفہ عبیداللہ بن زیاد کو یہ خط لکھا۔

اما بعد! فان الحسين ابن على قد توجه اليک وهو الحسين ابن فاطمه، وفاطمه بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم، وتا الله ما احد، يسلمه الله، احب الينا من الحسين فاياک ان تهيج على نفسک مالا يسده شئى ولا تنساه العامة ولا تدع ذكره آخر الدهر۔

(ترجمہ) حسین بن علی تمہاری طرف چل پڑے ہیں، وہ حسین فاطمہ کے بیٹے اور فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں۔ اللہ کی قسم، اللہ انھیں سلامت رکھے، کوئی شخص ہمارے نزدیک حسین سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ خبردار، تم نفس کے ہیجان میں ایسی حرکت نہ کر بیٹھو کہ جس کی روک تھام نہ ہوسکے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگ اسے بُھلا نہ سکیں اور قیامت تک اس کا تذکرہ ہوتا رہے۔

اس خط کو نہ صرف علامہ ابن کثیر نے نقل کیا ہے بلکہ ''ناسخ التواریخ'' کے غالی شیعہ مورخ کاشانی نے بھی نقل کیا ہے۔

اہل بیت رسول سے تعلق :- بنو ہاشم اور بنو امیہ کے باہمی خلوص و محبت، مصاہرت ومناکحت کے اتنے واقعات ہیں کہ اس پر مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ فی الوقت حضرت مروان کے اہل بیت رسول سے جو تعلقات تھے ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

البدایة والنهایه میں علامہ ابن کثیر نے حضرت جعفر صادق کا قول نقل کیا ہے جس کو انھوں نے اپنے والد بزرگوار حضرت باقر سے روایت کیا کہ حضرات حسن وحسین، حضرت مروان کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔ شیعہ عالم محمد بن محمد بن الاشعث کوفی نے حضرت جعفر صادق سے نقل کیا کہ جب ام کلثوم بنت علی کا انتقال ہوا تو مروان امیر مدینہ تھے۔ حضرت حسین نے مروان کو نماز جنازہ پڑھانے کے لئے بڑھایا۔

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت علی بن حسین کے حضرت مروان اور آپ کے فرزند عبدالملک سے گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ حضرت مروان نے ایک بار ایک خطیر رقم حضرت علی بن حسین کو بطور قرضہ حسنہ دی جس کو بعد میں وہ ادا نہ کر سکے۔ حضرت مروان نے وفات کے وقت اپنے فرزندوں کو تاکید کی کہ ان سے رقم وصول نہ کریں۔

مختار بن عبید ثقفی نے حضرت زین العابدین کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے ایک خطیر رقم بطور نذرانہ بھیجی۔ آپ نے اس رقم کو ناگواری کے ساتھ لے لیا اور خلیفۂ وقت عبدالملک بن مروان کو لکھا کہ مختار نے یہ رقم بھیجی ہے میں نے اس کو واپس نہیں کیا، میں اس کو قبول کرنا بھی پسند نہیں کرتا، آپ کسی کو بھیج کر یہ رقم منگوالیں، عبدالملک نے جواب دیا کہ اے ابن عم! آپ اس کو میری طرف سے قبول فرمالیں۔ تب آپ نے اس رقم کو قبول کرلیا۔

بنو اُمیہ کے مخالفین نے جہاں بنو اُمیہ کو بدنام اور رسوا کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا وہیں جواب الجواب کے طور پر بنو ہاشم نے اپنی لڑکیاں بنو اُمیہ میں بیاہ دے کر ثابت کردیا کہ دینی اور دنیاوی شرف میں کوئی خاندان بنو ہاشم کا ہمسر ہوسکتا ہے تو وہ صرف بنو اُمیہ ہی کا خاندان ہے۔ فی الوقت یہاں حضرت علی کے خاندان کے ان رشتہ داریوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو خاص طور پر حضرت مروان کے خاندان سے قائم ہوئے ہیں۔

(۱) حضرت علی کی دو صاحبزادیاں حضرت مروان کے دو فرزندوں عبدالملک اور معاویہ سے بیاہی گئیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) حضرت حسن کی پوتی سیدہ نفیسہ بنت زید بن حسن کا عقد امیر المومنین ولید بن عبدالملک بن مروان سے ہوا۔ یہ زید بن حسن، امیر المومنین عبدالملک کے پاس جاتے تو وہ ان کا بڑا اکرام کرتے اور اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتے تھے۔ ایک بار تیس ہزار اشرفیاں تحفۃً دیں۔ اِن سیدہ نفیسہ کی والدہ سیدہ لبابہ بنت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب تھیں۔ اس طرح سیدہ نفیسہ طرفین سے ہاشمی تھیں۔ ولید ہی کے گھر میں وفات پائیں۔

(۳) حضرت حسن کی دوسری پوتی یعنی سیدہ زینب بنت حسن مثنیٰ بن حسن بھی امیر المومنین ولید بن عبدالملک بن مروان کے عقد میں آئیں۔ سیدہ زینب کی والدہ سیدہ فاطمہ بنت حسین تھیں۔ اس طرح سیدہ زینب نہ صرف طرفین سے ہاشمی تھیں بلکہ حسنی اور حسینی بھی تھیں۔

(۴) حضرت حسن کی ایک پوتی سیدہ خدیجہ بنت حسین بن حسن، حضرت مروان کے بھائی الحارث بن حکم کے پوتے اسمٰعیل بن عبدالملک بن حارث کے حبالہ عقد میں تھیں جن سے چار فرزند پیدا ہوئے۔ سیدہ خدیجہ کے انتقال کے بعد ان کی چچازاد بہن سیدہ حمادہ بنت حسن مثنیٰ بن حسن بھی اسمٰعیل بن عبدالملک کے نکاح میں آئیں جن سے تین فرزند پیدا ہوئے۔

(۵) حضرت علی کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیار کی پوتی سیدہ رملہ بنت محمد بن جعفر بن ابی طالب سلیمان بن ھشام بن عبدالملک بن مروان کی زوجہ تھیں۔

(۶) حضرت حسین کی صاحبزادی سیدہ سکینہ بنت حسین اپنے شوہر حضرت مصعب بن زبیر کے شہید ہو جانے کے بعد حضرت مروان کے پوتے الاصبغ بن عبدالعزیز بن مروان کے عقد میں آئیں جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حقیقی بھائی تھے۔ ان کی والدہ سیدہ ام عاصم، حضرت عمر فاروق کی پوتی، حضرت عاصم بن عمر کی صاحبزادی تھیں۔ سیدہ ام عاصم کی بہن سیدہ ام مسکیں امیر المومنین یزید بن معاویہ کی زوجہ تھیں۔ جناب یزید کی صاحبزادی ام یزید بھی الاصبغ بن عبدالعزیز کی زوجہ تھیں۔ اس طرح سیدہ سکینہ بنت حسین اور سیدہ ام یزید بیک وقت جناب الاصبغ کے عقد میں تھیں۔

(۷) حضرت حسین کی نواسی یعنی سیدہ ربیحہ بنت سکینہ بنت حسین کا عقد امیر المومنین عبدالملک بن مروان کے پوتے یعنی عباس بن ولید بن عبدالملک بن مروان سے ہوا۔

(۸) حضرت حسن و حسین کی حقیقی بہن سیدہ زینب بنت علی کے صاحبزادے علی بن عبداللہ بن جعفر طیار تاریخ میں ''علی الزینبی'' کہلاتے ہیں۔ ان کی پوتی یعنی سیدہ ربیحہ بنت محمد بن علی الزینبی، امیر المومنین یزید بن عبدالملک بن مروان (جو یزید ثانی کہلاتے ہیں اور امیر المومنین یزید بن معاویہ کے نواسے تھے) کی زوجہ تھیں۔ یزید ثانی کے انتقال کے بعد ان کے بھائی بکار بن عبدالملک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے نکاح میں آئیں۔

غرض یہ صرف حضرت علی کے خاندان سے حضرت مروان کے خاندان کا تذکرہ ہے جس سے معلوم ہوگا کہ ان دونوں خاندانوں میں مناکحت و مصاہرت کا کیسا گہرا تعلق ہے۔ اس تعلق کے پیش نظر یہ فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے حضرات حسن و حسین سے حضرت مروان کی دشمنی کی داستانیں کس قدر فضول اور من گھڑت کہانیاں ہیں۔ اس موقعہ پر حضرت علی کا ایک ارشاد پیش کرنا نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے۔

بلوائیوں نے جب حضرت عثمان پر اعتراضات کیے تو حضرت علی نے بھرپور اور معقول جوابات دیئے اور آخر میں آپ نے فرمایا:

اللہ کی قسم اگر میرے ہاتھ میں جنت کی کنجی ہو تو سب بنی اُمیہ کو اس میں داخل کر دوں (البدایہ والنہایہ ج ۷) رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حیدر آباد کے ایک شیعہ عالم مولانا سید فیض حسین صاحب جو کئی کتب کے مصنف ہیں، اپنی کتاب "ضیاء العین فی تاریخ الحسین" میں ایک روایت کا ذکر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ حکم کی اولاد آپ کے منبر پر بندروں کی طرح کود پھاند کر رہی ہے اور اس روایت کے راوی حضرت ابوہریرہ کا بیان نقل کیا ہے کہ اس خواب کے بعد آپ تادم زیست رنجیدہ رہے کسی نے آپ کو مسکراتے نہیں دیکھا۔ اس حدیث کو ابویعلیٰ اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ آگے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا بیان لکھا ہے کہ (آپ کی تسلی کے لئے) سورۂ کوثر اور سورۂ قدر نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، یعنی ان ہزار مہینوں سے جن میں بنوامیہ کی حکومت رہے گی، پھر ایک صاحب قاسم بن فضل کا بیان نقل کرتے ہیں کہ بنی اُمیہ کی سلطنت برابر ایک ہزار مہینے رہی نہ ایک دن کم اور نہ ایک دن زیادہ۔ (صفحہ ۳۶۰، ۳۶۱)

مولانا فیض حسین صاحب نے اس بات پر غور نہیں فرمایا کہ سورۂ کوثر اور سورۂ قدر مکی سورتیں ہیں یعنی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر ہی کہاں تھا کہ آپ یہ خواب دیکھتے۔ کیا یہ کسی صاحب عقل و ہوش کے لئے قابل تسلیم بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خواہ مخواہ آپ کو غمگین کرنے کے لئے یہ خواب دکھایا، پھر تسلیؔ کے لئے دو سورتیں نازل کیں اس کے باوجود آپ کی غمگینی میں کوئی کمی نہ آئی اور آپ کو وفات تک کسی نے خوش اور مسکراتے نہیں دیکھا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس ذہنی اذیت میں کیوں مبتلا کیا جبکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ اللہ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی اور خوش ہو جائیں گے۔ (سورہ والضحیٰ آیت نمبر ۵)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے'' (سورہ قدر آیت نمبر ۳) ان ہزار مہینوں سے مراد حکومت بنی اُمیہ کے ہزار مہینے ہیں۔ ان دونوں باتوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر یہ مانا جائے کہ حکومت بنو اُمیہ کے ہزار مہینے آپ کے لئے غمگینی اور اذیت کا باعث ہیں اور آپ کو شب قدر ان ہزار مہینوں سے اچھی ملی ہے تو آیت میں ''خیر'' کی بجائے ''بدل'' کا لفظ ہوتا یعنی ایک تکلیف دہ چیز کے بدلے ایک اچھی چیز آپ کو دی گئی اور اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی اپنے رسول پر مہربانی کیا ہوئی کہ ایک تکلیف دہ چیز دی اور اس کے بدلے ایک اچھی چیز دی بات ختم ہوگئی۔ اگر یہ مانا جائے کہ بنو اُمیہ کی حکومت کے ہزار مہینے اچھے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے مزید انعام کے طور پر شب قدر بھی عطا فرمادی تو واقعی یہ انعام پر انعام ہوگا اور آیت میں ''خیر'' اپنے پورے صحیح مفہوم کے ساتھ نمایاں ہوگا۔ خیر کے مفہوم کو یوں سمجھا جاسکتا ہے جیسے کوئی کہے ''زَیْدٌ خَیْرٌ مِنْ حِمَارٍ'' زید گدھے سے اچھا ہے تو یہ زید کی کیا تعریف و مدح ہوئی؟ اس طرح بنو اُمیہ کی حکومت کے ہزار مہینے تکلیف کا باعث تھے اور ان سے اچھی شب قدر ہے تو یہ شب قدر کی کیا تعریف و مدح ہوئی اور رسول پر کیا انعام ہوا؟ زَیْدٌ ''خَیْرٌ'' مِنْ بَکْرٍ زید بکر سے اچھا ہے تو اس صورت میں یہ زید کی تعریف و مدح ہے کہ بکر تو اچھا ہے ہی لیکن زید اس سے اچھا ہے۔ اس طرح شب قدر بنو اُمیہ کی حکومت سے اچھی ہے تو صاف مطلب یہی ہوا کہ بنو امیہ کی حکومت کے ہزار مہینے تو اچھے ہیں ہی لیکن مزید انعام کے طور پر آپ کو شب قدر عطا کی گئی جو ان ہزار مہینوں سے اچھی ہے۔ غرض آیت میں ''خیر'' کے لفظ پر غور کرنے اور ہزار مہینوں سے حکومت بنو اُمیہ کے ہزار مہینے مراد لینے کے بعد یہ ماننے بغیر چارہ نہیں رہتا کہ حضرت معاویہ کے عہد سے لے کر زوال عہد بنو اُمیہ تک کے ہزار مہینے بقیہ ادوار سے افضل اور بہتر قرار پاتے ہیں۔ اس بات کی مزید تائید سورۃ الضحیٰ کی آیت نمبر ۵ بھی کرتی ہے۔

جب قرآن مجید سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے تو بنو اُمیہ (بشمول بنو حکم) کی حکومت کے ہزار مہینے بقیہ ادوار سے افضل و بہتر ہیں تو خود بخود خواب کی روایت کہ حکم کی اولاد بندروں کی طرح منبر رسول پر ناچ رہی ہے اور آپ کا اس خواب کی بناء پر تاعمر غمگین رہنا، کسی صاحب عقل و ہوش کے لئے قابل قبول نہیں رہتا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیان بن حرب

رضی اللہ عنہما

گذشتہ صفحات میں حضرت معاویہ اور آپ کے والدین یعنی حضرت ابوسفیان بن حرب اور والدہ سیدہ ھند بنت عتبہ بن ربیعہ کا تفصیلی ذکر گذر چکا ہے۔ اس لئے بظاہر اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ پھر اس کو دُہرایا جائے۔ لیکن دُہرایا اس لئے جا رہا ہے کہ آپ کی سیرت کے بعض گوشے ایسے ہیں جن کو مزید نکھار کر پیش کرنا ضروری ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت اس لحاظ سے بالکل اہم اور منفرد ہے کہ آپ کی ذات، آپ کی سیرت و کردار اور آپ کے بحیثیت امیر المومنین کئے گئے اقدامات کے بارے میں ذرا سی بھی تشنگی رہ جائے تو اسلام کی صحیح تاریخ سامنے نہیں آتی۔ آپ کے بارے میں ذرا سی بھی غلط فہمی دل و دماغ میں رہ جائے تو پھر گرہیں کھلنے لگتی ہیں اور ایک ایک کر کے سب ہی صحابہ کے بارے میں ذہن پراگندہ ہونے لگتا ہے اور جب صحابہ کرام کے بارے میں ذہن پراگندہ ہونے لگے تو اسلام کی حقانیت و صداقت سوالیہ نشان بن جاتی ہے۔ یہی چیز بدخواہان اسلام کا مقصود ہے۔ اس لئے تاریخ اسلام میں زیادہ تر آپ ہی کی ذات کو ہدف بنایا گیا ہے۔ شیعہ مورخین اور علماء نے جو کچھ آپ کے بارے میں لکھا ہے اس سے بہت سارے اہل سنت بھی متاثر ہیں۔ اس لئے اہل سنت کے نزدیک آپ کا وہ احترام نہیں ہے جو ایک بلند مرتبہ صحابی اور ''خال المومنین'' کا ہونا چاہئے۔ اب آیئے ان چند گوشوں پر نظر ڈالیں۔

آپ کی والدہ محترمہ ھند بنت عتبہ کے بارے میں گذشتہ اوراق میں گذرا ہے کہ ان پر فحاشی اور بے حیائی کا الزام ہے۔ اہل سنت علماء نے اسکی تائید نہیں کی تو تردید بھی نہیں کی۔ ایک شیعہ عالم سید نجم الحسن کراردی نے اپنی کتاب ''چودہ ستارے'' کے صفحہ ۲۰۶ پر لکھا ہے کہ ''ابوسفیان، عمارہ بن ولید، مسافر بن ابی عمرو بن امیہ اور عباس بن عبد المطلب سے ھند کے تعلقات تھے، اور عام طور پر لوگ معاویہ کو مسافر کا بیٹا قرار دیتے تھے، ھند کے باپ نے مال کثیر لے کر ھند کو ابوسفیان کے حوالے کر دیا، اور اس نکاح کے تین ماہ بعد معاویہ کی ولادت ہوئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نسب کے بارے شیعہ حضرات کی جو تحقیق ہے وہ پیش کی جائے تو مضمون غیر ضروری طور پر طویل ہو جائے گا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے نسب کا ذکر تو زیر نظر کتاب کے اوائل میں موجود ہے۔ سارے مباحث سے قطع نظر صرف یہ دیکھا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان اور ھند کی دختر ''ام حبیبہ'' کو اور حضرت عمر فاروق کی دختر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"حفصہ" کو اپنی زوجیت میں لے کر "ام المومنین" بنادیا اور حضرت عثمان کے عقد نکاح میں اپنی دو صاحبزادیوں کو یکے بعد دیگرے دے کر حضرت عثمان کو اپنا دُہرا داماد بنالیا تو اس کے بعد ان حضرات کے نسبوں پر اُنگلی اٹھانے کی گنجائش باقی نہیں رہتی اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر حقیقت حال کو جاننے والا اور کون ہوسکتا تھا۔ بالفرض باقتضاء بشریت اس بارے میں آپ سے چوک ہوتی تو اللہ تعالیٰ آپ کو مطلع فرما کر ان خواتین کے نکاح سے روک دیتا۔ اللہ تعالیٰ کے پاس یہ اُصول ہے کہ ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لئے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے ہیں۔ (سورہ نور آیت ۲۶)۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت ابوسفیان کے انساب بالکل پاک ہیں اس میں شک کرنا اپنے ایمان کو معرض خطر میں ڈالنا ہے۔

یوں تو حضرت معاویہ پر بہت سارے الزامات عائد کئے گئے ہیں جن کا کچھ تذکرہ گزشتہ مضامین میں آیا ہے۔ محقق علماء نے بھی ان کے معقول اور مدلل جوابات دیئے ہیں اور اس عنوان پر کئی کتابیں بازار میں دستیاب ہیں۔ ان سارے الزامات میں "استلحاقِ زیاد" اور "حجر بن عدی کے قتل" کے واقعہ کو معترضین نے بڑی اہمیت دی ہے۔ ان دونوں عنوانات پر موافق و مخالف کافی خامہ فرسائی ہوئی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میرے اپنے مطالعہ میں جو باتیں آئی ہیں اور ان سے میں نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ ناظرین کے سامنے رکھوں۔

استلحاقِ زیاد

میرے سامنے ایک کتاب بنام "خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ" از جناب ملک غلام علی صاحب، ہے اس کتاب میں موصوف نے کافی مواد جمع کردیا ہے اور بڑے محققانہ انداز میں تجزیہ پیش کیا ہے۔ میں اسی کتاب کو سامنے رکھ کر اپنی بحث پیش کرتا ہوں۔

زیر نظر کتاب میں "امیر زیاد بن ابی سفیان" کے بیان میں زیاد کے نسب کے بارے میں کچھ تفصیل دی گئی ہے۔ البتہ وہاں ایک بات جو بخوف طوالت حذف کردی گئی تھی وہ یہ تھی کہ مسروح کے انتقال کے بعد سمیہ نے ایک اور غلام ابوعبید سے نکاح کرلیا تھا اور اسی زمانے میں زیاد کی ولادت ہوئی تھی۔ ملک غلام علی صاحب لکھتے ہیں کہ "ابوسفیان نے شراب پینے کے بعد ابومریم سے کوئی رنڈی لانے کا مطالبہ کیا۔ وہ لے آیا۔ انھوں نے اس سے مباشرت کی اور زیاد پیدا ہوا (صفحہ ۱۵۷)۔ ملک صاحب نے "بغی" (طوائف، رنڈی) کی صراحت فرمائی ہے کہ وہ عورت جس کا کوئی متعین شوہر نہیں ہوتا بلکہ وہ غیر محدود تعداد میں بہت سے مردوں سے تعلق رکھتی ہے اور بچہ پیدا ہونے کے بعد قیافہ شناس کے ذریعہ بچہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے باپ کا تعین ہوتا اور بچہ اسی سے منسوب ہو جاتا ہے۔(صفحہ ۱۵۲، بصراحت، ''نکاح کی چوتھی شکل'') لیکن ملک صاحب نے یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ وہ رنڈی جس کو ابو مریم (شراب فروش) لایا تھا، سمیّہ ہی تھی اور جب وہ رنڈی تھی تو یہ وضاحت بھی نہیں کی کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد اس نے اپنے دیگر شناساؤں کے ساتھ ابوسفیان کو بھی بلایا تھا اور قیافہ شناس نے بچہ کو ابوسفیان سے منسوب کر دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعۃً ایسا کچھ نہیں ہوا۔ بالفرض قیافہ شناس کے ذریعہ نومولود کو ابوسفیان کی طرف منسوب کر دیا جاتا تو پھر جاہلی طریقے کے مطابق زیاد کی ابوسفیان کی فرزندی مشہور عام بات ہوتی۔ بعد میں زیاد یا حضرت معاویہ کو تحقیقات کرنے اور گواہیاں لینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اگر یہ مانا جائے کہ وہ ابو عبید کی عورت تھی تو بہر حال یہ تو ناممکن ہے ایک ہی وقت کی مباشرت میں حمل قائم ہو کر نمایاں ہو جائے۔ ماننا پڑے گا کئی بار ایسا ہوا ہوگا۔ اب کیا یہ ممکن ہے کہ ابو عبید ایسا بے حس، بے غیرت اور دیوث تھا کہ اس کی عورت کو ایک شراب فروش بار بار اٹھا کر لے جاتا اور ایک نشہ میں دُھت شخص کے حوالے کرتا ہے اور جب وہ حاملہ ہو کر بچہ جنتی ہے تو ابو عبید ٹھاٹ سے بچہ کا نام زیاد بن عبید رکھ کر اس کی پرورش کرتا ہے کہ یہ بچہ میرے بستر پر پیدا ہوا ہے؟ ان سب امور کو سامنے رکھنے کے بعد جو صورت حال سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ سمیّہ عبید کی مطلقہ تھی۔ جاہلی دور میں عورتوں کو طلاق دینے کی جو تکلیف دہ صورت رائج تھی وہ یہ تھی طلاق دینے کے بعد پھر رجوع کرتے اور پھر طلاق دیتے تھے۔ اور اس کی کوئی حد مقرر نہیں تھی۔ شائد عبید نے سمیہ کو اسی قسم کی طلاق دے رکھی تھی کہ نہ تو وہ پوری طرح آزاد رہے اور نہ اس کے نکاح میں رہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایسے ہی ایک موقعہ پر ابوسفیان نے سمیہ سے ربط پیدا کیا تھا۔ جو ''متعہ'' یا جاہلی دور کے مخصوص مدت کے لئے نکاح کی ایک صورت تھی جس کو بعد میں اسلام میں حرام قرار دیا گیا تھا۔ اس صورت کو ملک غلام علی صاحب نے جاہلی دور کے نکاح کی دوسری صورت کے طور پر بیان فرمایا ہے (صفحہ ۱۵۲) یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سمیّہ نے عبید سے پوری طرح طلاق حاصل کر کے ابوسفیان سے میعادی نکاح کر لیا ہو۔ بہر حال کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ ابوسفیان کو خاص طور پر زیاد کی فرزندی کے اعلان کی ضرورت نہیں پڑی۔ اگر زیاد کی فرزندی کا کوئی قضیہ ہوتا جیسے ملک صاحب نے حضرت سعد اور حضرت عبد بن زمعہ کے بچہ کے بارے میں قضیہ کا ذکر فرمایا ہے، تو ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ قضیہ پیش ہو کر اس کا فیصلہ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زیاد کی ابوسفیان کی فرزندی غیر متنازعہ تھی۔ کوئی اور اس کے دعویدار نہیں تھے۔ اب رہا یہ سوال کہ ابوسفیان نے حضرت عمر کی مجلس میں مخفی طور پر اپنے احباب سے کیوں کہا کہ یہ میرا ہی بیٹا ہے۔ تو اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں ایک تو یہ کہ حضرت عمر نکاح متعہ کی حرمت کو سختی سے نافذ فرماتے تھے اس لئے انھوں نے مناسب نہ سمجھا ہو کہ اس موقعہ پر علی الاعلان زیاد کو اپنا بیٹا کہیں۔ دوسرے یہ کہ ابوسفیان فطرتاً فخر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پسند آدمی تھے انھوں نے اس موقعہ پر احباب سے فخریہ کہا ہوگا کہ "کیوں نہ ہو آخر یہ میرا بیٹا ہی تو ہے"۔ اگر یہ کوئی نیا انکشاف ہوتا تو ان کے احباب میں سے کوئی اسی وقت اُٹھ کر حضرت عمر سے کہتا کہ یہ لڑکا اصلاً قریشی ہی ہے۔ ابوسفیان اس کو اپنا بیٹا کہہ رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان کا اس وقت بیان کوئی نیا انکشاف یا اپنی سابقہ کسی "سیاہ کاری" کا مخفی اعتراف نہیں تھا بلکہ صرف اظہار فخر تھا۔ زیاد اور حضرت معاویہ نے بعد میں جو تحقیقات کیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اسی نقطہ پر مرکوز تھیں کہ ابوسفیان کا سمیہ سے تعلق اس زنا کا تو نہیں ہے جس کی بنا پر نسب قائم نہیں ہوتا۔ چالیس سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد بھی جو گواہیاں فراہم ہوئیں اس میں یہ بات بالکل واضح تھی کہ زیاد صحیح طور پر ابوسفیان ہی کے فرزند تھے۔ حضرت معاویہ کو گواہیاں لینے اور تحقیقات کرنے کی ضرورت بھی اس لئے پیش آئی کہ جیسا کہ اوپر گذرا ہے کہ حضرت علی کی شہادت کے بعد سبائیوں کی طرف سے زیاد پر مظالم کیے گئے، غبن کا الزام لگا کر مقید کیا گیا تو ساتھ ہی زیاد کے نسب میں کیڑے نکالنے سے وہ کیسے چوکتے۔ سبائیوں کی فطرت میں یہ داخل ہے کہ وہ سب سے پہلے نسب پر حملہ کرتے ہیں اور بڑی بڑی شخصیتوں کے نسب کو مجروح قرار دیتے ہیں۔ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت معاویہ جیسے اکابر کو انھوں نے نہیں بخشا تو بے چارے زیاد کو حرامی اور ولدالزنا قرار دیئے بغیر کیسے چھوڑتے۔

ملک غلام علی صاحب نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی مشہور تصنیف "تحفہ اثناعشریہ" کا بھی کچھ حصہ اپنی کتاب میں نقل کیا ہے (صفحہ ۱۵۷) شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ عامل مردود وحرامی زیاد ہے جو ملک فارس وشیراز کا صوبہ دار تھا اور وہ بے حیا اپنے حرامی ہونے پر فخر کرتا تھا۔ پُکار پُکار کر کہتا تھا اور اپنی ماں سمیہ نامی چھوکری پر زنا کی گواہی دیتا تھا...... (بحوالہ اثناعشریہ، مترجم نور محمد، صفحہ ۴۸۳ تا ۴۸۴)

ملک صاحب "تحفہ اثناعشریہ" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ کتاب شیعوں کے مطاعن و اعتراضات کا رد کرنے کے بعد اہل سنت کا مسلک واضح کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔ میرے خیال میں ملک صاحب کو اس بارے میں سخت غلط فہمی لاحق ہوئی ہے۔ ملک صاحب ہی کا کیا ہے؟ بہت سے اہل علم "تحفہ اثناعشریہ" کو اہل سنت کے لئے انمول تحفہ سمجھتے ہیں۔ شاہ صاحب نے تحفہ اثناعشریہ میں (۱۲) ابواب قائم کئے اور صراحت فرمائی کہ تیمنا تبرکاً (۱۲) امام کے لحاظ سے (۱۲) ابواب قائم کئے گئے ہیں۔ کتاب کی بسم اللہ ہی میں شاہ صاحب نے سُنیت کی کمر توڑ دی تو اب اس سے کیا شیعت کا رد اور کیا اہل سنت کے مسلک کی وضاحت ہوسکتی ہے؟ تبرائی طرز تحریر جو شیعت کی خاص شناخت ہے پیش کردہ جملے سے بھی ظاہر ہے۔ شاہ صاحب کے والد بزرگوار شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور اہل سنت کے مشہور بزرگ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ شبلی نعمانی مصنف ''الفاروق'' میں کس قدر تشیع تھا اس کو میں نے اپنی کتاب ''شاندار فیصلہ'' میں صفحہ ۱۴۴ پر ثبوت کے ساتھ لکھا ہے۔ میرے پاس تحفہ اثنا عشریہ بنام ''ھدیہ مجیدیہ'' مترجمہ مولانا عبدالمجید خاں، مکتبہ مرکز علم وادب، کراچی ہے۔ شاہ صاحب نے حضرات خلفاء ثلاثہ اور حضرت عائشہ پر مطاعن کا رد کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت معاویہ اور دیگر اصحاب کبار یعنی حضرت طلحہ حضرت زبیر حضرت سعد بن ابی وقاص وغیرہ پر کئے گئے مطاعن پر کوئی توجہ نہیں دی۔ حضرت علی کے نام کے لئے ہر جگہ ''جناب امیر، حضرت امیر'' استعمال فرمایا ہے جو خاص شیعی انداز ہے۔ اب ہم صرف اس حصہ کو دیکھتے ہیں جو آپ نے زیاد کے بارے میں تحریر فرمایا ہے۔ شاہ صاحب کو یہ اعتراف ہے کہ ''حضرت امیر نے اس کو فارس کا والی بنایا اور شہروں کے نظم ونسق اور فساد کے فرد کرنے میں بہترین اور نمایاں تدبیریں اس سے ظہور میں آئیں''۔ شاہ صاحب نے اس بات پر غور نہیں فرمایا کہ ایک شخص مردود، حرامی، بے حیا اور نطفۂ ناتحقیق ہے۔ (ملک صاحب کے پیش کردہ تحفہ اثنا عشریہ میں زیاد کے لئے یہی الفاظ ہیں) اور حضرت علی نے ایسے شخص کو فارس اور شیراز کا والی بنایا اور اس کی اعلیٰ صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا تو کیا یہ حضرت علی پر پوشیدہ طعن نہیں ہے کہ آپ نے اپنی غرض کے لئے ایسے شخص کو اپنا آلۂ کار اور معتمد علیہ بنایا اور اس کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا۔ گویا ''مشکل کشا'' کی یہ بڑی مشکل تھی کہ آپ کے اعوان وانصار میں سب نااہل اور غیر کارکرد تھے اور اس مشکل کشائی کے لئے زیاد جیسے شخص کے سوا آپ کو کوئی نہ ملا۔

شاہ عبدالعزیز محدث ایک موقعہ پر تحریر فرماتے ہیں:-

''مشکل مسئلہ شیعہ کے نزدیک یہ ہے کہ زیاد ولد الزنا تھا اور ولد الزنا ان کے نزدیک نجس العین ہے۔ باوصف اس کے حضرت امیر نے فارس کے لوگوں اور مسلمانوں کے لشکر پر اس کو امیر مقرر فرمایا تھا۔ اس وقت جماعت پانچوں وقت نماز اور جمعہ اور عیدین کی سب حاکم وامیر کے ذمے ہوتی تھی۔ پس یہی ولد الزنا آگے جاتا تھا (امامت کرتا تھا) اور سب کی نماز تباہ کرتا تھا۔ حالانکہ یہ مسئلہ امامیہ کے نزدیک اس بات کے ساتھ خوب تصریح کیا ہوا ہے کہ ولد الزنا کی امامت سے نماز نہیں ہوتی۔ (ہدیۂ مجیدیہ، صفحہ ۶۴۲)

شاہ صاحب نے اس بات پر بھی غور نہیں فرمایا کہ فارس اور شیراز کے مسلمانوں کی نماز پنجگانہ اور جمعہ وعیدین کی تباہی کا کیا صرف زیاد ہی گنہگار رہے جبکہ حضرت علی نے اس مسئلہ کو جانتے ہوئے کہ ولد الزنا کی امامت سے نماز نہیں ہوتی اس کو فارس اور شیراز کے مسلمانوں پر حاکم مقرر فرمایا۔ شاہ صاحب کے اس بیان کے پیش نظر اب تین صورتیں رہ جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ نمازوں کی تباہی کا زیاد گناہ گار ہے تو اس سے زیادہ حضرت علی، نعوذ باللہ گنہگار قرار پاتے ہیں اس لئے کہ نمازوں کی تباہی کے اصل باعث آپ ہی ہیں۔ یا دوسرے یہ کہ حضرت علی نماز کی امامت جیسے اہم معاملہ میں علم دین سے بالکل بے خبر اور ناآشنا ہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب ہی تو ایسے نجس العین شخص کو لوگوں کی نمازوں کا ذمہ دار بنایا جس کی امامت میں نماز نہ ہونے کی بات خوب تصریح سے ثابت ہے۔ تیسرے، یا پھر یہ ماننے بغیر چارہ نہیں ہے کہ زیاد ولد الزنّا اور نجس العین نہیں تھے۔ حضرت علی کے نزدیک ان کی امامت بلاشبہ جائز تھی۔ ہم اوپر کی دو باتوں پر ''حاشا وکلاّ'' کہتے اور سو بار استغفار کرتے ہیں کہ حضرت علی جیسی عظیم شخصیت کے بارے میں کوئی غلط بات تسلیم کریں۔ ہم کسی ایسی بات کو قبول نہیں کرسکتے جس کی بنا پر حضرت علی کی عظمت وجلالت پر کوئی حرف آتا ہو۔ ہمارے نزدیک زیاد حلالی، پاک، مقبول بارگاہ الٰہی اور مسلمانوں کی نمازوں کی امامت کے پورے پورے اہل اسی بنا پر تھے کہ حضرت علی نے ان کو یہ مقام عطا فرمایا تھا۔ زیاد کی امامت شاہ صاحب اور شیعوں کے لئے مشکل مسئلہ ہے تو وہ جانیں اور اللہ جانے، ہمارے لئے تو اس مشکل مسئلہ کی مشکل کشائی خود حضرت علی نے فرمادی ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

حضرت علی کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہم نے ابوبکر کو دنیا کی سربراہی کے لئے اختیار کرلیا۔ جس کی دینی سربراہی (امامتِ نماز) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی تھے۔ (سیر الحلمی، تفصیل کے لئے میری کتاب ''جوامع الکلم پر مزید تحقیق، صفحہ ۳۰، ۳۱ ملاحظہ ہو)۔ اب جبکہ سب کو اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ نے زیاد کو فارس اور شیراز کا والی بنا کر امامتِ نماز کی ذمہ داری عطا فرمائی تو یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے آپ کے نزدیک زیاد ولد الزنّا اور نجس العین نہیں تھے۔ یہ ایک ایسی ٹھوس دلیل ہے کہ اس کے بعد سارے ہی بیانات فضول اور چہ میگوئیاں بے معنی ہوکر رہ جاتی ہیں۔

حجر بن عدی کا قتل

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حجر بن عدی کے قتل کا حکم نافذ کرنے میں حضرت معاویہ نے اپنی روایتی اور مثالی حلم و بردباری کو تھوڑی دیر کے لئے خیر باد کردیا تھا۔ اس قتل کے بارے میں جتنے کچھ مضامین نظر سے گذرے ہیں ان کے مطالعہ کے بعد یہی بات دل میں آتی ہے کہ کاش! حضرت معاویہ اُن کو اور اُن کے ساتھیوں کو قید میں رکھتے تا آنکہ وہ خود اپنے عمل اور اقدامات کے بارے میں کچھ غور کرلیتے یا قید میں ہی ان کی وفات ہوجاتی۔ ایسا ہوتا تو ان کا خون حضرت معاویہ کے دامن پر ایک دھبہ بن کر تاریخ کا ایک حصہ تو نہ بن جاتا۔ اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر اس لئے بھی چارہ نہیں ہے کہ خود حضرت معاویہ کو اس پر ندامت اور پشیمانی تھی۔ ملک غلام علی صاحب نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت معاویہ ''اس قتل پر نادم تھے''۔ انتقال کے وقت حالت غرغرہ میں فرمارہے تھے کہ اے حجر! تیری ملاقات کا دن بہت طویل ہوگا۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت معاویہ سے ضرور درگذر فرمائیگا۔ (صفحہ ۳۱۸)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حجر کے قتل کی پوری روئیداد مختلف کتابوں کے پڑھنے سے یہ سامنے آتی ہے کہ نہ تو ایسا ہوا ہے کہ یہ بے چارے اپنے گھر میں اللہ اللہ کرتے بیٹھے ہوں اور زیاد نے ان کو اور ان کے چند ساتھیوں کو زبردستی پکڑا اور ایک فرضی شکایت نامہ تیار کر کے حضرت معاویہ کے پاس بھیجا اور حضرت معاویہ پہلے ہی سے ان کے قتل کا بہانہ ڈھونڈ رہے تھے یہ شکایت نامہ اور ملزمین پہنچتے ہی ان کو مزید کچھ غور و خوص کئے کہ قتل کرا دیا۔ اور نہ ایسا ہوا کہ حجر ایک باقاعدہ جمیعت لے کر حکومت کے مدمقابل تھے جس کی بنا پر ہنگامہ عظیم برپا ہو رہا تھا اور ان کو قتل کئے بغیر امن و امان قائم کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی اور یہ باقاعدہ حکومت سے برسرِ جنگ تھے، ان کے فتنہ سے عالم اسلام دہل رہا تھا۔ دونوں انتہا پسند پہلو سے صرف نظر کرنے کے بعد یہ بات تو ضرور تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ ان کا کچھ عمل ضرور تھا جس کی بنا پر یہ قانون کی گرفت میں آ گئے تھے۔ زیاد ایسے ہی ان کے خون کے پیاسے تھے تو کسی بہانے انہیں خود قتل کر سکتے تھے۔ میں نے گزشتہ صفحات میں لکھا ہے کہ حضرت معاویہ نے زیاد کو کھلی چھوٹ دے رکھی تھی اہل فساد کی اچھی طرح خبر لیں۔ پھر زیاد نے خود ان کو کیوں قتل نہیں کیا۔ دوسری بات جو حجر کے قتل کے بارے میں کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ اکابر وقت نے ان کو بالکل بے قصور نہیں ٹھہرایا۔ جس قدر ان کے قتل پر احتجاج کیا گیا یا مزاحمت کی گئی وہ صرف ان کے تقدس و تقویٰ اور زہد و عبادت کی بنا پر کی گئی۔ حضرت ام المومنین عائشہ نے جو کچھ بھی اس بارے میں فرمایا ہے اس میں یہ نہیں ملتا کہ حجر بالکل بے قصور ہیں ان پر الزامات لغو ہیں۔ فرمایا کہ ان کے بارے میں حلم و بردباری سے کام لینا چاہئے۔ چنانچہ ام المومنین نے حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ھشام کو یہی پیغام دے کر روانہ فرمایا تھا کہ ''حجر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو!'' اور حضرت عبدالرحمٰن نے بھی حضرت معاویہ سے فرمایا! خدا کی قسم عرب آپ کو اس کے بعد کبھی بھی بردبار اور اہل رائے شمار نہیں کریں گے۔ آپ نے ایسے مسلمانوں کو قتل کر دیا جو آپ کے پاس قیدی بنا کر بھیجے گئے تھے۔

زیاد نے گواہوں کی جو فہرست حضرت معاویہ کے پاس بھیجی تھی اس میں حضرت قاضی شریح بن ہانی کا نام بھی تھا، اس بارے میں ملک غلام علی صاحب نے حضرت قاضی شریح کے دو قول تاریخ طبری اور البدایہ والنہایہ کے حوالے سے لکھے ہیں۔

- ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرا نام گواہوں میں درج کر دیا گیا ہے اور میں نے اس کی تردید کرتے ہوئے زیاد کو ملامت کی ہے''۔ (صفحہ ۲۸۴) گویا قاضی صاحب نے زیاد سے کچھ فرمایا تھا۔ زیاد نے گواہ کے طور پر ان کا نام بھی فہرست میں درج کر دیا۔ یہ بات انھیں پسند نہیں آئی کہ جو بیان انھوں نے گواہی کے طور پر نہیں دیا تھا اس کو کیوں گواہی قرار دیا۔ اس پر انھوں نے زیاد کو ملامت کی۔
- ''مجھے معلوم ہوا کہ زیاد نے حجر کے خلاف میری شہادت بھی درج کر کے بھیجی ہے۔ میری شہادت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ زکوۃ دیتے ہیں۔ ہمیشہ حج وعمرہ کرتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں ،بُرائی سے روکتے ہیں،ان کے خون اور مال پر دست درازی حرام ہے۔

اس قول سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شہادت کے طور پر وہ جو بیان دیتے ہیں وہ صرف زہد و تقویٰ اور دینداری کی گواہی ہے۔ اگر قاضی صاحب یہ صراحت بھی فرما دیتے کہ جو شکایتیں کی گئی ہیں وہ سراسر غلط ہیں تو حجر کی بے گناہی کے لئے بہترین دستاویز ہوتی۔ اس مقدمے میں جو گواہی مطلوب تھی وہ یہ تھی کہ جو شکایتیں پیش ہوئی ہیں آیا وہ صحیح ہیں یا نہیں؟ حجر کے شخصی تقدس اور تقویٰ و صالحیت کے بارے میں کوئی گواہی مطلوب نہیں تھی۔ حضرت قاضی صاحب کا اصل مطلوب گواہی کے بارے میں سکوت اختیار فرمانا یہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ وہ شکایتوں کو غلط قرار دے کر خود کذب کے مرتکب نہیں ہونا چاہتے تھے اور یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ حجر کو کوئی سزا ملے۔ اس لحاظ سے قاضی صاحب کا سکوت اس بات کا غماض ہے کہ جو شکایتیں پیش ہوئی ہیں وہ صحیح ہیں۔ سیدھی سی بات ہے ہر صالح مسلمان کی جان اور مال پر دست درازی حرام ہے اس میں حجر ہی کی کیا خصوصیت ہے؟ قاضی صاحب نے حجر کی سفارش کی ہے کہ ان کے دیگر محاسن کے پیش نظر انہیں کوئی سخت سزا نہ دی جائے۔

ملک صاحب نے ''سیر الصحابہ'' جلد ہفتم کے حوالے سے لکھا ہے کہ معززین کوفہ حضرت حسن کے پاس فریاد لے کر پہنچے آپ بے حد متاثر ہوئے لیکن امیر معاویہ کی بیعت کر چکے تھے اس لئے مجبور تھے (صفحہ ۳۰۴)۔ حضرت معاویہ کی بیعت تو حضرت ام المومنین عائشہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زیاد بن ربیع گورنر خراسان اور حضرت حسن بصری (رضی اللہ عنہم) نے بھی کی تھی، جب ان بزرگوں نے پوری طرح احتجاج کیا اور اپنے غم وغصہ کا اظہار فرمایا تھا تو حضرت حسن صرف بے حد متاثر ہو کر بیعت کر لینے کی بنا پر کیوں مجبور ہو گئے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حجر نے حضرت حسن کے ساتھ جو کچھ گستاخیاں کی تھیں جن کا تذکرہ اس کتاب میں گذر چکا ہے، اس کی بنا پر آپ حجر سے خوش نہیں تھے اور ساتھ ہی ان سے اتنے ناراض بھی نہیں تھے کہ ان کی موت پر بے حد متاثر نہ ہوں۔ حضرت حسین کے جذبات بھی یہی تھے کہ حجر باغی یا مرتد نہیں تھے۔ مسلمان تھے اور معصوم الدم تھے۔ (صفحہ ۳۰۱)

خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں جبکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ کے گورنر تھے ان کی نگرانی میں خلیفہ کے حکم سے حضرت عبداللہ بن زبیر کے صاحبزادہ خبیب کو سخت سزائیں دی گئیں۔ ایک روز مسجد نبوی کے سامنے خُبیب کے سر پر کوڑے لگوائے گئے جب وہ خون میں تر بتر ہو گئے تو نہایت ٹھنڈا پانی ان کے سر پر سے اُنڈیلا گیا جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ اس کے فوری بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کو سخت احساس ہوا، نہایت نادم و پشیمان ہوئے۔ جب کبھی لوگ آپ کے حسنات یاد دلا کر آپ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو جنت کی بشارت سناتے تو فرماتے تھے کہ یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب خبیب راہ میں حائل نہ ہوں۔

مورخین کے نزدیک حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت معاویہ سے زیادہ مقبول و محبوب ہیں جبکہ حضرت معاویہ صحابی ہونے کے ناطے ان سے بدرجہا افضل ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عین مدینہ منورہ کی سرزمین پر مسجد نبوی کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپی زاد بھائی کے بیٹے اور حضرت صدیق اکبر کے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیر کے فرزند خبیب کو اذیتیں دے کر ہلاک کیا، جبکہ سیدھی طریقے سے قتل بھی کیا جا سکتا تھا، بشرطیکہ وہ اسلامی اصول کی رو سے واجب القتل تھے۔ کیا اذیتیں دے کر ایک مسلمان کو ہلاک کرنا دوسرے مسلمان یا اسلامی حاکم کے لئے جائز تھا؟ ملک غلام علی صاحب کو اس موقعہ پر خبیب کے دردناک قتل کا خیال نہیں آیا۔ اس لئے کہ مورخین نے اس قصہ کو حضرت عمر بن عبدالعزیز کی عقیدت میں بھولا بسرا کر دیا تھا۔ حجر کا خاندانِ رسالت سے کوئی تعلق نہیں تھا اور ''مرج عذرا'' مدینہ منورہ کی طرح کوئی مقدس مقام نہیں تھا۔ حجر کو اذیتیں دے دے کر ہلاک نہیں کیا گیا تھا بلکہ قتل کے وقت ان کی وصیت بھی معلوم کی گئی جس میں انھوں نے دو رکعت نماز پڑھنے اور بعد قتل بغیر غسل و کفن کے دفن کرنے کی ہدایت کی تو اس کی تکمیل بھی کی گئی۔ خبیب اور حجر دونوں کے قتل کا موازنہ کرنے کے بعد اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی تاریخ پر تشیع کی کتنی گہری چھاپ ہے کہ ملک غلام علی صاحب جیسے محقق بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے۔ ملک غلام علی صاحب نے مرج عذراء کے مقتولین کی فضیلت میں دو حدیثیں بھی درج کی ہیں۔ حضرت علی کا قول ہے کہ ''اے اہل عراق! تم میں سے سات آدمی عذراء کے مقام پر قتل ہوں گے جن کے قتل ناحق کی مثال اصحاب الاخدود کی سی ہے''۔ حضرت عایشہ کی روایت ہے کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عذراء کے مقام پر کچھ لوگ قتل ہوں گے جس پر اللہ اور آسمان کے فرشتے ناراض ہوں گے۔ (صفحہ ۳۱۶، ۳۱۷)۔ مخفی مباد کہ حدیث کے عربی الفاظ ''یغضب اللہ لھم واھل السماء'' ہیں۔ جس کے معنی ''غضب ناک'' ہونے کے ہیں۔ صرف ناراضگی ہوتی تو عربی لفظ ''یسخط'' آتا۔ بے چارے خبیب کے دردناک قتل پر ایسی کوئی حدیث نہیں ہے! مرج عذراء کے مقتولین میں حجر کے ساتھ وہ عمرو ابن الحمق بھی ہے جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک میں اپنے برچھے سے دیوانہ وار ۹ گھاؤ لگائے تھے۔ شائد وہ بھی اللہ تعالیٰ کو اتنا پیارا ہو گیا تھا کہ اس کے قتل پر اللہ اور آسمان کے فرشتے غضب ناک ہوئے اور اس کا قتل بھی اصحاب الاخدود کے قتل کی طرح ''قتل ناحق'' تھا!

حضرت معاویہ پر عائد کردہ ان دو اہم الزامات کے بارے میں جس حد تک میں حقیقت کو جان سکا ہوں اس کو میں نے پیش کر دیا ہے۔ دوسرے الزامات کے بارے میں علماء و محققین نے کافی خامہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرسائی کی ہے اور یہ کتابیں بآسانی دستیاب ہیں۔ اس لئے ان کو دُہرانے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

ملک غلام علی صاحب کو مرج عذرا کے مقتولین کے فضائل کی حدیثیں ملیں لیکن حضرت معاویہ کے فضائل کی کوئی حدیث انہیں نہیں ملی۔ یہ احادیث ملاحظہ ہوں۔

○ اللهم اجعله هاديا مهديا و اهد به (ترمذی)

اے اللہ معاویہ کو ہادی اور مہدی بنا اور اس کے ذریعہ (لوگوں کو) ہدایت دے

○ اللهم علمه الكتاب و مكن له في البلاد و وقه العذاب (البدایہ والنھایہ، ج ۸)

اے اللہ اس کو کتاب (قرآن مجید) کا علم سکھا۔ شہروں میں اس کو شوکت وقوت کے ساتھ جمادے۔ اور اس کو عذاب سے محفوظ رکھ۔

○ لاتذهب الايام و الليالي حتىٰ يملك معاويه (البدایہ والنھایہ۔ ج ۸)

دن رات کی گردش اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک معاویہ بادشاہ نہ ہو جائیں۔ (گویا معاویہ کا بادشاہ ہونا قطعی اور ناگزیر امر ہے۔

○ يبعث الله معاويه يوم القيامة وعليه رداء من نور الايمان (کنز العمال ج ۶)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن معاویہ کو ایسا اٹھائے گا ان پر ایمان کے نور کی چادر ہوگی۔

○ قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے معافی بن عمران سے پوچھا کہ عمر بن عبدالعزیز اور معاویہ میں کیا نسبت ہے تو معافی سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا، اصحاب رسول پر کسی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا ،معاویہ، صحابی رسول، سسرالی رشتہ دار، معتمد علیہ، اور وحی الٰہی کے امین تھے (یہ بات عمر بن عبدالعزیز کو حاصل نہیں ہے)۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: وہ غبار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں معاویہ کے گھوڑے کی ناک میں گیا ہے وہ عمر بن عبدالعزیز سے ہزار درجے افضل ہے۔ (ماخوذ از تطہیر الجنان)

○ ''(معاویہ کے عہد خلافت میں) دشمن کے ممالک میں جہاد کا سلسلہ جاری تھا۔ اللہ کا کلمہ بلند ہو رہا تھا اور غنیمتیں زمین کے سب گوشوں سے سمٹ کر آپ کے پاس آتی تھیں اور مسلمان آپ کے دور خلافت میں عدل وانصاف اور راحت وآرام سے اپنی زندگی گذارتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ۔ ج ۸)

○ حضرت معاویہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور دوسرے دنیوی مفادات میں جب بھی ٹکراؤ پیدا ہوا میں نے دوسرے تمام مفادات کو ٹھکرا کر اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنے لئے پسند کرلیا۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۸، منہاج السنۃ ج ۲)

○ مزید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا: اے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاویہ! اگر تجھے حکومت ملے تو اللہ سے ڈرنا اور عدل وانصاف سے کام لینا۔ (البدایہ والنہایہ۔ جلد ۸)
(یہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو حکم دیا تھا (سورہ ص آیت ۲۶)
فرمایا مجھے ہمیشہ یہ یقین رہا کہ میں ضرور حکومت کے کاموں میں پڑوں گا حتیٰ کہ میں خلیفہ ہو ہی گیا
(تطہیر الجنان)

○ علامہ ابن حجر مکی نے صراحت فرمائی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت ملنے کی خبر دی اور پھر نیک سلوک اور عفوودرگذر سے کام لینے کی ہدایت فرمائی تو یہ حضرت معاویہ کی خلافت کی صحت پر واضح دلیل ہے۔ اگر آپ زوروقوت اور غلبۂ واستیلاء سے حکومت حاصل کرتے تو کسی بشارت یا نصیحت کے مستحق نہ ہوتے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو حکومت ملنے کی خبر دینا اور نصیحت فرمانا واضح دلیل ہے کہ آپ کی خلافت صحیح ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حسن کی خلافت سے دست برداری کے بعد آپ خلیفۂ برحق اور امام صادق تھے۔ (الصواعق المحرقہ)

○ خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ: معاویہ، صحابہ کے لئے ایک پردہ ہیں۔ اگر کوئی شخص اس پردہ کو ہٹادے تو پردے کے پیچھے والوں (صحابہ کرام) کے خلاف لوگوں کی جُرأتیں بڑھ جائیں گی۔ (تاریخ بغداد، جلد ۱)

ان سارے امور کو سامنے رکھنے کے بعد مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے اس ارشاد کو پڑھیں جس میں انھوں نے حضرت معاویہ کے اپنے فرزند کے لئے بیعت لینے کی دوڑ دھوپ کے بعد کے تذکرے کے بعد فرمایا ہے:-

''اس طرح خلافت راشدہ کے نظام کا آخری اور قطعی طور پر خاتمہ ہوگیا۔ خلافت کی جگہ شاہی خانوادوں (DYNASTIES) نے لے لی اور مسلمانوں کو اس کے بعد سے آج تک پھر اپنی مرضی کی خلافت نصیب نہ ہوسکی۔ حضرت معاویہ کے محامد ومناقب اپنی جگہ پر ہیں۔ ان کا شرف صحابیت بھی واجب الاحترام ہے۔ ان کی یہ خدمت بھی ناقابل انکار ہے کہ انھوں نے پھر سے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے کے تلے جمع کیا اور دنیا میں اسلام کے غلبہ کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع کردیا۔ ان پر جو شخص لعن طعن کرتا ہے وہ بلاشبہ زیادتی کرتا ہے لیکن ان کے غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہوگا۔ اسے صحیح کہنے کے معنیٰ یہ ہونگے کہ ہم اپنے صحیح وغلط کے معیار کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔'' (خلافت وملوکیت، آخری مرحلہ)

اوپر دی گئی احادیث اور اکابر کی آراء کے پیش نظر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مولانا مودودی کی یہ مدح وذم سے خلط ملط تحریر کیا مقام رکھتی ہے۔ مولانا مودودی اس بات کو واضح طور پر فرماتے ہیں کہ صحابیت بہرحال واجب الاحترام ہے لیکن کسی صحابی سے جان بوجھ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق غلط کام کرنے کو اجتہاد نہیں کہا جاسکتا (خلافت وملوکیت، آخری مرحلہ)۔ خلافت وملوکیت میں حضرت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاویہ کی کوئی منقبت نہیں ہے۔ یہ کتاب پڑھنے والا یہی تاثر لیتا ہے کہ انھوں نے اسلام کے محکم احکام کی خلاف ورزی کی، سارے اصول توڑ ڈالے۔ خلافت راشدہ کو ختم کر کے شاہی خانوادوں کو مسلمانوں پر مسلط کر دیا، تو کیسے مانا جائے کہ انہوں نے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے کے تلے جمع کیا اور اسلام کے غلبہ کا دائرہ وسیع کر دیا۔

مولانا مودودی ''یزید کے دور میں'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:۔

''حضرت معاویہ کے عہد میں سیاست کو دین پر بالا رکھنے اور سیاسی اغراض کیلئے شریعت کی حدیں توڑ ڈالنے کی جو ابتدا ہوئی تھی.....''

گویا حضرت معاویہ کے نزدیک دین پس پشت تھا اور سیاست منظور نظر تھی، سیاسی اغراض کے لئے شریعت کی حدیں توڑ ڈالنے میں انہیں کوئی تکلف یا جھجک نہیں تھی تو ایسی صورت میں جس شخص نے اپنی حکومت، اپنے اقتدار، اپنی دولت کی فراوانی اور اپنے خاندان کے مسلمانوں پر تسلط کے لئے سب کچھ کیا اس کے محامد و منقبت اور شرف صحابیت کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے؟۔

غلط کام کو صحیح ماننے سے صحیح و غلط کا معیار خطرے میں پڑ جاتا ہے تو پھر کھل کر ہر غلط کام کو غلط ہی کہیے۔ آپ نے حضرت علی کے اشتر اور محمد بن ابوبکر کے عہدے دینے کو غلط قرار دیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ حضرت علی کا مدینہ سے نکلنا اور بصرہ کا رخ کرنا کیا صحیح کام تھا جبکہ سارے ہی مخلصین نے یہ اصرار کیا تھا کہ آپ مدینہ سے نہ نکلیں ورنہ قیامت تک مدینہ میں خلافت نہ آئے گی۔ جس کے نتیجہ میں نہ آپ کو مدینہ آنا نصیب ہوا اور نہ حج کے لئے مکہ معظمہ جا سکے۔ حضرت معاویہ کی معزولی کا فرمان جاری نہ کرنے کے لئے مخلصین نے اصرار کیا لیکن آپ نے یہ فرمان جاری کر کے ایک مستقل مصیبت مول لی۔ یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت علی نے پورے فتنے کے زمانے میں جس طرح کام کیا وہ ٹھیک ٹھیک ایک خلیفہ راشد کے شایان شان تھا۔ بلاشبہ حضرت علی شخصی طور پر ایک خلیفہ راشد کی صلاحیت رکھتے تھے لیکن آپ کی سیاست پر قاتلان عثمان اور سبائیوں کا غلبہ تھا اور آپ ان کے نرغہ میں مجبور و بے بس تھے۔ کئی اقدامات آپ نے اپنے مخلصین حتیٰ کہ فرزند حضرت حسن کے مشورے کے خلاف کئے ہیں۔ اس لئے کیسے کہا جا سکتا ہے کہ صرف ایک کام کو غلط ماننے کے سوا چارہ نہیں ہے۔

بلاشبہ حضرت معاویہ جلیل القدر صحابی، خلیفۂ راشد، امام وقت اور مجتہد العصر تھے۔ آپ کے عہد خلافت میں بے شمار صحابہ کرام موجود تھے۔ یہ ناممکن ہے کہ اتنے صحابہ کرام کی موجودگی میں حضرت معاویہ اسلام کے محکم اصولوں کو توڑیں، خلافت کا نظم بدل دیں، اپنے خاندان کو امت پر مسلط کر دیں، ظالم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گورنروں کو کھلی چھوٹ دے کر مسلمانوں کی جان و مال کا اتلاف کریں۔ باقتضاء بشریت کچھ لغزش ہوتی تو آپ کو صحابہ کرام ٹوکنے سے تغافل نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ حجر بن عدی کے قتل کے بارے میں گذرا ہے۔

مولانا مودودی حضرت معاویہ کو برسر باطل قرار دینے کے لئے دو باتوں پر بڑا زور دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ جنگ صفین میں حضرت عمار بن یاسر کی شہادت کے بعد یہ واضح ہو گیا تھا کہ حق حضرت علی کے ساتھ ہے اور معاویہ اور اہل شام ''قاتل عمار'' ہونے کی بنا پر باطل پر ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمار کی شہادت کے بعد بھی جنگ جاری رہی اور جو صحابہ کرام اس جنگ سے کنارہ کش تھے وہ کنارکش ہی رہے تو معلوم ہوگا کہ حاضر الوقت اور عینی شاہد صحابہ کرام نے حضرت معاویہ اور اہل شام کو حضرت عمار کا قاتل نہیں سمجھا۔ دوسری بات، حضرت معاویہ نے بزور شمشیر خلافت و حکومت حاصل کی۔ لیکن زیر نظر کتاب کے عنوان ''خلافت'' میں تفصیل سے گذر چکا ہے کہ خلافت و حکومت خود آپ کے پاس آئی اور اسی وقت آپ نے حکومت و اقتدار کو قبول کیا جب آپ کے سوا کوئی اس کو سنبھالنے والا نہ تھا۔ حضرت معاویہ نے لڑکر خلافت حاصل نہیں کی۔ ان کی خلافت ''دی ہوئی خلافت'' تھی۔ ''لی ہوئی خلافت'' نہیں تھی۔

حضرت معاویہ، حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ، یہ چاروں حضرات ہم عمر ہیں اور نبوت سے پانچ سال قبل ان حضرات کی ولادت ہوئی ہے۔ حضرت معاویہ نے رجب ۶۰ھ میں بعمر ۷۸ سال، مختصر سی علالت کے بعد وفات پائی۔ وفات کے وقت جہاں اور وصیتیں کیں ان میں یہ بھی تھی کہ ذاتی مال میں سے آدھا مال بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ (البدایہ ج ۸)

صحابہ کرام، دیگر اکابر امت، محققین اور مورخین نے آپ کی مدح و ثنا میں اتنے کلمات کہے ہیں کہ جمع کئے جائیں تو ایک مستقل کتاب ہو سکتی ہے۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَتَغَمَّدَهُ بِالرَّحْمَةِ وَالرِّضْوَانِ

دیگر قابل مطالعہ کتب

(۱) شاندار فیصلہ .... قیمت (۴۰) روپے

(۲) جوامع الکلم پر نقد و تبصرہ .... قیمت (۲۰) روپے

(۳) جوامع الکلم پر مزید تحقیق .... قیمت (۲۵) روپے

(۴) استعانت بالاولیاء .... قیمت (۱۵) روپے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امیر یزید بن معاویہ بن ابی سفیان

ولادت: ۲۲ھ　　وفات: ربیع الاول ۶۴ھ

مولد: دمشق　　مدفن: دمشق

نام ونسب: نام یزید، کنیت ابو خالد ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ یزید بن معاویہ بن ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ ماں کا نام میسون ہے جو قبیلہ کلب کے ایک سردار بحدل کی بیٹی تھیں۔ مجاہد اسلام حضرت یزید بن ابی سفیان کے نام پر یزید نام رکھا گیا۔ علامہ ابن کثیر دمشقی نے البدایہ والنہایہ میں یزید کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

○ امیر المومنین یزید بن معاویہ بن ابی سفیان اموی، کنیت ابو خالد ہے۔ والد کی زندگی میں ولیعہدی کی بیعت ہوئی۔ پھر والد کے انتقال کے بعد اس کی توثیق ہوئی۔ اپنی وفات ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ تک خلیفہ رہے۔ (علامہ ابن کثیرؒ نے ان کے لئے ''امیر المومنین کالفظ استعمال کیا ہے)

○ معاویہ نے میسون سے عقد نکاح کیا اور ان سے یزید پیدا ہوئے جو نیک طبع اور از حد ذہین اور تیز فہم تھے۔

○ یزید میں حلم وکرم، فصاحت وشعر گوئی اور شجاعت و بسالت جیسی قابل تعریف صفات تھیں۔ معاملات حکومت میں اچھی رائے رکھتے تھے۔ حسن و جمال اور اچھے کردار کے مالک تھے۔

○ مورخ ابن عساکر نے یزید بن معاویہ کی مذمت میں جتنی روایتیں بیان کی ہیں وہ سب منگھڑت ہیں۔ ان میں صحت نہیں ہے۔

○ مشہور تابعی سعید ابن المسیب فرماتے ہیں کہ اسلام میں سب سے بڑے خطیب یہ ہیں:۔
معاویہ اور ان کے فرزند، سعید ابن العاص اور ان کے فرزند اور عبداللہ بن زبیر۔

○ زرارہ ابن اوفی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس قرن میں مبعوث ہوئے وہ یزید بن معاویہ کی موت پر ختم ہوتا ہے۔ گویا بعثت سے لے کر یزید کی موت تک جو قرن ہے وہ خیر ہی خیر ہے۔

○ امام ابوزرعہ دمشقی نے یزید کا ذکر راویان حدیث کے اس طبقے میں کیا ہے جو صحابہ سے بالکل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متصل ہے اور یہ ایک بلند مقام ہے۔

ملا علی قاری اپنی کتاب ''موضوعات کبیر'' میں لکھتے ہیں۔

''معاویہ، عمرو ابن العاص، یزید، ولید اور مروان بن حکم کی مذمت اور خلیفہ منصور اور سفاح کی تعریف سے متعلق روایات من گھڑت اور وضعی ہیں''۔

ولی عہدی اور خلافت

حضرت معاویہ نے اپنی زندگی میں ان کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ خاص طور پر اپنے بیٹے کو جانشین قرار دینے پر مخالفت میں شدید اعتراضات ہوئے جو تا حال دُہرائے جاتے ہیں۔ ابھی مولانا مودودی کا بیان گذرا ہے کہ اس جانشینی سے خلافت راشدہ کا آخری اور قطعی طور پر خاتمہ ہو گیا، مسلمانوں کو پھر اپنی مرضی کی خلافت نصیب نہیں ہو سکی۔ حضرت معاویہ کے اس عمل کو بیٹے کی محبت کا غلبہ، دنیا کی حرص اور اکابر وقت کے سروں پر تلوار رکھ کر بیعت لینے کا ظلم قرار دیا گیا۔ ان ساری تفصیلات کو کُریدے بغیر چند امور پر غور کرنا مناسب ہے۔

(۱) کیا خلیفہ اور امام کیلئے ضروری ہے کہ اپنا جانشین نامزد کرے۔

(۲) بیٹے کو جانشین نامزد کرنے کے بارے میں اسلامی احکام کیا ہیں۔

(۳) اگر خلیفہ اور امام ایسے بیٹے کو جانشین نامزد کر دے جو خلافت کے لئے بالکل نااہل و ناکارہ اور فاسق و فاجر ہو تو ایسی صورت میں مسلمانوں کا کیا فریضہ ہے؟ کیا اس کی اطاعت قبول کریں یا بزور شمشیر اس کو اس منصب سے ہٹائیں۔

جانشین نامزد کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ امام کو اختیار ہے کہ وہ کسی موزوں شخص کو جانشین نامزد کر دے اور اگر کسی موزوں شخص پر نظر نہ پڑے تو وہ اس معاملے کو مسلمانوں کی صوابدید پر چھوڑ سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر کسی کو جانشین نامزد نہیں فرمایا تھا البتہ حضرت ابوبکر کو امامت نماز کا حکم دے کر اشارہ دے دیا تھا کہ اب آپ ہی مسلمانوں کے دینی و دنیاوی امور کے سربراہ ہوں گے۔ حضرت ابوبکر نے واضح طور پر حضرت عمر کو اپنا جانشین نامزد فرمایا تھا۔ حضرت عمر نے چھ حضرات کو متوقع جانشین نامزد فرمایا تھا۔ اس کی تفصیل اسی کتاب میں بعنوان ''خلافت'' گذر چکی ہے۔ اس لحاظ سے جانشین نامزد کرنا بجائے خود مستحسن عمل ہے، غیر اسلامی نہیں ہے۔

بیٹے کی جانشینی بھی بجائے خود ممنوع یا غیر اسلامی نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے اپنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرزندوں کو جانشین نامزد نہیں فرمایا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان سے بڑے درجہ کے صحابہ موجود تھے۔ حضرت علی سے حضرت حسن کی بیعت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:۔

ماامرکم ولا انھاکم ، انتم ابصر:۔

نہ میں حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں، تم خود فیصلہ کرلو۔

اس ارشاد سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی غیر اسلامی عمل نہیں ہے۔ ورنہ آپ یہ فرماتے کہ باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی غیر اسلامی ہے اس لئے حسن کے ہاتھ پر بیعت نہ کرو۔ دوسری بات، امام اگر جانشین نامزد نہ کرے تو مسلمان خود اپنی صوابدید سے کسی کو امام بنالیں۔

سب سے اہم مسئلہ یہ رہ جاتا ہے کہ امام اپنے نااہل ناکارہ اور فاسق وفاجر بیٹے کو نامزد کردے اور اس کے لئے اکابر وقت کے سروں پر تلوار رکھے تو کیا اس کو قبول کرلیا جائے یا بزور شمشیر اس کو اس منصب سے ہٹانا اکابر وقت کا فریضہ ہے؟

صحیح بخاری، کتاب الفتن میں یہ حدیثیں غور طلب ہیں۔ جو کوئی اپنے امیر سے ناگوار امور کو دیکھے تو صبر کرے۔ جماعت سے جدا نہ ہو، جماعت سے جدا ہوگا تو جاہلیت کی موت مرے گا۔ امیر سے ناگوار امور دیکھنے، ناانصافی دیکھنے کے باوجود اس سے نزاع (قتال) نہ کرے اور صرف اسی صورت میں قتال کرے جبکہ اس میں "کفر بواح" (کھلا کفر) پائے۔

قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں جو مسائل مستنبط کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں۔

ا۔ نااہل شخص مسلط ہوجائے تو اس کا جو حکم موافق شرع ہو وہ نافذ ہوگا۔ اس کو مسند امارت سے ہٹانا انتشار اور بدنظمی کا باعث ہوگا۔

ب۔ اگر وہ شخصی طور پر کچھ بداعمالیوں میں مبتلا ہو تو اس کو نصیحت کی جائے گی، اس کے لئے اصلاحِ حال کی دعا کی جائے گی۔ اس کے خلاف تلوار سونت کر کھڑا ہونا فتنہ کا باعث ہوگا۔

ج۔ ایک خلیفہ کی خلافت قائم ہونے کے بعد دوسرا مدعی کھڑا ہوجائے تو ضروری نہیں کہ اسے فوری قتل کردیا جائے بلکہ کسی اور طریقہ سے اس کا دفعیہ کیا جاسکتا ہے اور جنگ وجدال کے بغیر اس کا دفعیہ ناممکن ہو تو پھر اس سے جنگ کی جاسکتی ہے۔

باغی کے بارے میں جو احکام ہیں ان کو مولانا مودودی نے (تفہیم القرآن تفسیر سورہ حجرات آیت ۹) میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ اس کو بھی سامنے رکھا جائے تو ایسے مسئلہ پر غور کرنے میں آسانی ہوگی۔ اس موقع پر اسی کتاب کے ایک مضمون "ہماری تاریخ اسلام" پر ایک نظر ڈال لینا مناسب ہوگا۔ ہماری تاریخ زیادہ تر عجمیوں کا مرتب کردہ ہے جن کے دلوں میں عربوں سے شدید انتقامی جذبہ تھا۔ اور یہ تاریخ بنوعباس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے دور میں مرتب ہوئی۔ ان مورخین نے بنو عباس کو خوش کرنے کے لئے بنواُمیہ اور ان کے اعوان وانصار کو جی بھر کر بدنام کیا ہے۔ ان کی بعض لغزشوں کو رائی کا پہاڑ بنا کر پیش کیا ہے۔ احادیث وضع کرنا بھی ان کے لئے آسان تھا۔ صرف دو نام "عن فلان عن فلان" کے بعد "**قال رسول الله صلی الله علیه وسلم**......" کہہ دینا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ ابن مُردویہ، حافظ ابونعیم صاحب الحلیہ، جلال الدین سیوطی، ابن عساکر، خوارزمی، طبرانی، حاکم، شیرویہ دیلمی وغیرہ حضرات شیعت یا عجمیوں اور سبائیوں کی من گھڑت روایتوں سے متاثر تھے۔ انھوں نے اِن من گھڑت روایتوں کو قبول کرلیا۔ صوفیہ جو تحقیق وتعقل سے بالکل عاری تھے انھوں نے بھی ان روایتوں اور آگے بڑھایا جس کے نتیجے میں بنواُمیہ کے مثالب (محاسن کی ضد) کی روایتیں امت میں اتنی شہرت پا گئیں کہ اچھے اچھے محقق بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے۔ بنو ہاشم کی دو شاخوں بنو عباس اور بنو علی نے بنو امیہ کے خلاف زہر اگلنا شروع کیا۔ اس دور میں خوب حدیثیں گھڑی گئیں۔ معاویہ کو میرے ممبر پر دیکھو تو قتل کر ڈالو، حکم کی اولاد بندروں کی طرح میرے ممبر پر کود پھاند کر رہی ہے۔ میری امت کی تباہی بنو امیہ کے ایک شخص کے ہاتھوں ہوگی جس کا نام یزید ہوگا۔ شجر ملعونہ بنو امیہ ہیں۔ حکم اور اس کی اولاد میری امت پر مصیبت ہیں۔ میری امت کی آفت بنواُمیہ ہیں۔ اور ان احادیث کے بالمقابل بنو ہاشم، علی وآل علی کے فضائل ومناقب میں جو حدیثیں گھڑی گئی ہیں ان کی تفصیل میری کتاب ''دین تصوف وطریقت'' میں بعنوان ''نسب پرستی'' دیکھی جاسکتی ہے۔ بنواُمیہ ہی پر کیا منحصر ہے شیعہ لٹریچر میں حضرات خلفاء ثلاثہ، عشرہ مبشرہ اور دیگر اکابر صحابہ کے جو مثالب ہیں ان پر نظر ڈالی جائے تو صحابہ کرام میں ایک فرد بھی نہیں ملے گا جس کو ہم اعتماد واعتقاد کی نگاہ سے دیکھ سکیں۔ اور یہی دشمنان اسلام کا مقصود ہے۔ کاش ملک غلام علی صاحب اور دیگر محققین اس نکتہ پر بھی غور فرماتے۔

رہا یہ سوال کہ مناقب اور مثالب کی روایتیں من گھڑت ہیں تو ہم ان روایات کے ہجوم میں کس طرح صحیح اور غلط کو پہچانیں اور کس طرح حقائق کا ادراک کریں۔ اس مسئلہ پر غور کیا جائے تو ہمیں صحیح رہنمائی قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور واقعات سے ملتی ہے۔ مثال کے طور پر:-

(۱) اللہ تعالیٰ کا واضح حکم ہے کہ باغی جماعت سے قتال کر دیہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ (سورہ حجرات آیت ۹)۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ صفین میں اتنی جنگ نہیں ہوئی کہ حضرت معاویہ اور اہل شام کو خلیفہ برحق کا مطیع بنایا جاتا اور ان کو اللہ کے حکم کا پابند کیا جاتا۔ بلکہ آگے چل کر حضرت حسن نے تو خلافت ہی ان کو سونپ دی۔ کیا یہ مانا جائے کہ حضرت علی اور حضرت حسن نے اس حکم کی صریح خلاف ورزی کی۔ یہ کیوں نہ مانا جائے کہ حضرت علی اور حضرت حسن کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ باغی نہیں ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲) اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں کی ایک فہرست دی جن کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے (سورہ احزاب آیت نمبر ۳۵) لازماً اس آیت کے اولین مصداق حاضر الوقت صحابہ اور صحابیات میں (رضی اللہ عنھم و جعلنا ممن تبعھم) اگر شیعہ عقیدے کے مطابق یہ مانا جائے کہ بعد وفات رسول سوائے چار کے سارے ہی صحابہ مرتد ہو گئے تھے۔ یا عباسی دور میں مرتب کردہ تاریخ سے ہم یہ رائے قائم کریں کہ حضرت عثمان کے عہد سے ہی ''تغیر کا آغاز'' ہو چکا اور مرحلہ بہ مرحلہ ''خلافت راشدہ'' کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ اور اسلامی جمہوریت کا استیصال حضرت عثمان اور حضرت معاویہ کے ہاتھوں وفات رسول کے قریب ہی عرصہ میں ہو گیا۔ تو پھر آخر وہ کون اللہ کے مقبول بندے ہیں جن کو مذکورہ آیت میں مغفرت اور اجر عظیم کی بشارت دی گئی ہے؟

احادیث صحیحہ میں سے بھی فی الوقت دو مشہور احادیث پر غور کرنا مناسب ہے۔

(۱) مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ''قرن'' (دَور) کو سب سے بہترین قرن فرمایا اور اوپر گذرا ہے کہ یہ قرن امیر یزید بن معاویہ کی وفات پر ختم ہوتا ہے۔ اس قرن کو ''خیر القرون'' فرمانے کا مطلب یہ نہیں کہ شر بالکل ختم ہو گیا ہو۔ بلکہ اس دور میں خیر کا غلبہ رہا اور شر مغلوب رہا۔ خیر ہو یا شر، اس کے غلبہ کی صورت یہ رہتی ہے کہ حاکم، بادشاہ، خلیفہ اور اولوالامر اگر شخصی طور پر خیر پر مائل ہو تو خیر غالب ہوگا اور اگر شر پر مائل ہو تو شر غالب ہوگا۔ اس لئے کہ حکومت اور اقتدار کی قوت ہی ہے جو خیر یا شر کو غالب کرتی ہے۔ اب اگر یہ مانا جائے کہ حضرت عثمان اپنے پیش رووں کی پالیسی سے ہٹتے چلے گئے اور اقربا نوازی کے جذبہ کے تحت انھوں نے اپنے اقربا کو جو فاسق، شرابی اور بددیانت تھے ملک وملت پر غالب کر دیا، معاویہ کو شام کے صوبے پر اس طرح جما دیا کہ مرکز ان کے رحم و کرم پر آ گیا۔ پھر معاویہ نے جو کچھ کیا وہ ''خلافت و ملوکیت'' کے باب پنجم ''یزید کے دور میں'' تک دیکھا جا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ زمانہ ''خیر القرون'' ہے جبکہ آئندہ کے سارے ہی بگاڑ کی بنیادیں اسی زمانے میں پڑیں۔ ایسی صورت میں لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ حدیث ہی غلط ہے یا ماننا پڑے گا کہ مولانا مودودی کے بیان پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الصلح میں حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن کے بارے میں فرمایا: ان ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین'' (ترجمہ: میرا یہ بیٹا سردار ہے، عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا)۔ اس حدیث پر کوئی تبصرہ نہ خلافت و ملوکیت میں ہے اور نہ ملک غلام علی صاحب کی کتاب میں ہے۔ یہ دونوں بزرگوار اس حدیث پر ہی غور فرما لیتے تو شائد ان دونوں کتابوں کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وجود میں آنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ اس حدیث میں تین باتیں غور طلب ہیں۔

(ا) صلح کی پیشکش حضرت معاویہ کی طرف سے ہوئی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ معاویہ اقتدار کے طالب نہیں تھے۔ وہ کسی وقت بھی مدعی خلافت کی حیثیت سے نہیں اٹھے۔ حضرت علی کے وقت میں بھی وہ صرف قاتلان عثمان سے قصاص کے طالب تھے۔ اگر ان کا مطالبہ پورا ہو جاتا تو حضرت علی کی بیعت کرنے کے لئے بھی راضی تھے۔ حضرت حسن سے بھی وہ صرف صلح (عدم جنگ) چاہتے تھے لیکن حضرت حسن نے خلافت واقتدار ان کو سونپ کر ملت اِسلام پر عظیم احسان فرمایا۔ یہی وہ عظیم کارنامہ ہے جس کی بنا پر اللہ کے رسول نے اپنے اس چہیتے نواسے کی تعریف فرمائی۔ مولانا مودودی نے ''خلافت اور ملوکیت کا فرق'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ انھوں نے (حضرت معاویہ نے) لڑ کر خلافت حاصل کی اور اپنے زور سے وہ خلیفہ بنے۔ ان کی خلافت ''دی ہوئی خلافت'' نہیں بلکہ ''لی ہوئی خلافت'' ہے۔ لیکن مولانا کا یہ بیان صحیح بخاری کی مذکورہ روایت کے بالکل خلاف ہے۔

(ب) اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ صلح کے بعد حضرت معاویہ خلیفہ برحق اور امام صادق تھے۔ آپ کا کوئی اقدام اسلامی اصولوں کو توڑنے اور امت کو غلط راستے پر ڈالنے والا نہیں تھا۔ آپ کے اقدامات میں جو کچھ بھی تبدیلی محسوس ہوتی ہے وہ صرف وقت کی ضرورت تھی۔ حالات کا تقاضہ تھا کہ نظام خلافت میں تبدیلی لائی جائے اور آنے والے اولوالامر کے لئے سہولتیں فراہم کی جائیں۔ حضرت معاویہ کے کسی اقدام پر حرف رکھا جائے تو اس کی ذمہ داری حضرت حسن پر بھی عائد ہوتی ہے اس لئے کہ حضرت معاویہ کو خلافت واقتدار سونپنے والے آپ ہی ہیں۔ بلکہ بات بارگاہ رسالت تک بھی جا پہنچتی ہے۔

(ج): ہر سال محرم میں ''سیرت حسین'' اور ''یاد حسین'' کے جلسوں میں ہم ہوش سے خالی اور جوش سے بھرپور یہ جملے سنتے ہیں: اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد، قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے، حسین نے اپنی اور اپنے کنبے کی قربانی دے کر اسلام کو بچالیا، چمن اسلام کی اپنے خون سے آبیاری کی، خود فنا کر ہو کر اسلام کو زندگی بخشی۔ بظاہر یزید کی فتح ہوئی لیکن حقیقی فتح تو حسین کی ہوئی، واللہ کہ اے حسین کارے کردی۔

لیکن یہ عاشقانِ حسین اللہ کے رسول کا ایسا کوئی ارشاد پیش نہیں کر سکتے جس میں آپ نے فرمایا ہو کہ میرا یہ بیٹا بھی سردار ہے، اسلام پر جب بُرا وقت آئے گا تو یہ اپنے پورے کنبہ کی قربانی دے کر اسلام کو بچائے گا۔ یہ عاشقان حسین اس نکتہ پر غور فرماتے تو ان کے جوش پر اوس پڑ جاتی۔

بہت سارے واقعات ہیں جن کو سامنے رکھنے کے بعد ہر سنجیدہ شخص اندازہ کر سکے گا کہ کیا ایسا بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوسکتا ہے؟ فی الوقت دو واقعات کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کی جاتی ہے۔

(ا) خلافت وملوکیت میں "آخری مرحلہ" کے عنوان کے تحت مولانا مودودی نے ابن الاثیر کے حوالے سے روایت بیان کی ہے جس میں اہل مکہ سے بیعت لینے کا ذکر ہے۔ حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر کے سر پر ایک ایک آدمی مقرر کر دیا گیا کہ یہ حضرات تائید یا تردید میں زبان کھولیں تو تلوار ان کے سر پر پڑے گی اور حرم شریف میں مجمع عام میں حضرت معاویہ نے کہا کہ یہ حضرات یزید کی ولیعہدی پر راضی ہیں اور بیعت کر لی ہے۔ لہٰذا تم لوگ بھی بیعت کر لو۔ تب اہل مکہ نے بیعت کر لی۔ سوال یہ ہے کہ کیا مجمع عام نے یہ نہیں دیکھا کہ ان کے سروں پر تلوار رکھی ہوئی ہے اور کیا یہ پانچوں حضرات اس وقت موت کے ڈر سے ایسے دم بخود تھے کہ دم نہ مار سکے۔ خلافت راشدہ کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ امت پر ملوکیت مسلط کی جا رہی ہے اور یہ "مسلمانوں کے سردار اور بہترین لوگ" صرف اپنی جان کی حفاظت کی خاطر مہر بہ لب ہیں! اب بھی کیا صرف معاویہ ہی بگاڑ کے ذمہ دار ہیں اور یہ مسلمانوں کے سردار اور بہترین لوگ بری الذمہ ہیں؟

(ب) "یزید کے دور میں" کے عنوان کے تحت مولانا مودودی نے کربلا میں حضرت حسین کی شہادت کی وہ پوری کیفیت لکھی ہے جو ہم آئے دن "واقعات کربلا" کے افسانوں میں سنتے ہیں۔

"باب ہشتم" میں مولانا مودودی نے امام ابوحنیفہ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ منصور نے آپ کو تیس کوڑے لگوائے۔ خلیفہ کے چچا عبدالصمد بن علی نے ملامت کی اور کہا کہ "یہ تم نے کیا کیا؟ اپنے اوپر ایک لاکھ تلواریں کھینچوا لیں۔ یہ عراق کا فقیہ ہے بلکہ تمام اہل مشرق کا فقیہ ہے"۔ مولانا نے اس بات پر غور نہیں فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کو کوڑے لگوانے پر ایک لاکھ تلواریں بے نیام ہوسکتی ہیں لیکن حضرت حسین کے لاشۂ مبارک پر گھوڑے دوڑائے گئے، خواتین کی چادریں اُتار لی گئیں، سر کاٹ کر کوفہ لے جایا گیا، برسرِ عام نمائش کی گئی، اس کے باوجود چار تلواریں بھی بے نیام نہیں ہوئیں۔ اب کیا یہ مانا جائے کہ حضرت حسین پوری اُمت کی نظر میں واقعی ایسے مجرم تھے کہ "ان کے ساتھ جو کچھ ہوا اچھا ہوا" کہہ کر اُمت نے چپ سادھ لی۔ یا یہ مانا جائے کہ امام ابوحنیفہ حضرت حسین سے زیادہ اُمت میں مقبولیت ومحبوبیت رکھتے تھے اس لئے ان کی حمایت میں ایک لاکھ تلواریں بے نیام ہوسکتی تھیں۔ اور حضرت حسین کا کوئی پُرسان حال نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں کسی بھی سمجھدار آدمی کے لئے قابل قبول نہیں ہیں۔ اس لئے یہ مانے بغیر چارہ نہیں ہے کہ کربلا کے لرزہ خیز مظالم کی داستانیں ایک فرضی افسانے کے سوا کچھ نہیں ہیں اور حکومت وقت پر واقعہ کربلا کی ذمہ داری نہیں ہے۔ ورنہ مذکورہ دونوں باتوں میں سے کسی ایک بات کو تو ماننا ہی پڑے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عہد امارت وخلافت

امیر یزید، حضرت معاویہ کی وفات (رجب ۶۰ ھ) کے بعد سریر آراء خلافت ہوئے اور اپنی وفات (ربیع الاول ۶۴ ھ) تک خلیفہ اور امیر المومنین رہے۔ اس عہد میں تین اہم واقعات پیش آئے جن کی بنا پر یزید پر لعنت ملامت کی جاتی ہے اس لئے ان پر تبصرہ کرنا ضروری ہے۔

واقعہ کربلا:

واقعہ کربلا کے ضمن میں مولانا مودودی کے یہ چند جملے جو ''یزید کے دور میں'' کے تحت آپ نے تحریر فرمائے ہیں غور طلب ہیں۔

(ا) بلاشبہ وہ اہل عراق کی دعوت پر یزید کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لئے تشریف لے جارہے تھے اور یزید کی حکومت انھیں برسرِ بغاوت سمجھتی تھی۔

(ب) ہم اس سوال سے تھوڑی دیر کے لئے قطع نظر کر لیتے ہیں کہ اُصول اسلام کے لحاظ سے حضرت حسین کا یہ خروج جائز تھا یا نہیں۔

(ج) اگرچہ ان کی زندگی میں اور ان کے بعد صحابہ وتابعین میں سے کسی ایک شخص کا بھی یہ قول نہیں ملتا کہ ان کا خروج ناجائز تھا اور وہ ایک فعلِ حرام کا ارتکاب کرنے جارہے تھے۔

(د) صحابہ میں سے جس نے بھی ان کو نکلنے سے روکا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ تدبیر کے لحاظ سے یہ اقدام نامناسب ہے۔

(ھ) یزید کی حکومت کا نقطۂ نظر ہی صحیح مان لیا جائے تب بھی یہ امر واقعہ ہے کہ وہ کوئی فوج لے کر نہیں جارہے تھے بلکہ ان کے ساتھ ان کے بال بچے تھے اور صرف ۳۲ سوار اور چالیس پیادے۔ اسے کوئی شخص بھی فوجی چڑھائی نہیں کہہ سکتا۔

(و) پھر حضرت حسین نے آخر وقت میں جو کچھ کہا وہ یہ تھا کہ یا تو مجھے واپس جانے دو، یا کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو یا مجھ کو یزید کے پاس لے چلو۔ لیکن ان میں سے کوئی بات بھی نہ مانی گئی۔

اب آیئے ان چھ فقروں پر غور کریں۔

(ا) حضرت حسین ایک جمی جمائی حکومت کا تختہ اُلٹنے جارہے تھے تو آخر آپ کو اس کی ایسی شدید ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ ''فتاویٰ عزیزیہ'' میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ''آپ کا خروج رعایا کو ایک ظالم کے ہاتھ سے نجات دلانے کی بنا پر تھا۔ ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی مدد کرنا واجبات دین سے ہے''۔ حالانکہ یزید کی جانشینی کے ۴، ۵ ماہ کے عرصہ میں کوئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایت نہیں ملتی کہ پورے عالم اسلام میں ظلم وستم کا بازار گرم ہو گیا تھا اور اللہ کی مخلوق تلملا اُٹھی تھی۔ اس وقت ملّت اسلامیہ کے سارے ہی صوبوں میں (سوائے عراق کے) کہیں بھی نہ خلیفہ کی جانشینی کے جواز وعدم جواز پر گرما گرمی ہو رہی تھی اور نہ کردار کے بارے میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں اور نہ کسی ظلم وستم پر ''وامصیبتاہ'' کا غُل تھا۔ صرف کوفی سبائی شرارت پر تلے ہوئے تھے لیکن ان کے ساتھ بھی حکومت نرمی و مداھنت کا معاملہ کر رہی تھی۔ اگر واقعی آپ ظالم حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے نکلتے تو لازماً مملکت اسلامیہ میں اعلان کر کے ایک لشکر جرار کے ساتھ اُٹھتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو دانستہ ہلاکت میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے (سورہ بقرہ آیت ۱۹۵)۔ دشمن کے مقابلے کے لئے اتنی قوت فراہم کرنے کا حکم دیا ہے کہ دشمن مرعوب ہو جائے (سورہ انفال آیت ۶۰)۔ حضرت حسینؓ ان دونوں احکام کو نظر انداز کر کے کیوں اپنے بال بچوں اور مٹھی بھر ساتھیوں کو لے کر نکلے؟۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ظالم کے ظلم سے مظلوم رعایا کو بچانا واجبات دین سے تھا تو کیا حضرت حسینؓ ہی اس کے مکلف تھے؟۔ دوسرے صحابہ کرامؓ نے کیوں کچھ نہیں کیا۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر فقرہ (و) کو بھی اس موقعہ پر دیکھا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے آخر وقت میں کیوں اس ''واجب دین'' سے انحراف کیا اور واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ کیا یہ مانا جائے کہ سامنے ۴ ہزار کی فوج دیکھ کر آپ خوفزدہ ہو گئے اور واپس جانے کی التجا کرنے لگے۔

(ب) اہم سوال سے کیوں قطع نظر کر لیا جائے۔ اسی ایک سوال پر غور کریں تو سارا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ مولانا نے ''چھٹا مرحلہ'' کے ضمن میں ایک جگہ فرمایا ہے کہ ''لیکن جان بوجھ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق غلط کام کرنے کا نام اجتہاد نہیں ہو سکتا''۔ اس جملے کو سامنے رکھیں تو معلوم ہوگا کہ حضرت حسینؓ جان بوجھ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے جا رہے تھے۔ جب کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ سارے ہی مخلصین روک رہے تھے، اور لمحۂ آخر میں خود بھی منصوبے سے دستبردار ہو گئے۔ خود اپنے ہی بیان کی روشنی میں مولانا فرمائیں کہ کیا اس کو ''اجتہادی غلطی'' کہا جا سکتا ہے؟ جبکہ یہ صرف ''غلطی'' ہی ہے اور ایسی بھیانک غلطی ہے کہ جس کے نتیجہ میں اُمت کو فتنہ اور انتشار کے سوا کچھ نہیں ملا۔ ایسی صورت میں کیا یہ غور کرنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ یہ خروج جائز تھا یا نہیں؟ مولانا اجتہادی غلطی کیا ہے اور کیا نہیں ہے'' میں سوال رکھتے ہیں کہ ''حضرت علیؓ کے خلاف تلوار اٹھانے کے لئے جواز کی کوئی کمزور سے کمزور گنجائش بھی شریعت میں اگر تھی تو وہ آخر کیا تھی؟'' اسی سوال کے نہج پر ہمارا بھی سوال ہے کہ حضرت حسینؓ کے لئے حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لئے کوفہ تشریف لے جانے اور پھر لمحۂ آخر میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واپس چلے جانے کی پیشکش کرنے کی کمزور سے کمزور گنجائش شریعت میں اگر تھی تو کیا تھی؟ مولانا نے اہم سوال سے قطع نظر کرلیا ورنہ اسی ایک سوال پر ہی غور فرما لیتے تو بعد کے سارے مسائل بآسانی حل ہو جاتے۔

(ج، د) جن صحابہ کرام نے آپ کو کوفہ جانے سے روکا ان کے الفاظ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ آپ کے خروج کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے اور کیوں اس سے منع کر رہے تھے۔

شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمر: تم دونوں (مراد حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر) اللہ سے ڈرو! مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ مت ڈالو (طبری ج ٦)

حضرت ابوسعید خدری: حسین نے مجھ پر خروج کرنے (اپنا ساتھ دینے کیلئے) زور دیا تو میں نے کہا: اپنے دل میں اللہ سے ڈرو، اپنے گھر میں بیٹھے رہو! اپنے امام کے خلاف خروج مت کرو!

حضرت ابو واقد لیثی: - میں نے انھیں (حضرت حسین کو) اللہ کا واسطہ دلایا کہ خروج نہ کریں کیونکہ جو بے وجہ خروج کرتا ہے اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے (البدایہ والنہایہ)

حضرت جابر بن عبداللہ: میں نے حسینؓ سے اس معاملے میں گفتگو کی اور کہا: اللہ سے ڈرو! لوگوں کو آپس میں نہ ٹکراؤ۔ (البدایہ والنہایہ)

حضرت عبداللہ بن جعفر طیار: اے حسین! کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے، تم جماعت سے خارج ہو رہے ہو، اور اُمّت میں تفرقہ ڈال رہے ہو جبکہ امت ایک بات پر مجتمع ہو چکی ہے۔ (البدایہ والنہایہ)

حضرت عبداللہ بن مطیع: - کوفہ کا قصد ہرگز نہ کیجئے۔ وہ شہر نحس اور شوم ہے۔ آپ حرم کعبہ کو نہ چھوڑیئے۔ (طبری، الاخبار الطوال)

حضرت عبداللہ بن عباس: - کیا تم اس قوم کے پاس جارہے ہو جنھوں نے تمہارے والد کا قتل کیا اور بھائی کو زخمی کیا۔ تمہارے والد اور بھائی اس قوم (کوفیوں) سے ناراض تھے۔ میں تمہیں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تم ایک دھوکے میں آرہے ہو۔ (البدایہ والنہایہ)

علامہ محمد خضری بک لکھتے ہیں کہ اس وقت حجاز، شام، بصرہ، کوفہ اور مصر میں بکثرت صحابہ کرام موجود تھے ان میں سے کسی نے بھی یزید کے خلاف خروج نہیں کیا، نہ تنہا اور نہ حسین کے ساتھ ہو کر۔ (اتمام الوفاء)

ان امور کو سامنے رکھنے کے بعد صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام آپ کے خروج کو کس نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ سب ہی حضرات نے آپ کے قصدِ کوفہ کو جماعت سے خروج سے تعبیر کیا اور آپ کو اللہ کا ڈر دلایا تھا۔ صحابہ کرام کے مذکورہ بالا اقوال میں کوئی اشارہ اس بات کا نہیں ملتا کہ آپ کا مقصد تو صحیح ہے لیکن تدبیر نامناسب ہے۔ تدبیر کو نامناسب یہ حضرات اسی وقت کہتے جب کوئی مناسب تدبیر ان کے پیش

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظر ہوتی بلکہ سب ہی حضرات مل کر کسی مناسب تدبیر کے لئے غور وفکر کرتے۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سب ہی حضرات ایک ہی بات (بیعت یزید) پر متفق ہو چکے تھے تو حضرت حسین کے لئے بھی مناسب تدبیر یہی تھی کہ خود بھی بیعت کر لیتے اور جماعت میں شامل ہو جاتے اور اپنے گھر میں آرام سے بیٹھے رہتے۔ اور آخر وقت میں حضرت حسین نے بھی اسی مناسب تدبیر کو قبول فرمایا لیکن وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

(ھ): حضرت حسین کو اس بات کا یقین تھا کہ مملکت اسلامیہ کے دوسرے صوبوں سے حمایتیوں کا فراہم ہونا تو کُجا خود مکہ اور مدینہ میں بھی کوئی ساتھ دینے والا نہیں ہے۔ آپ کو پورا بھروسہ کوفی سبائیوں پر تھا کہ آپ کے کوفہ پہنچتے ہی صوبہ عراق کا بچہ بچہ حمایت کے لئے اُٹھ کھڑا ہوگا اور اچھی خاصی جمعیت اکٹھی ہو جائے گی۔ اس سفر میں آپ کے ساتھ خاندان کے مردوں تعداد قریب (۲۰) تھی باقی (۶۰) کے قریب اسدی قبیلہ کے لوگ تھے جو حکومت کی گرفت سے بچنے کے لئے مکہ میں پناہ گزین تھے۔ کوفہ سے امید افزا خطوط آنے کی بنا پر یہ لوگ بھی آپ کے ساتھ ہو گئے تاکہ اپنے ساتھیوں میں پہنچ کر انقلاب برپا کریں۔ اس لئے یہ خیال کہ آپ کوئی فوجی چڑھائی نہیں کر رہے تھے۔ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

(و): راستے میں مسلم بن عقیل کے قتل کی اطلاع ملی جس سے اندازہ ہوا کہ کوفہ میں حکومت کی گرفت سخت ہے۔ آپ کوفہ کا ارادہ بدل کر دمشق کی طرف چلے۔ حُر بن یزید ریاحی (۲۰۰) سواروں کو لے کر نکلا تاکہ آپ کو کوفہ لے چلے یا پھر آپ سے خطوط کے تھیلے حاصل کر لے۔ اِدھر خلیفہ کے حکم سے حضرت عمر بن سعد جو صوبہ عراق کے امیر العسکر تھے (۴۰۰) سواروں کا دستہ لے کر پہنچ گئے کہ کسی طرح آپ کو اس نرغہ سے نکال کر دمشق پہنچا دیں۔ کربلا کے مقام پر سب جماعتیں یک جا ہوئیں۔ آپ عمر بن سعد سے گفتگو کرنے کے بعد دمشق چلنے کے لئے راضی ہو گئے۔ لیکن حُر کے ساتھیوں اور (۶۰) اسدیوں کے لئے یہ بات ناقابل قبول تھی۔ چنانچہ جس شب کی صبح کو آپ دمشق کے لئے نکلنے والے تھے حُر کے ساتھیوں اور اسدیوں نے آپ کے خیمہ میں قتل عام مچا دیا۔ عمر بن سعد کے پہنچنے تک آپ اور آپ کے کئی عزیز جن میں کم سن بچے بھی تھے شہید ہو چکے تھے۔ حُر کے ساتھی اور اسدی سرکاری دستہ پر بھی پل پڑے تاکہ جنگ ایسی چومکھی ہو جائے کہ قتل حسین پورا الزام سرکاری دستہ پر پڑے اور خود قتل ہو جائیں تو کم از کم دنیا میں ان کا نام ''انصار حسین'' کے طور پر عزت کے ساتھ لیا جاتا رہے۔

یہ شوشہ کہ آپ کو اصرار کیا گیا کہ کوفہ چل کر ابن زیاد کے ہاتھ میں ہاتھ دیں اور اس کے لئے آپ راضی نہیں ہوئے اس بنا جنگ ہوئی معقول بات نہیں ہے۔ مسلم کے قتل کے بعد آپ کی مکہ سے روانگی کی خبر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سُن کر ابن زیاد نے سرحد عراق پر پہرے بٹھا دیئے تھے کہ حسینی قافلہ عراق میں داخل نہ ہو۔ ابن زیاد کو اندیشہ تھا کہ آپ عراق آئیں گے تو پھر جو ہنگامہ ہوگا وہ مسلم کے ہنگامہ سے زیادہ سخت ہوگا۔ ابن زیاد کی خواہش اور کوشش یہی تھی کہ آپ کوفہ نہ آئیں اور جب آپ دمشق جانے کے لئے تیار تھے تو سرکاری دستہ کے لئے اس سے بڑھ کر قابل قبول کیا بات تھی۔ یہ شوشہ اس لئے تر شا گیا کہ کسی طرح ثابت کیا جائے کہ آپ کی شہادت سرکاری دستہ کے ہاتھوں ہوئی ہے۔

حضرت حسین مکہ سے بقصد کوفہ سارے ہی مخلصین کے منع کرنے کے باوجود صرف (۳۰) سوار اور (۴۰) پیادوں کو لے کر جس طوفانی عزم کے ساتھ نکلے اس کے پیش نظر تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ عمر بن سعد خود آپ سے التجا کرتے کہ آپ واپس تشریف لے جائیں یا میرے ساتھ دمشق چلیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے برعکس خود حضرت حسین نے یہ پیشکش کی۔ مولانا نے اس کی کوئی وجہ نہیں تحریر فرمائی۔ اس کی وجہ پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ آپ لحۂ آخر میں کوفیوں کی بے وفائی اور اُمّت کے اتحاد کلمہ سے متاثر ہو کر اپنی رائے بدل چکے تھے۔ اور جماعت سے وابستہ ہو جانے کے پورے عزم کے ساتھ دمشق چلنے پر راضی ہو گئے تھے۔ آپ کی افسوسناک شہادت جماعت سے وابستہ ہو جانے کی بنا پر کوفی سبائیوں کے ہاتھوں ہوئی نہ کہ سرکاری دستہ کے ہاتھوں۔ مولانا کا یہ فرمانا کہ ''وہ ساری کارروائی جو میدان کربلا سے لے کر کوفے اور دمشق کے درباروں تک کی گئی اس کا ایک ایک جُز قطعاً حرام اور سخت ظلم تھا'' وہ سارے واقعات واقعی پیش آتے تو یقیناً قطعی حرام اور ظلم ہوتے۔ لیکن یہ ساری کارروائی مفروضہ ہے، من گھڑت افسانہ ہے۔ ایسی کوئی کارروائی ہوئی اور نہ ہو سکتی تھی۔ اگر اس کارروائی کا ایک جُز بھی صحیح ہوتا تو سارے عالم اسلام میں حضرت حسین کی عظمت اور محبوبیت و مقبولیت کے باعث ہنگامۂ عظیم برپا ہو جاتا۔

مولانا مودودی نے واقعہ کربلا کے ضمن میں فرمایا کہ: ''بلاشبہ وہ اہلِ عراق کی دعوت پر یزید کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لئے تشریف لے جا رہے تھے اور یزید کی حکومت انہیں برسر بغاوت سمجھتی تھی''۔ آگے ایک اور جملہ ہے ''فرض کیجئے کہ حضرت حسین یزید کے نقطۂ نظر کے مطابق برسر بغاوت ہی تھے تب بھی......'' مولانا نے اس بات کی کوئی وضاحت نہیں فرمائی کہ یزید کی حکومت کا نقطۂ نظر بجائے خود صحیح تھا یا غلط تھا۔ یا پھر آپ کا (مولانا مودودی کا) نقطۂ نظر اس بارے میں کیا ہے؟ اس دوسرے جملے کے ساتھ ہی آپ نے میدان کربلا سے لے کر کوفے اور دمشق کے درباروں کی کارروائی کا ذکر کیا کہ اس کا ایک ایک جز قطعاً حرام اور ظلم تھا۔ آپ نے ان مظالم کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کر کے حضرت حسین کی ذات سے ہمدردی پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن اصل نقطۂ نظر پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ بفرض محال وہ ساری کارروائی جس کا ایک ایک جز قطعاً حرام اور ظلم تھا، صحیح مان لی جائے تب بھی اصل مسئلہ کا حل جوں کا توں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشنہ ہی رہتا ہے۔ حضرت حسین کے سفر کوفہ کے موقعہ پر مخلصین نے روکا تھا جن میں سے چند اقوال اوپر گزرے ہیں۔ حضرت حسین کے لشکر عمر بن سعد کے ہاتھوں لرزہ خیز مظالم کو برداشت کرتے ہوئے شہید ہو جانے کے بعد تو ان صحابہ کرام کے سامنے حق واضح ہو جانا چاہئے تھا کہ سبط رسول نے جس بے یاری و مددگاری اور پوری بے کسی اور کسمپرسی کے باوجود اپنی اور اپنے رفقاء کی جانیں دے کر حق کو واضح کر دیا ہے اس لئے اب ہم بھی احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عالم اسلام میں مسلسل خاموشی چھائی رہی اور کوئی ہلچل نہیں ہوئی۔ یہ کیا معاملہ ہے؟

''حضرت حسین اہل عراق کی دعوت پر یزید کی حکومت کا تختہ الٹنے جا رہے تھے'' بالفرض آپ تختہ اُلٹ دیتے اور جنگ میں فتح یاب ہوتے تو کیا ہوتا؟ حضرت حسین نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ اس وقت معاویہ نے ہمارے سروں پر تلواریں رکھی تھیں اس لئے ہم نے بادل ناخواستہ خاموشی اختیار کی تھی۔ معاویہ مر چکے ہیں لہذا اب آزاد فضاء میں جمہوری طریقہ سے نئے خلیفہ کا انتخاب کیا جائے۔ اگر آپ کا یہی منشاء ہوتا تو کیا یقین کہ وہ آپ کے حق میں ہوتا، جبکہ حاضر الوقت اکابر و اصاغر میں کسی کا رجحان حضرت حسین کی امامت و امارت کی طرف نہیں تھا۔ کسی کا قول نہیں ملتا کہ اس وقت حسین ہی رسول کے نواسے اور ایک منفرد شخصیت کے حامل ہیں اس لئے ان کو ترجیح دی جائے۔ بالآخر یہی صورت پیش آتی کہ آپ بزور شمشیر یزید کی حکومت کا تختہ اُلٹ کر خود خلیفہ اور امیر المؤمنین بن بیٹھتے۔ لیکن ایسی صورت میں آپ کی حیثیت کیا ہوتی؟ مولانا مودودی نے ''آخری مرحلہ'' میں حافظ ابن کثیر کا قول تحریر فرمایا ہے کہ سنت بھی یہی ہے کہ ان کو (حضرت معاویہ کو) خلیفہ کے بجائے بادشاہ کہا جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد خلافت ۳۰ سال رہے گی پھر بادشاہی ہوگی اور یہ مدت ربیع الاول ۴۱ھ میں ختم ہوگئی جبکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوئے''۔ اس حدیث کے ہوتے ہوئے کیا حضرت حسین خلیفہ یا خلیفہ راشد کہلا سکتے تھے؟ لازماً آپ بھی بادشاہ ہی کہلاتے اور پھر وہی ملوکیت کا چکر ہی چلتا۔ حضرت حسین کی یہ حکومت کیا بزور شمشیر حاصل کی جانے والی اور ''لی ہوئی حکومت'' نہیں کہلاتی تھی؟ اور کیا اس کے بعد قیامت تک مسلمانوں کی کوئی حکومت برقرار رہ سکتی تھی کہ ہر کوئی اُٹھتا اور اسوۂ حسینی پر عمل کرتے ہوئے کسی جمی جمائی حکومت کا تختہ اُلٹ دیتا اور اپنی حکومت قائم کر لیتا۔

ان سارے امور کو سامنے رکھنے کے بعد یہ مسئلہ ہنوز چیستان ہی رہتا ہے کہ ایک جمی جمائی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لئے آپ کا عراق تشریف لے جانا آخر کس مقصد سے تھا؟ آپ کے اس اقدام کو کیا نام دیا جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واقعہ کربلا کا نچوڑ اگر دیکھا جائے تو صرف یہ ہے کہ اس واقعہ کو دردناک سے دردناک اور انتہائی لرزہ خیز بنایا گیا تا کہ آنے والی نسلوں کی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہو جائیں اور آپ سے عقیدت جذباتی حد تک دلوں میں راسخ ہو جائے۔ دوسری طرف یزید کے کردار کو گھناؤنا سے گھناؤنا اور طرز حکومت کو نہایت ظالمانہ اور قاہرانہ بنا کر پیش کیا گیا تا کہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ:-

''حضرت معاویہ کے عہد میں سیاست کو دین پر بالا رکھنے اور سیاسی اغراض کے لئے شریعت کی حدیں توڑ ڈالنے کی جو ابتداء ہوئی تھی ان کے اپنے نامزد کردہ جانشین یزید کے عہد میں وہ بدترین نتائج تک پہنچ گئی۔ اس کے زمانہ میں تین ایسے واقعات ہوئے جنھوں نے پوری دنیائے اسلام کو لرزہ براندام کر دیا''۔ (خلافت وملوکیت: عنوان ''یزید کے دور میں'')

جب حضرت حسین بقصدِ کوفہ مکہ سے چلے تو مکہ اور مدینہ سے دوسرے قابل ذکر حضرات تو کیا ساتھ ہوتے حضرت علی کے اس وقت موجود پندرہ صاحبزادوں میں سے صرف چار صاحبزادے ساتھ چلے اور باقی حضرات نے ساتھ چلنے سے معذرت کر دی۔ حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہ) جو حضرات حسنین کے بعد سب فرزندوں میں افضل مانے جاتے تھے انھوں نے باوجود اصرار کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ اپنے فرزندوں کو بھی ساتھ نہیں کیا۔ ایک اور قابل ذکر فرزند حضرت عمر بن علی نہ صرف ساتھ نہیں گئے بلکہ جب لوگ آپ کے پاس تعزیت کے لئے آئے تو فرمایا: میں ایک محتاط آدمی ہوں۔ اگر میں ساتھ جاتا تو میں بھی قتل ہو جاتا۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ ''حسین کو کوفیوں کی وہ بے وفائی جو ان لوگوں نے حضرت علی اور حضرت حسن کے ساتھ کی تھی اس سے عبرت حاصل کرنا چاہیے تھا۔ حسین کے لئے بہتر تھا کہ وہ اپنی جگہ سے نہ نکلتے اور جماعت کے ساتھ رہتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے قریب قریب یہی بات حضرت عبداللہ بن زبیر کی لاش سے بھی مخاطب ہو کر فرمائی تھی۔

ان حالات کے پیش نظر کیا یہ مانا جا سکتا ہے کہ واقعہ کربلا پر عالم اسلام لرزہ براندام تھا؟

واقعہ حرّہ

واقعہ کربلا (محرم ۶۱ھ) کے چھ ماہ بعد حضرت زین العابدین مع اہل بیت مدینہ تشریف لائے۔ قریب تین سال تک سارے عالم اسلام بشمول مدینہ منورہ خاموشی رہی۔ ذی الحجہ ۶۳ھ میں واقعہ حرہ پیش آیا۔ مولانا مودودی نے تفصیلات سے قطع نظر فرماتے ہوئے اس واقعہ کی یہ وجہ بتائی کہ ''اہل مدینہ نے یزید کو فاسق اور ظالم قرار دے کر اس کے خلاف بغاوت کر دی''۔ اہل مدینہ سے مراد سارے ہی اہل مدینہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہیں بلکہ ایک مختصر جماعت تھی جس کے سربراہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ ''غسیل الملائکہ'' تھے۔ حضرت عبداللہ کے والد حضرت حنظلہ بن ابی عامر، غسیل الملائکہ کہلاتے ہیں، جنگ احد میں یہ حالت جنابت ہی میں شریک جنگ ہو کر شہید ہو گئے۔ بعد جنگ ان کی لاش پانی میں تر بتر پائی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو فرشتوں نے غسل دیا ہے۔ بعد میں ان کی زوجہ نے بتایا کہ یہ حالت جنابت میں تھے، جنگ کا اعلان سن کر اسی حالت میں نکل پڑے تھے۔

ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت محمد باقر نے ارشاد فرمایا کہ اولادِ عبدالمطلب میں سے کسی نے بھی بغاوت میں حصہ نہیں لیا۔ اسی طرح آل ابی بکر و آل عمر میں سے بھی۔ زیادہ آبادی بنی عبد الاشہل کی تھی جن میں کثیر تعداد صحابہ کرام کی تھی۔ یہ سب حضرات بغاوت سے کنارہ کش تھے۔ باغیوں نے امویوں کو شہر بدر کر دیا تو یہ سب لوگ حرم کی حرمت کا لحاظ کر کے شہر سے نکل گئے اور کئی امویوں کو حضرت زین العابدین نے اپنے گھر میں پناہ دی۔

صحیح بخاری، کتاب الفتن کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمر نے لوگوں کو ارشاد رسول سنا کر بغاوت سے روکا۔ اور فرمایا کہ جو بھی بغاوت میں حصہ لے گا اس سے آپ قطع تعلق کر لیں گے۔ حضرت زین العابدین نے اپنی اور اپنے خاندان والوں کی طرف سے خلیفہ کے پاس اطلاع بھیج دی کہ ہم سب بیعت پر قائم ہیں بغاوت سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ خلیفہ نے اپنے فوجی دستہ کے امیر حضرت مسلم بن عقبہ کو ہدایت کی کہ علی بن حسین کے ساتھ مراعات سے پیش آنا اور انھیں توقیر کے ساتھ بٹھانا (طبری) طبری میں یہ بھی روایت ہے کہ امیر یزید نے امیر لشکر (حضرت مسلم بن عقبہ) کو ہدایت کی کہ لوگوں کو تین دن کی مہلت دینا، اگر وہ مان جائیں تو بہتر ہے۔ اور نہ مانیں اور جنگ کریں اور تم ان پر فتح پاؤ تو صرف باغیوں کا مال، رقم، اسلحہ اور غلّہ اپنے لشکریوں کو تقسیم کرنا۔ مولانا مودودی تحریر فرماتے ہیں کہ:

''یزید کے حکم کے مطابق تین دن کے لئے فوج کو اجازت دی گئی کہ شہر میں جو چاہے کرے...... سات سو معززین اور دس ہزار کے قریب عوام مارے گئے............ وحشی فوجیوں نے گھروں میں گھس کر بے دریغ عورتوں کی عصمت دری کی............ ایک ہزار عورتیں زنا سے حاملہ ہوئیں......''

ایک اور روایت کے مطابق موالی میں سے تین ہزار، انصار میں سے چودہ سو یا سترہ سو اور قریش کے تیرہ سو حضرات شہید ہوئے۔ روضہ مبارک کی بے حرمتی کے لئے گھوڑے باندھے گئے، جن کی لید اور پیشاب سے منبر مبارک اور مسجد کو گندا کیا گیا۔

مدینۃ النبی کی اس قدر تباہی اور مسجد نبوی کی اتنی شدید بے حرمتی جس کے تصور سے ہر مومن آج بھی لرزہ براندام ہو جاتا ہے، حیرت ہے کہ حاضر الوقت اکابر اُمّت کا لرزہ براندام ہونا تو ایک طرف انھوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے کوئی اثر ہی نہیں لیا۔ امیر مسلم نے ہنگامہ کے ختم ہونے کے بعد حضرت زین العابدین کو یاد کیا۔ آپ ایک روایت کے مطابق اپنے فرزند حضرت محمد باقر اور اپنے چچازاد بھائی ابو ہاشم اور حسن (فرزندان محمد بن الحنفیہ) کے ساتھ، اور ایک روایت کے مطابق مروان بن حکم اور عبدالملک بن مروان کے ساتھ تشریف لے گئے۔ بلاذری کی روایت ہے کہ امیر مسلم نے کہا کہ ''امیر المومنین نے آپ کے ساتھ توقیر اور اکرام کا حکم دیا ہے، تو حضرت زین العابدین نے فرمایا: ''وصل اللہ علی امیر المومنین'' اللہ تعالیٰ امیر المومنین (یزید) پر رحمت نازل کرے۔ حضرت زین العابدین دو تین سال میں کربلا کے ''لرزہ خیز مظالم'' کو اور ابھی ابھی اپنی آنکھوں کے سامنے مدینہ منورہ میں ہزاروں بے گناہوں کے قتل، شریف عورتوں کی عصمت دری اور مسجد نبوی کی بے حرمتی کو بھول کر یزید کو ''امیر المومنین'' کہہ کر دعا دیتے ہیں تو کیا یہ مانا جائے کہ آپ حمیت دینی اور غیرت ملّی سے بالکل عاری تھے؟ حمیت دینی اور غیرت ملّی تو بعد کی بات ہے، ایک معمولی انسان کی طرح کیا آپ کا دل ان قیامتوں کے ٹوٹ پڑنے پر نہ پسیجا ہوگا؟

بعض لوگ اس واقعہ کو سرے سے غلط قرار دیتے ہیں کہ حضرت زین العابدین نے یزید کے لئے ''وصل اللہ علی امیر المومنین'' فرمایا تھا، پھر بھی اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آپ اور آپ کے اہل خاندان بغاوت سے بالکل کنارہ کش رہے، آخر کیوں؟ آپ کے لئے تو بہتر موقعہ تھا کہ اس وقت اپنے والد بزرگوار اور اپنے خاندان پر کربلا میں کیے گئے لرزہ خیز مظالم کی داستانیں سنا کر پورے اہل مدینہ بلکہ پورے عالم اسلام کو حکومت کے خلاف ابھارتے، اس موقعہ پر آپ نے خاموشی کیوں اختیار کی، حضرت زین العابدین کا اس موقعہ پر جو طریقہ رہا ہے وہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ کربلا اور حرّہ کے واقعات، صرف منگھڑت داستانیں ہیں۔ ایسی صورت میں امیر یزید کے لئے ''امیر المومنین'' کہہ کر دعائے خیر کرنے کی روایت کو قبول کرنے میں کوئی قباحت نہیں رہتی۔

حضرت عبداللہ بن عمر نے واقعہ کربلا کے باوجود اہل مدینہ کو یزید کی بیعت پر ثابت قدم رہنے کی تاکید فرمادی تھی، مان لیا جائے کہ واقعہ کربلا کے آپ عینی شاہد نہیں تھے، لیکن واقعہ حرہ کے تو آپ عینی شاہد تھے۔ اتنا ہونے پر بھی آپ نے کوئی احتجاجی اقدام نہیں فرمایا۔ آل ابوبکر، آل عمر، آل ہاشم، بنو عبدالاشہل کے صحابہ کرام غرض کتنے ہی اکابر صحابہ اس وقت مدینہ میں موجود تھے۔ اتنی قیامت ٹوٹ پڑنے پر بھی حکومت کے خلاف ان حضرات نے کوئی آواز نہیں اٹھائی، کوئی اقدام نہیں کیا۔ تو کیسے مانا جا سکتا ہے کہ واقعہ حرہ پر پوری دنیائے اسلام صرف لرزہ براندام ہو کر رہ گئی۔

صحیح اور قرین قیاس روایت یہ ہے کہ بنو عبدالاشہل کے بھرپور تعاون سے امیر مسلم مدینہ میں داخل ہو گئے۔ جس کی وجہ سے بغاوت پسپا ہو گئی۔ جو لوگ بھاگ سکتے تھے انھیں بھاگ جانے دیا گیا چنانچہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبداللہ بن مطیع جو اس ہنگامے کے سرگرم محرک تھے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ چلے گئے۔ صرف چھ افراد جن میں حضرت عبداللہ بن حنظلہ تھے گرفتار ہوئے اور ان لوگوں کو قتل کر دیا گیا۔ ''بقیع'' کے قبرستان میں خود میں نے ایک چھوٹا سا احاطہ دیکھا بتایا گیا کہ یہ شہدائے حرہ کی قبریں ہیں۔ یہ بمشکل پانچ، چھ قبروں کی جگہ تھی۔ واقعہ حرہ کی فرضی اور من گھڑت داستان پر دنیائے اسلام لرزہ براندام ہوگئی لیکن خود حضرت علی کی اولاد نے حرمین شریفین میں کیا تباہی مچائی، کس کس طرح حرمتوں کو پامال کیا، بے گناہ مسلمانوں کی جان و مال کا اتلاف کیا اس کو تاریخ میں بھولا بسرا کر دیا گیا۔ اس کی تفصیل جاننے کے لئے میری کتاب ''دین تصوف و طریقت'' (صفحہ ۱۹۲ تا ۱۹۶) کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

چند غور طلب امور

(۱) حضرت معاویہ نے جب وفات پائی اور امیر یزید سریر آرائے خلافت ہوئے تو اس وقت صورت حال یہ تھی کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر وفات پا چکے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس یہ دیکھ رہے تھے کہ سب متفق ہو جائیں تو یہ بھی جماعت سے وابستہ ہو جائیں اور بیعت کر لیں۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں نے بیعت کر لی۔ بعض اکابر امت بشمول حضرت ابن عمر اس بات پر افسوس کرتے تھے کہ کیوں حضرت علی کی بیعت نہ کر کے آپ کے موقف کو مضبوط نہ کیا، لیکن اس کی وجہ اوپر گذر چکی ہے کہ قاتلان عثمان نے ان بزرگوں کے سروں پر تلوار رکھ کر انھیں بددل کر دیا تھا۔ اور پھر انھوں نے آئندہ کے حالات کا اندازہ نہیں لگایا تھا کہ اُمت میں افتراق و انتشار اس حد تک پہنچ جائے گا بقول مولانا مودودی ملّت اسلامیہ دو متحارب گروپوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ اس لئے اب انھوں نے جماعتی نظم اور اتحاد کلمہ کو ترجیح دی اور امیر یزید کی امارت کو قبول کر لیا جبکہ امیر یزید ان بزرگوں سے کسی لحاظ سے بھی اہمیت کے حامل نہیں تھے۔ رہے حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر، یہ حضرات نہ ولیعہدی سے متفق تھے اور نہ خلافت و امارت سے۔ یہ دونوں حضرات اپنے اپنے طور پر کچھ اور منصوبے رکھتے تھے۔ حکومت بھی ان سے مطمئن نہیں تھی۔ اس لئے حضرت معاویہ کی وفات کے بعد سب سے پہلے ان ہی دونوں بزرگوں سے تجدید و توثیق بیعت کا مطالبہ ہوا۔ اِدھر پوری مملکتِ اسلامیہ میں یزید کی بیعت پر اتفاق ہو گیا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: **فاستقت البیعة لیزید فی سائر البلاد و وفدت الوفود من سائر الاقالیم الیٰ یزید** تمام شہروں میں یزید کی بیعت بلا اختلاف کی گئی ملک کے کونے کونے سے یزید کے پاس (بیعت کے لئے) وفود آئے۔ (البدایة والنہایة۔ ج ۸)

امیر یزید کے لئے ''امیر المومنین'' کا لفظ بھی اسی لحاظ سے استعمال کیا جاتا ہے کہ ان کی امارت پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُمت اسلام کا اتفاق تھا۔ واقعہ حرّہ کے ضمن میں گذرا ہے کہ حضرت علی بن حسین زین العابدین نے ''وصلّ اللہ علی امیر المومنین'' فرمایا تھا۔ علامہ ابن حزم نے ''جمہرۃ الانساب'' میں حضرت معاویہ اور امیر یزید کے لئے امیر المومنین لکھا ہے۔ حضرت ابوالحارث لیث بن سعد نے فرمایا: امیر المومنین یزید نے فلاں تاریخ کو وفات پائی۔ قاضی ابن العربی نے لکھا ہے کہ لیث بن سعد نے ایسے وقت میں یزید کے لئے امیر المومنین کا لفظ استعمال کیا جبکہ اموی حکومت ختم ہو چکی تھی۔ مولانا مودودی نے ''تہذیب التہذیب'' کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک شخص کو 'امیر المومنین یزید' کہنے پر بیس کوڑے لگوائے۔ لیکن اسی ''تہذیب التہذیب'' میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے امیر یزید کے ایک فرزند عبدالرحمٰن کا ذکر کیا ہے کہ محدث ابن حبان نے عبدالرحمٰن کو ''ثقات'' میں شمار کیا ہے جبکہ عبدالرحمٰن اپنے والد (امیر یزید) سے بھی حدیث روایت کرتے ہیں۔ محدث ابوزرعہ دمشقی نے فرزندان امیر یزید یعنی معاویہ، خالد اور عبدالرحمٰن کو 'صالحین امت'' میں شمار کیا ہے۔ علامہ عسقلانی اپنی دوسری تصنیف ''لسان المیزان'' میں ابن شوزب کا بیان نقل کرتے ہیں کہ ابراھیم بن ابی عبد نے کہا کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو امیر یزید کے لئے ''رحمۃ اللہ علیہ'' کہتے سنا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''الصارم المسلول'' میں ابراھیم بن میسرہ کی روایت نقل کی ہے کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو کسی شخص کو مارتے پیٹتے نہیں دیکھا سوائے ایک شخص کے کہ جس نے حضرت معاویہ کی بدگوئی کی تھی۔ آپ نے اس کو کوڑے لگوائے تھے۔ اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی جلیل القدر صحابی کی شان میں گستاخی کرنے پر امیرِ وقت کو اختیار ہے کہ اس کو معقول سزا دے۔ یزید کو امیر المومنین کہنا کوئی ایسا جرم نہیں ہے کہ امیر وقت اس کو سزا دے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز پہلے ہی حضرت خُبیب کے دردناک قتل پر پشیمان اور نادم تھے وہ بلا وجہ کیوں کسی کو کوڑے لگواتے۔ امیر یزید کے فاسق و فاجر، ظالم و جابر اور مردود و ملعون ہونے کی کہانیاں تو بہت بعد میں وجود میں آئیں۔ آج جو 'یزید' اپنے لاحقہ 'پلید' کے ساتھ ہمارے سامنے ہے وہ اس امیر یزید سے بالکل مختلف۔ ہے جو حضرت زین العابدین اور حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے اکابر کا دعا یافتہ ہے۔

اس موقعہ پر یہ بات بھی قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگی کہ حضرت عمر فاروق نے اپنی خلافت کے زمانے میں ایک ایسی لڑکی جس نے اپنی ماں کے کہنے پر دودھ میں پانی ملانے سے انکار کر دیا تھا کہ ''اللہ تو دیکھ رہا ہے'' اس لڑکی کا عقد اس کے کمال تقویٰ کی بنا پر اپنے فرزند عاصم سے کر دیا تھا۔ عاصم کو اس لڑکی کے بطن سے دو لڑکیاں تھیں جن میں سے ایک امیر یزید کی زوجہ تھیں اور دوسری عبدالعزیز بن مروان سے بیاہی گئیں۔ جن کے بطن سے حضرت عمر بن عبدالعزیز تھے۔ اس رشتے سے امیر یزید حضرت عمر بن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبدالعزیز کے ''خالو'' ہوتے تھے۔ امیر یزید کی ایک بیٹی عاتکہ جو ام مسکین بنت عاصم کے بطن سے تھیں وہ عبدالملک بن مروان سے بیاہی گئیں۔ ان کے بطن سے فاطمہ بنت عبدالملک تھیں جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کی زوجہ تھیں۔ اس رشتے سے حضرت عمر بن عبدالعزیز، امیر یزید کے نواسے داماد بھی تھے۔ ان رشتوں کو سامنے رکھا جائے تو کیسے ممکن ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز امیر یزید کو امیر المومنین کہنے پر کوڑے برسادیں۔ ان تمام امور کے پیش نظر امیر یزید کو امیر المومنین کہنے یا ان کے لئے دعائے رحمت کرنے میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوئی۔

(۲) واقدی نے حضرت عبداللہ بن حنظلہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم نے یزید پر اس وقت خروج کیا جبکہ ہم کو ڈر ہو گیا کہ کہیں یزید کی بداعمالیوں اور بدکاریوں کی وجہ سے ہم پر پتھروں کا عذاب نہ برسنے لگے کیونکہ یہ شخص ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ نکاح جائز قرار دیتا ہے، شراب نوشی کرتا اور نمازیں ترک کر دیتا تھا۔ (طبقات ابن سعد، ابن اثیر)

اس قول کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ میدان کربلا اور کوفہ اور دمشق کے درباروں کی ساری کارروائی مفروضہ اور من گھڑت ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ حضرت عبداللہ نے اس کا کوئی اشارہ اپنے بیان میں نہیں دیا۔ اگر اس کارروائی میں کچھ حقیقت ہوتی تو آپ پہلے اس کا ہی ذکر کرتے اور واقعہ کربلا کے معاً بعد ہی خروج کرتے۔ حضرت عبداللہ بن مطیع جو اس تحریک کے روح رواں تھے حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہ) سے ساتھ دینے کے لئے جو گفتگو کی اس میں بھی واقعہ کربلا کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے۔ ورنہ حضرت محمد کو حکومت کے خلاف اُبھارنے کے لئے واقعہ کربلا کے مظالم سے زیادہ اثر انگیز اور کیا بات ہوسکتی تھی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس وقت حکومت کے شدید مخالفین (حضرت عبداللہ بن مطیع اور حضرت عبداللہ بن حنظلہ) کے نزدیک بھی ''قتل حسین'' کی ذمہ داری حکومت پر نہیں تھی اور نہ لرزہ خیز مظالم کا کوئی تصور تھا۔ اس گفتگو میں ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ نکاح جائز قرار دینے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ لازماً یہ پیوند واقدی اور ابن اثیر جیسے افسانہ نگاروں کا مرہون منت ہے۔ آخر صرف حضرت عبداللہ بن حنظلہ ہی کو پتھروں کے عذاب کے نزول کا خوف کیوں ہوا جبکہ پورے عالم اسلام میں کسی نے بھی ایسی تشویش ظاہر نہیں کی۔ خود مدینہ منورہ کے اکابر و اصاغر کی کثیر جماعت بغاوت کی تحریک سے کنارہ کش بلکہ مخالف تھی۔ اگر واقعی حضرت عبداللہ حق پر تھے تو اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد کیوں ان کے ساتھ نہیں ہوئی جبکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کی دنیا میں بھی مدد و نصرت فرمائے گا۔

(سورہ روم آیت ۴۷، سورۃ الصّٰفّٰت، آیت ۱۷۳، سورۂ مومن، آیت ۵۱)

واقعہ کربلا اور واقعہ حرّہ پر ٹھنڈے دل اور بے تعصبی سے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت حسین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا سفر عراق اور حضرت عبداللہ بن حنظلہ کا خروج ایک چیستان ہی ہے۔ ان دونوں بزرگوں کی عظمت و جلالت کے پیش نظر اس کو کھل کر کوئی نام دیا نہیں جا سکتا۔ مورخین نے اس خیال سے کہ بعد کے لوگ کہیں کھوج اور کُرید کر کے کسی ایسے فیصلہ پر نہ پہنچ جائیں جس سے ان بزرگوں کی توہین ہو دونوں واقعات کے ضمن میں لرزہ خیز مظالم کی داستانیں تصنیف کر دیں تا کہ لوگ ان داستانوں سے لرزہ براندام ہو کر یزید اور یزید کی حکومت پر ہی لعنت کرتے رہیں۔

حیرت ہے ہماری تاریخ پر، ایک حُجر بن عدی کا قتل ہوتا ہے تو خراسان کے گورنر ربیع بن زیاد حارثی اتنے ناراض ہوتے ہیں کہ اپنے مرنے کی دعا کرتے ہیں۔ لیکن واقعہ کربلا کے دل دوز مظالم پر خود بنی ہاشم میں سے کسی نے بھی اپنے مرنے کی دعا نہیں کی، ایک امام ابوحنیفہ کو کوڑے لگائے جاتے ہیں تو ایک لاکھ تلواریں بے نیام ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور مدینہ منورہ کی مقدس سرزمین پر سات سو معززین، دس ہزار عامۃ المسلمین قتل کئے جاتے ہیں ایک ہزار شریف زادیاں حاملہ کر دی جاتی ہیں، مسجد نبوی اور منبر نبوی میں گھوڑے باندھ کر اس مقام کو گندا کیا جاتا ہے پھر بھی عالم اسلام میں کوئی ہلچل نہیں کوئی احتجاج نہیں!۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت موجود صحابہ، صحابہ زادے اور بے شمار تابعین اور اکابر امت سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ سب کے دل میں اللہ کے ڈر سے زیادہ حکومت کا ڈر غالب ہو گیا تھا۔ کیا یہ بات کسی بھی صاحب عقلِ سلیم کے لئے قابل قبول ہو سکتی ہے؟

امیر یزید کے شام میں شراب پینے اور نمازیں ترک کر دینے اور محارم کے ساتھ نکاح جائز قرار دینے پر عبداللہ بن حنظلہ کو پتھروں کے عذاب کا ڈر ہوا جس کی بنا پر انھوں نے خروج کر دیا۔ لیکن عین مدینہ منورہ میں بقول مولانا مودودی سات سو معززین اور دس ہزار عوام مارے گئے اور...... ایک ہزار کنواری لڑکیاں حاملہ ہوئیں، اور بقول مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث دو ہزار خواتین کی عصمت ریزی ہوئی بدری صحابی کوئی نہ بچا۔ (اوجز المسالک) مولانا مودودی نے مسلم بن عقبہ کی فوج ۱۲ ہزار بتائی ہے۔ مولانا زکریا نے اس کو ناکافی خیال کر کے ۲۷ ہزار سوار اور ۱۵ ہزار پیادے تحریر فرمائی ہے۔ مولانا زکریا نے عصمت ریزی کا شکار عورتوں کی تعداد بھی دوگنی کر دی تا کہ قارئین کا خون خوب کھولے۔ لیکن اس پر آسمان سے ایک کنکر بھی نہیں گرا۔ اتنی کثیر فوج میں ایک کا نام بھی نہیں بتایا جاتا جو غضب الٰہی کا شکار ہوا ہو۔ صرف راستے میں امیر مسلم کی وفات ہوگئی جو ضعیف العمر اور بیمار تھے۔ اگر امیر مسلم کو غضب الٰہی کا شکار بتایا جائے تو کیا یہ عقل میں آنے کی بات ہے کہ اتنے ہزاروں معززین کا قتل اور اتنی کثیر عورتوں کی عصمت ریزی کیا صرف امیر مسلم نے ہی کی تھی ساری فوج بے گناہ اور تماشہ بین تھی جو پتھروں کی بارش سے محفوظ رہی۔ یہ ہے ہماری تاریخ جس کو زمانہ بڑے غور سے سن رہا ہے اور لطف لے رہا ہے!

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴) علامہ ابن حجر عسقلانی ''فتح الباری'' میں فرماتے ہیں:۔

''...... چنانچہ وہ (حضرت ابوہریرہ) فرمایا کرتے تھے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ۶۰ھ کے شروع ہونے اور لونڈوں کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں، یہ یزید بن معاویہ کی بادشاہی کی طرف اشارہ تھا جو ۶۰ھ میں قائم ہوئی اور حق تعالیٰ نے حضرت ابوھریرہ کی دعا قبول کرلی اور وہ اس سے ایک سال قبل ہی رحلت فرما گئے''۔

ایک اور روایت ہے کہ حضرت ابوھریرہؓ بازار میں جاتے جاتے یہ کہتے تھے کہ اے اللہ! مجھے ۶۰ھ کا زمانہ آنے نہ پائے اور نہ لونڈوں کی امارت کا۔

حضرت ابوھریرہ کا یہ جملہ مشہور ہے۔''اعوذ باللہ من راس السِتّین و امارۃ الصبیان'' آپ سے مروی مشہور حدیث''حدیث وِعائین''کے ضمن میں آپ کے مذکور بالا اقوال سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ۶۰ھ کے اندوہ ناک حالات کی خبر دی تھی جب ہی تو آپ ۶۰ھ سے پناہ مانگتے تھے۔ایک طالب علم یہ سوال کرسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶۰ھ تو نہیں فرمایا ہوگا اس لئے کہ اس وقت سن ہجری کا کوئی تصور نہیں تھا۔ پھر حضرت ابوھریرہ نے ۶۰ھ کا تعین کیسے کیا؟ حضرت معاویہ کی وفات رجب ۶۰ھ میں ہوئی اور اسی وقت سے یزید کی بادشاہی شروع ہوئی تو اصل پناہ مانگنے کا موقعہ''من وسطِ الستّین''تھا نہ کہ''راس الستین''۔ ۶۰ ہجری کے اوائل کی بجائے ۶۱ھ کے اوائل سے پناہ مانگنا چاہئے تھا کہ واقعہ کربلا ۶۱ھ کے اوائل میں پیش آیا تھا۔عربی میں ''صبی''ایسے چھوٹے بچے کو کہتے ہیں جو دودھ چھوڑ چکا ہو،یعنی شیر خوار سے کچھ بڑا لڑکا۔ایسی صورت میں یزید کی امارت سے پناہ مانگنے کی بات کیسے صحیح ہوسکتی ہے جبکہ اس وقت یزید کی عمر قریب ۳۸ سال تھی۔اسی طرح بخاری میں ایک حدیث ہے''ھلاک امتی علی یدی اغیلیمۃ من قریش''(یعنی میری امت کی ہلاکت قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی) ایک اور حدیث: ان فساد امتی علیٰ یدغلمۃ سفھاء من قریش (میری امت کی تباہی قریش کے چند بے وقوف لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی) اس حدیث کی تشریح میں علامہ ابن حجر عسقلانی''فتح الباری''میں صراحت فرماتے ہیں کہ پہلا لونڈا (یزید بن معاویہ) ۶۰ھ میں برسراقتدار آیا۔صحیح بخاری میں یہ بھی روایت ہے کہ جب حضرت ابوھریرہ نے اس حدیث کی روایت فرمائی تو مروان بن حکم بھی موجود تھے۔ ان کی زبان سے نکلا:''اللہ کی ان لونڈوں پر لعنت ہو''۔اس کی شرح میں علامہ عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ لونڈے تمام مروان ہی کی اولاد میں ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مروان کی زبان سے ان پر لعنت کہلوا کر حجت قائم کردی ہے۔علامہ عسقلانی ایک طرف ان سارے لونڈوں کو مروان کی اولاد بتاتے ہیں دوسری طرف پہلا لونڈا یزید بن معاویہ کو قرار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیتے ہیں۔ ایں چہ بوالعجبی ست؟ دوسری بات جو ان روایات میں کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ ''اغیلیمة من قریش ''ہیں ''اغیلیمة من بنی امیة ''یا ''اغیلیمة من بنی مروان ''نہیں ہیں۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس بات کا اندیشہ تھا کہ آپ نے بنوامیہ یا بنومروان کا نام صراحت سے نہیں لیا۔ حضرت ابوھریرہ کے بیان میں یہ صراحت بھی ہے کہ چاہوں تو ''بنی فلان—بنی فلان ''کہہ سکتا ہوں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف بنوامیہ یا بنومروان کی بات نہیں ہے بلکہ قریش کی دوسری شاخوں کے ''اغیلیمة'' بھی ہیں۔ لیکن علامہ عسقلانی نے ان کو صرف بنومروان سے مخصوص کر دیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی علامہ عسقلانی کی تتبع میں صراحت کی ہے کہ ابوھریرہ ڈرتے تھے کہ اگر وہ ان کے نام بتائیں تو بنوامیہ کے لونڈے اور نوخیز نسل انھیں قتل کر ڈالے گی (شرح تراجم ابواب البخاری)

صحیح بخاری کتاب الفتن میں حضرت ابومنہال سے مروی ہے کہ ابن زیاد اور مروان شام میں تھے اور عبداللہ بن زبیر مکہ میں تھے (اس زمانے میں اقتدار کے لئے کشمکش ہو رہی تھی) اس موقعہ پر حضرت ابوبرزہ اسلمی نے فرمایا: میں قریش کے گھرانوں سے ناراض ہوں ...... یہ لوگ جو شام میں ہیں (ابن زیاد اور مروان) وہ محض دنیا کے لئے لڑ رہے ہیں اور وہ صاحب جو مکہ میں ہیں (عبداللہ بن زبیر) وہ بھی صرف دنیا کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اس روایت سے واضح ہوتا ہے قریش کی ایک شاخ بنوامیہ کا ہی معاملہ نہیں ہے بلکہ دوسری شاخ بنواسد کا بھی معاملہ ہے۔ حضرت ابوبرزہ اسلمی کی حیات تک تو شائد یہی صورت حال تھی۔ لیکن بعد کے واقعات پر ہم نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ جتنی تباہی امت میں بنوہاشم نے پھیلائی ہے اتنی تباہی قریش کے کسی اور قبیلہ نے نہیں پھیلائی۔ تاریخ اسلام کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ بنوعباس نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد بنوامیہ کو کتنا تباہ کیا۔ گڑی ہوئی لاشوں کو تک نہ چھوڑا۔ پھر بنوعلی کے افراد نے بنوعباس کے خلاف وقتاً فوقتاً خروج کیا تو امت کی کتنی تباہی ہوئی۔ زید بن علی اور محمد بن عبداللہ نفس زکیہ نے صرف حصول اقتدار کے لئے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جانیں گنوائیں۔ حسنی اور حسینی افراد نے صرف حصول اقتدار اور دولت وحکومت کی ہوس میں کتنے خروج کئے اور کتنے ہی مسلمانوں کی جان و مال کا اتلاف کیا۔ پھر یہ حسنی اور حسینی افراد نے جہاں جہاں بھی زور پکڑا کیسی کچھ تباہی مچائی ہے کہ الامان۔ الحفیظ۔ حضرت موسیٰ کاظم کے دو فرزند ''زید النار'' اور ''ابراھیم القصاب'' کے ظلم و بربریت کو کیا تاریخ بھلا سکتی ہے؟ حسنی اور حسینی ''شہزادوں'' نے حرمین شریفین کی کسقدر بے حرمتی کی، حاجیوں اور اہل حرم کو کتنا لوٹا اس کی تفصیل جاننے کے لئے میری کتاب ''دین تصوف وطریقت'' کے عنوان ''نسب پرستی'' کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ سارے واقعات تیسری صدی ہجری تک پیش آتے رہے اور علامہ ابن حجر عسقلانی (ولادت ۷۷۳ھ، وفات ۸۵۲ھ) ان سارے واقعات کو بھلا بسرا کر کے ''اغیلیمة من قریش'' کو صرف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنو مروان سے مخصوص فرما رہے ہیں ''آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے؟''

(۴) جنگ قسطنطنیہ کے بارے میں صحیح بخاری میں دو روایتیں غور طلب ہیں۔ ایک یہ ہے کہ میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوگا اس کی مغفرت کر دی گئی۔ دوسری روایت محمود بن ربیع کی ہے جس میں صراحت ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری اسی دستہ میں شریک تھے اور یہیں ان کی وفات ہوئی، یزید بن معاویہ فوج کے امیر تھے۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ یزید کو جبراً حضرت معاویہ نے اس دستہ میں شریک کیا۔ یزید تو اپنی بیوی ام کلثوم بنت عبداللہ بن عامر کے ساتھ دادِ عیش میں مشغول تھا۔ ابن اثیر نے چاہا ہے کہ کسی طرح یہ ثابت کریں کہ یزید اس جنگ میں باپ کے دباؤ سے مجبور ہو کر بادل ناخواستہ شریک ہوا تھا۔ ابن اثیر نے یہ نہیں دیکھا کہ ام کلثوم ایک مشہور و معروف مجاہد اسلام صحابی عبداللہ بن عامر کی بیٹی تھی۔ عامر بن کُریز کی ایک بہن اروی بنت کُریز تھیں جو حضرت عثمان بن عفان کی والدہ تھیں۔ ان کا تفصیلی ذکر اس کتاب میں گذر چکا ہے۔ عبداللہ بن عامر، حضرت عثمان کے حقیقی ماموں زاد بھائی تھے اور یہ بڑے مجاہد گذرے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ابن اثیر جیسے افسانہ نگاروں کو مجاہدین اسلام اور بالخصوص عبشمی حضرات میں ''کیڑوں'' کے سوا کچھ بھلائی کیسے نظر آ سکتی ہے۔ انھوں نے ایسا افسانہ تراشا کہ ام کلثوم اور یزید دونوں بدنام ہوں اور یزید کی اس غزوہ میں شرکت کی کوئی اہمیت باقی نہ رہے۔ واقدی اور ابن اثیر نے حضرت عبداللہ بن حنظلہ کی زبان سے کہلوایا کہ ''یہ شخص (یزید) ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ نکاح جائز قرار دیتا ہے''۔ جہاں تک میں نے تحقیق کی یزید کی کوئی محرم خاتون ''ام کلثوم'' نامی نہیں تھی۔ یہاں ابن اثیر کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ ''ام کلثوم'' یزید کی منکوحہ اور شرعی طور پر حلال بیوی تھی، کوئی محرم یا رنڈی کے طور پر نہیں تھی۔ اور جہاں تک میری تحقیق ہے ایسی کوئی روایت نظر سے نہیں گذری کہ کوئی قضیہ یزید کے پاس محرم عورت سے نکاح کرنے کا پیش ہوا ہو اور یزید نے اس کو جائز قرار دیا ہو۔ یزید کے ظلم و ستم، فسق و فجور، آلات لہو و لعب کا شغل، بے ریش لڑکوں سے تعلق، کتوں، بندروں، ریچھوں کو پالنے اور ان کو لڑانے، ناچنے گانے کی داستانیں بعد کے بہت سارے ''تقدس مآبوں'' نے دہرائی ہیں۔ لیکن حاضر الوقت اکابر میں سے کسی نے ان باتوں کا ذکر نہیں کیا۔ حضرت حسین یزید کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لئے مکہ سے نکلے تھے لیکن آپ کی کسی تقریر میں یزید کے فسق و فجور اور ان فواحش کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ حضرت عبداللہ بن مطیع نے صرف نمازیں ترک کرنے اور شراب پینے کا ذکر کیا ہے اور اس کے بارے میں حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہ) کے سوال کرنے پر یہ اعتراف کیا کہ ''میں عینی شاہد نہیں ہوں مگر میں نے لوگوں سے سُنا ہے''۔ اس وقت تک صرف اس خاص مشروب کے استعمال کا الزام تھا جس کے جواز و عدم جواز کے بارے میں فقہاء میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختلاف ہے۔ سرد ملک اور ٹھنڈے مشروبات کے کثرت استعمال سے وجع المفاصل (گٹھیا) اور نقرس کے مرض میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے نماز کے لئے باہر نہیں آتے تھے۔ اس لئے اس وقت تک مخالفین نے صرف شراب نوشی اور ترک نماز کا الزام لگایا تھا۔ لیکن بنو عباس کے نمک خوار بنو امیہ کو بدنام کرنے کے لئے "ہر کہ آمد عمارت نو ساخت" کے طور پر مذکورہ دو الزامات پر ردّے پر ردّے جماتے چلے گئے ایک ایک بھیانک الزام کا اضافہ کرتے چلے گئے۔ بعد کے تقدس مآب علماء نے ان کو من وعن قبول کر لیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی تصنیف "تکمیل الایمان" میں یزید کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"وہ خدا کا دشمن ہے، شراب نوش ہے، تارک نماز، زانی اور فاسق ہے۔ محارم سے صحبت کرنے سے بھی باز نہیں آتا۔ ہماری رائے میں یزید ایک مبغوض ترین انسان تھا۔ اس بدبخت نے جو کارنامے سر انجام دیئے ہیں اُمتِ رسول میں کسی سے نہ ہو سکے۔

شیخ صاحب نے یہ نہیں دیکھا کہ اس وقت کتنے ہی صحابہ، صحابہ زادے، اکابر، تابعین موجود اور حالات کے عینی شاہد تھے اگر یہ الزامات صحیح تھے تو ایک یزید ہی مبغوض ترین نہیں ہو سکتا بلکہ اس وقت کے سارے ہی اکابر و اصاغر مبغوض ترین ہونا چاہئے۔ آخر ان لوگوں کی زبانیں گنگ کیوں ہو گئیں۔ آسمان سے پتھر کیوں نہیں برسے، اسلام اور مسلمانی باقی کیسے رہی؟

بہر حال ان امور کو سامنے رکھنے کے بعد ہمیں یہ تسلیم کرنے میں سخت تامل ہے کہ یزید صحیح بخاری کی حدیث میں دی گئی مغفرت کی بشارت سے مستثنیٰ ہے۔ جن دلائل سے یزید کو اس بشارت سے مستثنیٰ قرار دیا جاتا ہے وہ بھی غیر اطمینان بخش دلائل ہیں۔ ملک غلام علی صاحب نے اپنی کتاب میں "یزید کی مغفوریت؟" کے عنوان کے تحت شاہ ولی اللہ صاحب کی "شرح تراجم بخاری، کتاب الجہاد، باب ما قیل فی قتال الروم" سے ایک اقتباس پیش کیا ہے: شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔

"اس حدیث سے صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ اس غزوے سے پہلے کے گناہ جو یزید نے کیئے تھے وہ بخشے گئے کیونکہ جہاد کفارات میں سے ہے اور کفارات کا معاملہ یہ ہے کہ ان سے پہلے کے گناہ زائل ہوتے ہیں نہ کہ بعد کے، اگر آنحضور کے کلام کے ساتھ یہ الفاظ بھی ہوتے کہ اس کی مغفرت قیامت کے دن تک ہے، تب وہ اس کی نجات پر دلالت کرتے اور اگر یہ الفاظ نہیں ہیں تو نجات پر دلالت بھی نہیں ہے"۔ شاہ صاحب کے اس ارشاد پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص طور پر اس غزوہ کے شرکا، کی مغفوریت کی بشارت دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اس لئے کہ جہاد کا کفارات میں سے ہونا ایک طے شدہ اور بدیہی امر تھا۔ جب سارے ہی جہادات کے شرکاء کے لئے یہ معاملہ ہے کہ سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور بعد کے گناہ معاف نہیں ہوتے اور اس جہاد کا بھی یہی معاملہ ہے تو پھر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ نے خاص طور پر اس جہاد کے شرکاء کو مغفرت کی بشارت کیوں دی؟ بے شک حدیث کے الفاظ یہ نہیں کہ ''اس کی مغفرت قیامت کے دن تک ہے'' لیکن اس میں یہ شرط بھی تو نہیں ہے کہ ان شرکاء کی بعد کی زندگی بھی صلاح وتقویٰ سے معمور اور ان کی موت ایمان پر ہو۔ اگر کسی بشارت کے ساتھ کوئی شرط لگا دی جائے تو پھر بشارت ہی کیا رہتی ہے۔ قبول اسلام، حج، جہاد، ہجرت وغیرہ امور بے شک کفارات ہیں۔ عام اور معقول اصول یہی ہے کہ ان کفارات کے بعد کی زندگی صحیح اور اسلامی زندگی ہو اور موت ایمان پر ہو۔ یہ ایک عام اصول ہے۔ جب کسی خاص غزوہ کے شرکاء کو مغفرت کی بشارت دی جائے تو یہ ایک خصوصی صورت ہو جائے گی اور نہ صرف یہ مغفرت کی بشارت ہوگی بلکہ اس بات کی ضمانت بھی ہوگی کہ ان شرکاء کی بعد کی زندگی صحیح اور اسلامی زندگی ہوگی اور ان کی موت ایمان پر ہوگی۔ ورنہ بشارت بالکل بے معنی ہو جائے گی۔ شاہ صاحب کو اس بات کا اقرار ہے کہ یزید اس غزوہ میں شریک اور سالار لشکر کی حیثیت سے شریک تھے۔ حدیث میں خفیف سا اشارہ بھی نہیں ہے کہ اس لشکر کا کوئی فرد یا سالار اس بشارت سے خارج ہے۔ ایسی صورت میں کوئی وجہ نہیں ہے کہ یزید کو اس بشارت سے محروم اور خارج سمجھا جائے۔

شیخ عبدالحق محدث نے اپنی کتاب ''تکمیل الایمان'' میں دعا کی ہے:

> ''اللہ تعالیٰ ہمارے اور دوسرے اہل ایمان کے دلوں کو یزید کی محبت و الفت اس کے مددگاروں اور معاونین کی موانست اور ان تمام لوگوں کی دوستی، جو اہل بیت نبوی کے بدخواہ رہے ہیں اور ان کے حقوق کو پائمال کرتے آئے ہیں اور ان کی (اہل بیت کی) محبت وصدقِ عقیدت سے محروم رہے ہیں۔ ان کی الفت سے محفوظ و مامون رکھے''۔

اہل بیت نبی کی بدخواہی اور ان کے حقوق کی پائمالی اور ان کی محبت وصدقِ عقیدت سے محرومی کا کیا یزید ہی مرتکب اور قصوروار ہے (بشرطیکہ یہ الزام یزید پر صحیح ہوں) حضرت سید محمد حسینی خواجہ گیسو دراز (گلبرگہ) فرماتے ہیں۔

> ''اما بمجرد نقل رسول صلعم کہ ہنوز دفن ہم نہ کردہ بودند خلق علی العموم انچہ بدیشاں کردند بیان آن منہی است''

مطلب یہ کہ بعد وفات رسول جبکہ ابھی تدفین بھی عمل میں نہ آئی تھی امت نے آپ کے اہل بیت پر جو ظلم کیا وہ ناگفتہ بہ ہے۔ گویا یہ کھلا اعتراف ہے کہ حاضر الوقت سب ہی صحابہ بشمول حضرت ابوبکر و عمر و بقیہ عشرۂ مبشرہ نے اہل بیت نبوی یعنی حضرت علی اور حضرت فاطمہ پر ایسے مظالم ڈھائے اور ایسی ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی حقوق تلفی کی کہ بیان سے باہر۔ دور کیوں جائیے۔ ہمارے زمانے کے مشہور و معروف استاذ ڈاکٹر سید عبداللطیف مرحوم، سابق صدر شعبۂ انگریزی جامعہ عثمانیہ و مترجم قرآن بزبان انگریزی فرماتے ہیں:-

صحابہ صحابہ، کہاں کے صحابہ، ایمان تو اِن کے نرخرہ (حلق) کے نیچے بھی نہیں اترا اور انھوں نے رسول اللہ کو چین سے مرنے بھی نہیں دیا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو میری کتاب ''شاندار فیصلہ'' صفحہ ۱۲۶)

شیعہ عقیدے کے مطابق وفات رسول کے بعد صرف چار کے سوا سب ہی مرتد ہوگئے تھے۔ ہر سال سیدہ فاطمہ زہرا کی وفات کی مجالس میں ذکر آتا ہے کہ حضرت عمر نے دروازہ ان پر دھکیل دیا اور کوڑوں سے ان کی خوب پٹائی کی جس کے صدمے سے ان کی وفات ہوگئی۔ شیعوں کا بھی یہی استدلال ہے کہ صحابہ کی مدح میں جتنی قرآنی آیات اور احادیث ہیں اس وقت کی ہیں جبکہ ان سے اہل بیت نبوی پر مظالم صادر نہیں ہوئے تھے۔ اور اب جبکہ اہل بیت نبوی پر مظالم صادر ہوئے، حقوق کی پائمالی ہوئی تو اب وہ ان بشارتوں کے مستحق نہیں رہے بلکہ مبغوض ترین انسان قرار پائے اب ان پر لعنت واجب ہے۔ خواجہ گیسو دراز نے واضح طور پر فرمایا کہ جو پیر اپنے مریدوں پر غرہ کرتا ہے وہ دھوکہ میں ہے۔ صحابہ سے بڑھ کر کون مرید ہے اور رسول سے بڑھ کر کون پیر ہے اور رسول کی آل سے بڑھ کر کس کی آل ہے لیکن جب صحابہ نے آل رسول پر اتنا ظلم کیا تو اب مریدوں پر کیا بھروسہ کیا جائے۔ (جوامع الکلم مجلس ۵ رمضان ۸۰۲ھ)

غرض جن بنیادوں پر یزید قابل نفرت، مغفرت کی بشارت سے محروم مانا جائے ان بنیادوں پر صحابہ کرام میں سے کوئی بھی فرد قابل تعظیم اور محبت وعقیدت کا مستحق نہیں رہتا۔ یہ بات سرے سے انتہائی غلط اور فتنہ انگیز ہے کہ صحابہ کرام اور معاویہ ویزید کے ہاتھوں اہل بیت پر ناگفتہ بہ مظالم ہوئے اور ان کے حقوق کی پائمالی ہوئی۔ یہ صرف عوام و جہلاء کے جذبات کو بھڑکا کر اسلام کی حقانیت وصداقت کو مشتبہ کرنا اور اللہ کے رسول کو ایک ناقص رسول ثابت کرنا ہے۔

(۵) قرآن مجید میں منافق مردوں، عورتوں اور کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کا ذکر ہے (سورہ توبہ، آیت ۶۸) ظالموں پر لعنت ہے (سورۂ اعراف آیت نمبر ۴۴) منافق مردوں، منافق عورتوں، مشرک مردوں اور مشرک عورتوں پر لعنت ہے (سورہ فتح آیت نمبر ۶) اللہ اور رسول کو ''ایذاء'' دینے والوں پر لعنت ہے (سورہ احزاب آیت نمبر ۵۷) ان آیات پاک کے پیش نظر ظالم، منافق، مشرک، کافر اور ایسی باتیں یا حرکتیں کرنے والے جن سے اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچے، یہ سب لوگ عنداللہ ملعون ہیں۔ ان لوگوں پر لعنت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی یہ حکم نہیں دیا کہ بندے بھی ان پر لعنت کرتے رہیں۔ اس لئے بطور تذکرہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے اور ساتھ ساتھ ہم اس بات کے مکلّف یا مجاز نہیں ہیں کہ کسی متعینہ شخصیت کو کافر، ظالم، منافق یا رسول کو ایذا دہندہ قرار دے کر اس پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لعنت کریں اور خاص طور پر تاریخی روایات پر اعتماد کر کے گذری ہوئی شخصیتوں پر لعنت کرنا اپنے آپ کو معرض خطر میں ڈالنا ہے۔ شیعہ سب ہی صحابہ کو کافر، ظالم اور منافق قرار دے کر ان پر لعنت کرنا عین مطابق قرآن عمل سمجھتے ہیں۔ شیعی روایات میں ہے کہ وفاتِ رسول کے ساتھ ہی جبکہ جسدِ اطہر کی تدفین نہیں ہوئی تھی اہل بیت پر صحابہ نے بے تحاشا مظالم ڈھائے جو ناگفتہ بہ ہیں۔ خلافت اور فدک سے اہل بیت رسول (علی و فاطمہ) کو محروم کر کے ان کی حق تلفی کی اور رسول کی روحانیت کو ایذا پہنچائی۔ شیعیت سے متاثر علماء بھی اس معاملہ میں ان کے ہم نوا ہیں۔ ابھی اوپر ڈاکٹر سید عبداللطیف کا بیان نظر سے گذرا جس میں انہوں نے فرمایا ''کہاں کے صحابہ! ایمان تو ان کے نرخرہ (حلق) کے نیچے بھی نہیں اُترا''۔ ڈاکٹر صاحب کے ایک خاص شاگرد کی تحقیق یہ ہے کہ ''سب ہی صحابہ منافق تھے بجز معدودے چند کے جو مولائے کائنات سے وابستہ تھے'' (تفصیل کے لئے ملاحظہ میری کتاب ''شاندار فیصلہ'' صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷) گویا شیعہ اور سُنّی نما شیعہ حضرات کی رو سے سارے ہی صحابہ موردِ لعنت قرار پاتے ہیں۔ ابھی اوپر شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی دعا کا ذکر گذرا ہے کہ انھوں نے اہل بیت نبوی کے بدخواہوں اور ان کے حقوق کو پامال کرنے والوں کی محبت والفت سے محفوظ و مامون رہنے کی دعا کی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ سارے ہی صحابہ کی محبت دل میں نہ رہے بلکہ ان سب پر لعنت کی جاتی ہے۔ بہت سارے اہل سنت امیر یزید، حکم، مروان، زیاد، ابن زیاد، بُسر بن ارطاۃ، عمر بن سعد، مسلم بن عقبہ اور حجاج بن یوسف پر لعنت کرنا جائز قرار دیتے ہیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ روایات کا تجزیہ کرنا اور ان پر کافی غور کرنا چاہئے کہ واقعی یہ لوگ ظالم تھے یا نہیں۔ اگر ان کا ظلم ثابت ہو بھی جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہئے کہ وہ ان کے ساتھ جو چاہے معاملہ کرے۔ صرف روایات کی بنا پر ہم کسی پر لعنت کرنے کے مکلف اور مجاز نہیں ہیں۔

اب آیئے، حکم اور مروان کے بارے میں غور کریں۔ قارئین اس بات کو اچھی طرح اپنے ذہن میں مستحضر رکھیں کہ تاریخ اسلام کی تدوین بنوعباس کے دور میں ہوئی ہے۔ اور بنوعباس کے نمک خوار مورخین نے بنواُمیہ کو بدنام کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔ خوب خوب روایتیں گھڑی ہیں۔ افسانہ نگاری کی پوری مہارت دکھائی ہے۔ اس زمانے میں حدیثیں وضع کرنا اور ''عن فلان عن فلان قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم...... '' کہہ دینا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اس لئے حکم کو ملعون اور مروان کو ''اللعین ابن اللعین'' قرار دیئے بغیر وہ کیسے رہ سکتے تھے، حکم کی اولاد کو بندروں کی طرح ممبر رسول پر کود پھاند کرتی دکھانے کی روایت کیسے نہیں گھڑتے۔ اب یہ روایتیں بڑے بڑے ''تقدس مآبوں'' کے ذہنوں میں اتنی راسخ ہوگئیں کہ حکم اور مروان کے نام کے ساتھ ''حضرت'' یا ''رضی اللہ عنہ'' کا لفظ سنتے ہی پیٹ میں ناقابل برداشت مروڑ اٹھتا ہے۔ اور یہ صرف بنوعباس کے نمک خوار مورخین کی فتنہ انگیزی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیر نظر کتاب میں ''حضرت مروان بن حکم اموی'' کے عنوان کے تحت میں نے حکم کا بھی ذکر کیا ہے اوران پر لعنت کرنے اوران کو خارج البلد کرنے کی روایت پر تبصرہ کیا ہے۔ قارئین ایک بار اس کو پھر پڑھ لیں۔ ملک غلام علی صاحب نے اپنی کتاب ''خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ'' کے صفحہ (۴۸۶) پر امام ذہبی کی کتاب ''کتاب العبر'' کا حوالہ دیا ہے کہ امام موصوف اس کے واقعات میں فرماتے ہیں۔

''فیھا توفی الحکم ابن ابی العاص والد مروان اسلم یوم الفتح کان یفشی سِرَّ النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وقیل کان یحاکیه فی مشیته فطرده الی الطائف وسَبَّه ......''

ترجمہ: اس سال مروان کا والد حکم بن ابی العاص فوت ہوا، وہ فتح مکہ کے روز مسلمان ہوا تھا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے راز فاش کر دیا کرتا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آنحضور کی رفتار مبارک کی نقلیں اتارتا تھا۔ پس آپ نے اُسے طائف جلاوطن کر دیا اور اس پر لعنت بھیجی......'' (ترجمہ ملک صاحب کا ہے)

مخفی مبادکہ عربی عبارت میں ''سَبَّه'' کا لفظ ہے جس کے معنی ''بُرا بھلا کہنے'' کے ہیں۔ لیکن ملک صاحب نے ترجمہ ''اس پر لعنت بھیجی'' کیا ہے۔ (خیر ہمارے لئے یہ ''خطاء بزرگان گرفتن خطاست'' ہی سہی) ملک صاحب نے امام ذہبی کی اس کتاب کی تعریف کی ہے کہ یہ کتاب رطب و یابس اور حشو وزوائد سے پاک ہے۔ یہ کھلی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے کہ اس پیش کردہ عبارت میں لعنت کا لفظ نہیں ہے۔ اسلام لانے کے بعد حکم کو مدینہ میں رہنے کا موقعہ ہی کہاں ملا اور وہ اتنے معتمد علیہ اور مقرب ہی کہاں تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رازوں میں شریک ہوتے۔ جہاں تک میری تحقیق ہے کوئی روایت نظر سے نہیں گذری جس میں وہ کسی راز کے افشاء کے جرم میں ماخوذ ہوئے ہوں۔ خود ملک صاحب نے بھی کوئی روایت افشاء راز کی نہیں پیش کی۔ جاسوسی اور افشاء راز کی سزا قتل ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کسی افشاء راز پر انہیں قتل کیوں نہیں کروایا؟ ملک صاحب نے صفحہ (۴۸۲) پر لکھا ہے کہ ''اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ بدر کر کے طائف میں قید کر دیا تھا''۔ کیا طائف میں کوئی قید خانہ تھا جس میں آپ مجرموں کو قید رکھا کرتے تھے؟ مکہ ہی چلے جانے کا حکم دیتے تو کافی تھا۔

رفتار مبارک کی نقل کرنے کی بات کو امام ذہبی نے ''قیل'' (یہ کہا جاتا ہے کہ) کہہ کر لکھی ہے اور یہ معروف طریقہ ہے کہ جو بات صرف سُنا سُنی کی ہوتی ہے اور یقینی نہیں ہوتی اس کو علماء ''قیل'' کہہ کر لکھتے ہیں۔ ایسی صورت میں ''قیل'' کو صیغۂ تمریض کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ''قیل'' سے جو بات کہی جاتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے وہ defective ہے۔ لیکن ملک صاحب نے اس ''قیل'' پر کوئی توجہ نہیں فرمائی۔

ملک صاحب نے صفحہ (۴۸۸۔۴۸۹) پر ''مجمع الزوائد'' سے چند احادیث نقل کی ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اور (میرے والد) عمرو ابن العاص (گھر میں) کپڑے پہن رہے تھے یہاں آنے کے لئے۔ آپ نے فرمایا ابھی تمہارے پاس ایک ملعون شخص آنے والا ہے۔ میں خوفزدہ ہوکر اندر باہر آتا رہا کہ کہیں وہ عمرو ابن العاص نہ ہوں۔ یہاں تک کہ فلاں شخص (یعنی حکم) آ گیا۔

(۲) دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں ''ایک آدمی تمہارے پاس آنے والا ہے جو قیامت کے روز میری سنت یا میری ملّت پر نہیں اٹھایا جائے گا''۔

(۳) تیسری روایت کے الفاظ ہیں ''اس گھاٹی سے ایک شخص تمہارے سامنے نمودار ہوگا اور وہ اہل دوزخ میں سے ہوگا''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حَکم کو طائف جانے کا حُکم دیا تھا (وہاں قید نہیں کیا تھا) کوئی روایت نہیں ملتی یا خود ملک صاحب نے کوئی روایت پیش نہیں کی کہ وہاں انھوں نے ایسے ایسے کام کیے جس کی بنا پر وہ واجبی طور پر ملّت محمدی پر نہ اٹھائے جائیں گے اور لازمی طور پر وہ دوزخی ہوں گے۔ اسلام لانے کے بعد بھی آخر کس جرم میں انہیں اتنی سخت وعید سنائی گئی؟ دوسری بات، ان تینوں روایات سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ان سخت وعیدوں سے حضرت عمرو ابن العاص بال بال بچ گئے۔ کم از کم ان کے بارے میں نرم گوشہ ہونا چاہئے تھا کہ یہ تو ''سنتِ رسول'' پر اٹھائے جائیں گے لیکن انہیں کب بخشا گیا؟ یہ حضرت تو حضرت معاویہ کے دست راست تھے۔ ملک صاحب نے صفحہ (۳۸۵) پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب کے حوالے سے حسن بصری کا ایک قول پیش کیا ہے کہ ''لوگوں میں فتنہ وفساد کی آگ سُلگانے والے صرف دو آدمی ہیں ایک عمرو ابن عاص ہیں...... فسادیوں میں دوسرے شخص مغیرہ بن شعبہ ہیں......''

یہ ہے ہماری تاریخ کا کباڑا۔ کہ صرف بنواُمیہ اور ان کے اعوان وانصار کو جی بھر کے بدنام کیا جائے اور کسی طرح انہیں مطرود، ملعون اور دوزخی قرار دیا جائے۔

ملک غلام علی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ (۴۷۵) پر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا ایک فتویٰ، فتاویٰ عزیزیہ سے نقل کیا ہے جو مروان کے بارے میں ہے:-

> ''جواب۔ اہل بیت کی محبت فرائض ایمان سے ہے نہ کہ لوازمِ سنت۔ اور محبت اہل بیت سے ہے کہ مروان علیہ اللعنۃ کو بُرا کہنا چاہئے اور اس سے دل بے زار رہنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہیے۔ علی الخصوص اس نے نہایت بدسلوکی کی حضرت امام حسین اور اہل بیت کے ساتھ اور کامل عداوت ان حضرات سے رکھتا تھا۔ اس خیال سے اس شیطان سے نہایت ہی بیزار رہنا چاہیے'' (فتاویٰ عزیزی صفحہ ۲۲۵، ناشر سعید کمپنی۔ کراچی ۱۳۹۷ھ)

اس فتوے کے جواب میں میرا وہ پورا مضمون ملاحظہ فرمایا جا سکتا ہے جو حضرت مروان کے بارے میں اس کتاب میں موجود ہے۔ خلفاء بنو امیہ میں حضرت معاویہ اور امیر یزید ابن معاویہ کو چھوڑ کر باقی سب خلفاء حکم اور مروان کی اولاد ہیں۔ اب ان کا چاہے کچھ قصور ہو یا نہ ہو انہیں ملعون، مطرود، دوزخی اور شیطان کیسے نہیں قرار دیا جاتا!

من لعنه النبی صلی اللہ علیه وسلم او سبّه او دعا علیه ولیس هو اهلاً لذالک کان له زکواة و اجراً و رحمة : (صحیح مسلم)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس پر لعنت یا ''سب'' یا بددعا کریں اور وہ اس کا سزاوار نہ ہو تو یہ چیز اس کے حق میں اجر و برکت اور رحمت بن جائے گی۔

اس حدیث کی روشنی میں بالفرض یہ مانا جائے کہ آپ نے حکم پر ''سب'' کیا یا لعنت کی تو جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ وہ اس کے سزاوار تھے آپ کی ''سب'' اور لعنت کو حکم کے حق میں اجر و برکت اور رحمت ہی سمجھنا چاہیے۔ میں نے اوپر صراحت سے لکھا ہے کہ حکم پر الزامات صرف اس قصور پر ہیں کہ خلفاء بنی امیہ میں اکثریت ان ہی کی اولاد ہے۔

ملک صاحب نے امام ذہبی کی جو عبارت ''کتاب العبر'' سے پیش کی ہے اس میں بالکل واضح ہے کہ حکم فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور ان کو افشاء راز اور نقل اتارنے کی بنا پر طائف بھیجا گیا اور اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ''سب'' کیا، جس کا ترجمہ ملک صاحب نے ''لعنت بھیجی'' کیا ہے۔ اب یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ فتح مکہ سے قبل حکم کے افشاء راز اور نقل اتارنے کی اور اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان پر لعنت کرنے کی کوئی روایت نہیں ہے۔ ''سب'' کی جو روایت ہے وہ فتح مکہ کے بعد کی ہے جبکہ مروان پیدا ہو چکے تھے۔ پھر بھی ملک صاحب نے مختلف علماء کے حوالوں سے حضرت عائشہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ

''بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مروان کے باپ پر اس حالت میں لعنت فرمائی جبکہ مروان باپ کے صلب میں تھا، پس مروان اللہ کی لعنت میں حصہ دار ہے''

(صفحہ ۲۶۶)

جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم پر اس وقت لعنت کی جبکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مروان کی ولادت نہیں ہوئی تھی کس طرح مروان کو لعنت کا حصہ دار مانا جاسکتا ہے؟ بفرض محال حکم پر کسی وجہ سے لعنت بھی کی گئی تو آخر مروان ابھی صلب ہی میں رہنے کی وجہ سے لعنت کے حصہ دار کیسے بن گئے۔ جو شخص ابھی دنیا میں آیا ہی نہیں ملعون کیوں ہوگیا؟ باپ کے صلب میں رہ کر اس نے کیا جرم کیا؟ کیا ایک ملعون شخص کے صلب میں آنا ہی مروان کا جرم تھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے خود مروان کو حکم کے صلب میں رکھا تھا۔ قرآن مجید کی آیت ''لاتزر وازرۃ وزر اُخریٰ'' (سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۵، سورہ فاطر آیت نمبر ۱۸) سے آخر مروان مستثنیٰ کیوں ہیں کہ انہیں باپ کے جرم میں پیدا ہونے سے پہلے ہی سزا کا حصہ دار قرار دیا گیا؟

مذکورہ بالا روایات لکھ کر جناب ملک صاحب فرماتے ہیں:-

> ''ان جملہ مفسرین، محدثین اور مورخین نے مروان کے لعنت زدہ ہونے پر دلالت کرنے والی یہ ساری احادیث اپنی کتابوں میں بلا تنقید نقل کی ہیں اور ان پر درایۃً یا روایۃً کوئی اعتراض وارد نہیں کیا ہے''۔

آگے لکھتے ہیں:-

> کیا سُنی کہلانے اور صحابہ کرام کا احترام کرنے کا مطلب آپ کے نزدیک یہ ہے کہ مروان کی ہر حال میں وکالت و مدافعت کی جائے، اپنے سوا ساری دنیا کو رافضی ٹھہرایا جائے اور مروان پر کسی حدیث صحیح کی زد پڑتی ہو تو اس کا بھی انکار کردیا جائے۔

(صفحہ ۴۶۶، ۴۶۷)

کسی بات کا کئی کتابوں میں جگہ پا جانا یا کئی محدثین و مورخین کا اس کو روایت کرنا اس بات کے لئے کافی نہیں ہے کہ اس کو آنکھیں بند کر کے قبول کرلیا جائے۔ جن حضرات نے ان پر لعنت کی روایت کو بلاتنقید روایت کیا ہے اور ان روایات پر کوئی اعتراض نہیں کیا وہ سب حضرات اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ چکے ہیں وہ اپنے عمل کی کیا جوابدہی کر چکے ہیں یا قیامت کے دن کرنے والے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن ہمیں بھی اپنی عاقبت کی خیر منانی ہے۔ کسی شخص کو لعنتی اور دوزخی ماننے سے پہلے ہمیں بھی مطمئن ہونا چاہئے کہ آخر حکم اور مروان کیوں ملعون اور دوزخی ہیں جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ:

(۱) حکم کن رازوں کے افشاء کے جرم میں ماخوذ ہوئے؟ اور کتنی بار ماخوذ ہوئے؟

(۲) طائف میں انہوں نے کیا خلاف اسلام امور انجام دیئے جن کی بنا پر وہ قیامت کے روز سنت نبوی اور ملت محمدی پر نہیں اُٹھائے جائیں گے۔

(۳) کیا کوئی روایت پیش کی جاسکتی ہے کہ ہجرت سے قبل بھی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقلیں اتارتے تھے جس کی بنا پر آپ نے مکہ ہی میں ان پر لعنت فرمائی۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴) ''تفہیم القرآن'' از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی میں سورہ منافقون کے ضمن میں مولانا نے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن ابی سلول کا تذکرہ فرمایا ہے۔ لیکن مولانا نے یہ بات نہیں لکھی کہ آپ نے اس پر لعنت کی، ایک وقت خود اس کے فرزند اس کے آگے تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے کہ حضور اجازت دیں گے تب ہی مدینہ میں داخل ہو سکو گے۔ آپ نے اس کو مدینہ داخل ہونے کی اجازت دی چاہتے تو آپ اس کو خارج البلد کر سکتے تھے۔ عبداللہ بن ابی کی بہ نسبت حکم کا قصور کیا تھا (سوائے اس کے کہ وہ خلفاء بنوامیہ کے دادا تھے) کہ آپ نے حکم پر لعنت بھی کی اور مدینہ بدر کر کے طائف میں قید کر دیا''

(۵) مروان کا باپ کے صلب میں کیا قصور تھا کہ وہ غریب بھی دنیا میں آنے سے پہلے ہی لعنت کا حصہ دار قرار پایا۔ یہ سچ ہے کہ سُنی کہلانے اور صحابہ کا احترام کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ غیر ضروری طور پر کسی کی وکالت و مدافعت کی جائے لیکن یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ صحابہ کرام کو بلا وجہ معقول تنقیدوں اور لعنت و ملامت کا ہدف بنایا جائے۔ میری پیش کردہ اوپر کی پوری بحث پر ٹھنڈے دل سے غور کریں تو معلوم ہوگا کہ حکم یا مروان پر کسی صحیح حدیث کی زد پڑتی ہی نہیں۔ اس لئے نہ کسی صحیح حدیث کے انکار کی ضرورت ہے اور نہ حکم اور مروان پر لعنت ملامت کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالفرض باقتضاء بشریت حکم پر ''سب'' بھی کیا ہے تو وہ حکم کے حق میں اجر و برکت اور رحمت ہی ہے اس لئے ان دونوں حضرات کے لئے ''حضرت'' اور ''رضی اللہ عنہ'' کہنا بالکل صحیح ہے۔

اگر چہ کہ حکم کی طرح یزید پر لعنت کی کوئی حدیث پیش نہیں کی جا سکتی پھر بھی ایسی موضوع حدیثیں نظر سے گذری ہیں۔

- ''میری سنت کو بدلنے والا پہلا شخص بنی امیہ سے ہوگا جس کو ''یزید'' کہا جائے گا''
- میری امت کی تباہی بنوامیہ کے ایک شخص کے ہاتھوں ہوگی جس کا نام ''یزید'' ہوگا۔

احادیث کے بارے میں یہ طے شدہ اور مسلّمہ امر ہے کہ کسی حدیث میں بعد کے زمانے میں آنے والے کسی شخص کا نام لے کر اس کی مدح یا مذمت وارد ہو تو ایسی حدیث موضوع اور من گھڑت ہی ہوتی ہے۔ بنواُمیہ میں ایک چھوڑ کر تین خلیفہ یزید نام کے ہوئے ہیں اور یزید اول (یزید ابن معاویہ) کے زمانے میں دمشق میں اکابر صحابہ موجود تھے، کسی نے بھی حضرت معاویہ کے پاس یہ حدیث پیش کر کے یزید کا نام بدلنے یا انہیں اپنا جانشین نہ کرنے کی تاکید نہیں کی۔

پہلے تو پوری طرح کوشش کی گئی کہ یزید کو جہاد روم کے شرکاء کی مغفرت کی بشارت سے محروم اور خارج قرار دیا جائے جس پر میں نے سیر حاصل تبصرہ کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ یزید کو محروم اور خارج از زمرۂ مغفورین قرار دیا جائے لیکن ـــ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاتل نے کمی کی نہ ذرا قتل میں میرے خالی گئی بندوق تو تلوار نکالی

واقعہ کربلا اور واقعہ حرہ کے افسانوی "لرزہ خیز مظالم" کو بنیاد بنا کر ان پر لعنت کرنے کا جواز نکال ہی لیا گیا جبکہ ان فرضی اور افسانوی لرزہ خیز مظالم پر بھی تبصرہ گذر چکا ہے، کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ان پر لعنت کی جائے یا کسی درجے میں ان سے نفرت رکھی جائے۔ سبائی ذہنیت کے مورخین کی سحر کاری ملاحظہ ہو کہ دین ودانش کے کیسے کیسے سقراط وبقراط اس سے متاثر ہو کر بے تکلف ان پر لعنت کرتے اور لعنت کے جواز کے فتوے دیتے ہیں۔

دیوبند کے مشہور عالم اور محقق مولانا عبدالرشید نعمانی کی دو کتابیں "شہداء کربلا پر افتراء" اور "یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں" شائع ہوئی ہیں۔ جن کو ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی نے مرتب کر کے پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں اکابر سلف کے اقوال ملاحظہ ہوں:-

○ **لعن اللّٰہ قاتلہ وابن زیاد معہ ویزید ایضاً**

اللہ تعالیٰ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل پر لعنت کرے اور اسی کے ساتھ ابن زیاد اور یزید پر بھی (تاریخ الخلفاء، از جلال الدین سیوطی) (صفحہ نمبر ۱۶۶)

بے شک حضرت حسین کے قاتل بلکہ اہل بیت کے ایک ایک فرد پر جن بدبختوں نے تلواریں چلائی ہیں ان پر ہزار ہا لعنتیں ہوں۔ لیکن ہمارے نزدیک ابن زیاد اور یزید لعنت کے مستحق نہیں ہیں کیونکہ وہ اس زمرہ میں نہیں آتے۔

○ **غز ابو ایوب الانصاری مع یزید اللعین**

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے "یزید لعین" کی معیت میں جہاد فرمایا ہے۔

(بحوالہ احکام القرآن للجصاص) (صفحہ نمبر ۲۰۰)

○ **لعنۃ اللّٰہ علیہ وعلی اعوانہ وانصارہ**

اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو اور اس کے اعوان وانصار پر بھی

(سعدالدین تفتازانی، شرح عقائد نسفیہ) (صفحہ ۲۵۸)

مخفی مباد کہ امام ابوحفص نجم الدین النسفی (م ۵۳۷ھ) نے علم عقائد میں ایک رسالہ تحریر فرمایا تھا جو "عقائد نسفی" کے نام سے مشہور ہے اس کی شرح علامہ سعدالدین تفتازانی (م ۷۹۱ھ) نے لکھی جو "شرح عقائد نسفی" کے نام سے دینی مدارس میں داخل نصاب ہے۔ "لعنت" کے بارے میں امام نسفی نے لکھا ہے کہ:-

"بہر کیف یزید کے بارے میں علماء نے آپس میں اختلاف کیا ہے (کہ ان پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں) چنانچہ خلاصہ (مراد امام نووی کی کتاب ''خلاصۃ الاحکام'') اور دوسری کتابوں میں بالصراحت مرقوم ہے کہ یزید یا حجاج پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ان لوگوں پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے جو نماز پڑھتے ہوں اور جن کا شمار اہل قبلہ میں سے ہو۔ بعضوں نے اس وجہ سے یزید پر لعنت کو جائز سمجھا ہے کہ جب اس نے حسین کے قتل کا حکم دیا تو وہ کافر ہو گیا۔ ان لوگوں پر لعنت کرنے کو جائز قرار دیا ہے جنہوں نے حسین کو قتل کیا یا اس کا حکم دیا یا اس کی اجازت دی اس پر اپنی رضا کا اظہار کیا۔

امام نسفی کی اس عبارت پر علامہ تفتازانی نے اپنی رائے ان الفاظ میں لکھی ہے:-

''اور حق یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر یزید کا راضی ہونا اور اس پر خوش ہونا اور اہل بیت نبوی کی اہانت کرنا، ان تمام اُمور کی تفصیلات گو بطریق احاد مروی ہوں لیکن معنیً کے لحاظ سے متواتر ہیں اس لئے ہمیں تو اس کے بارے میں کیا (یعنی لعنت کرنے کے بارے میں تو کیا) اس کے ایمان کے بارے میں بھی کوئی تردد نہیں (یعنی ہم اس کو کافر یقین کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ کی اس پر بھی لعنت ہو اور اس سلسلے میں اس کے اعوان و انصار پر بھی لعنت ہو''۔

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی نے علامہ تفتازانی کے مذکورہ بالا عبارت صفحہ ۲۵۸ پر لکھی ہے۔

علامہ تفتازانی کی مذکورہ بالا عبارت پر ایک مشہور ایرانی محقق پروفیسر سعید نفیسی اپنے مضمون ''اکابر اہل سنت کی تصانیت میں تدلیس و تدسیس'' کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ ''میری رائے میں یہ پوری عبارت علامہ موصوف کی تحریر کردہ نہیں ہے بلکہ کسی سبائی نے اپنی طرف سے شامل کر دیا ہے۔ اس بارے میں پروفیسر سعید نفیسی لکھتے ہیں کہ ''شرح عقائد نسفی'' کا جو نسخہ میرے سامنے ہے اس میں ہر جگہ حضرت حسین کے نام کے آگے (رضؓ) لکھا ہوا ہے جیسا کہ اہل سنت کا مسلمہ دستور ہے اور خاص طور پر مذکورہ عبارت میں آپ کے نام کے آگے (ؑ) ہے یہ فقرہ یقیناً کسی ایسے شخص نے اپنی طرف سے کتاب میں داخل کر دیا ہے جو حضرت حسین کو انبیاء کا ہم پلہ سمجھتا ہے۔

(ماخوذ از کتاب ''اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی امیزش'' از پروفیسر یوسف سلیم چشتی (صفحہ نمبر ۷۲ تا ۷۵)

اس سے معلوم ہوا کہ فاضل دیوبند مولانا عبدالرشید نعمانی نے جو عبارت ''عالم ربانی علامہ سعد الدین تفتازانی'' کی طرف منسوب کر کے پیش کی ہے وہ علامہ تفتازانی کی ہے ہی نہیں بلکہ کسی ''گرگ بے باز'' نے اپنی طرف سے علامہ کی کتاب میں داخل کر دی ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ فاضل دیوبند اس بارے میں اچھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح تحقیق فرمالیتے۔ یزید پر لعنت کرنے کے جواز کی جو فکران پر مستولی تھی اس کی وجہ سے سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۸ انہیں مستحضر نہیں رہی۔

علماء اہل سنت کی کتابوں میں تدسیس کی (اپنی بات ٹھونسنے کی) ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

امیر یزید کے بیان کی ابتداء میں میں نے علامہ ابن کثیر دمشقی کی کتاب ''البدایہ والنہایہ'' کے حوالے سے چند جملے لکھے ہیں جن میں علامہ ابن کثیر نے یزید کی خوب تعریف کی ہے اور ان کے لئے ''امیر المومنین'' کا لفظ بھی لکھا ہے اب اس کتاب میں تدسیس دیکھئے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب ''المرتضیٰ'' میں اسی البدایہ والنہایہ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:۔

''......اس کے ساتھ ساتھ آزادی اور تعیش کی طرف بھی میلان تھا بعض اوقات نماز چھوڑ دیتا تھا اور اکثر اوقات بالکل غائب کر دیتا۔ سب سے زیادہ جو بات قابل اعتراض اور لوگوں کی ناراضگی کا سبب تھی وہ شراب نوشی کی شہرت، غیر اخلاقی طرز عمل اور خلاف شرع وضع حرکات تھیں، اس پر الحاد و زندقہ کا الزام نہیں تھا البتہ اس کے بعض اخلاق و اعمال فاسقانہ تھے کہا گیا ہے کہ یزید کی ناچ گانے، شراب نوشی، راگ رنگ اور شکار میں عام شہرت تھی۔ نابالغ لڑکے اور گانے والیاں اور کتے اپنے پاس رکھتا تھا۔ مینڈھے، بندر اور بھالو کو آپس میں لڑانے اور اس کا تماشہ دیکھنے کا شوقین تھا......''

(المرتضیٰ صفحہ نمبر ۳۵۱)

جب یزید ایسا تھا تو آخر اس کی جمی جمائی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لئے صرف حضرت حسین ہی کیوں آگے بڑھے۔ دوسرے اکابر صحابہ نہ صرف آپ کے ساتھ نہ ہوئے بلکہ آپ کو خروج کرنے سے سختی سے منع کیا۔ اس پر غور کرنے کے بعد یہ بات دو اور دو چار کی طرح قطعی ہو جاتی ہے کہ یزید کے کردار کی یہ تصویر کسی ''مسخرے'' نے البدایہ والنہایہ میں ٹانک دی ہے۔ جن لوگوں کے پیدا ہوتے ہی کان میں اذان کے ساتھ یزید کی ملعونیت بھی پڑھ کر پھونک دی گئی ہے وہ ایسی ہی روایتوں کو سینہ سے لگا لیتے ہیں۔ حقائق اور واقعات پر غور کرنے کی زحمت نہیں کرتے۔

ایرانی محقق پروفیسر سعید نفیسی نے اس بات کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ ملاحدہ اور زنادقہ (قرامطہ اور سبائیہ) نے سب سے پہلے امام احمد بن حنبل اور اس کے بعد علامہ مجدالدین فیروز آبادی اور امام غزالی کی تصانیف خصوصاً احیاء العلوم میں تدسیس کی ہے'' (صفحہ نمبر ۶۸) اس قول کے پیش نظر امام احمد بن حنبل جیسی شخصیت سے منسوب کوئی بات سامنے آئے تو آنکھیں بند کر کے قبول کرنے کی بجائے غور کرنا چاہئے کہ امام صاحب ایسی بات فرما سکتے ہیں یا نہیں۔ امام صاحب کا ایک ارشاد ہے جس کو مولانا نعمانی نے اپنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب کے صفحہ نمبر ۳۰۲ اور صفحہ نمبر ۳۲۶ پر درج کیا ہے۔

وهل يحب يزيد من يومن بالله واليوم الأخر

کیا کوئی شخص بھی جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو یزید سے محبت کر سکتا ہے؟

(بحوالہ فتاویٰ ابن تیمیہ)

صالحین سے عقیدت و محبت اور فساق و فجار سے نفرت بے شک تقاضاء ایمان ہے۔ لیکن تاریخی روایات کی بنا پر کسی خاص شخص سے نفرت کو تقاضاء ایمان قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ سورۂ منافقون کی تفسیر کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ مولانا مودودی نے بصراحت تحریر فرمایا ہے کہ عبداللہ بن اُبی کے ساتھ ایک مستقل جتھا تھا۔ اور بہت سارے مخلص صحابہ بھی اس سے کسی قدر ہمدردی کا جذبہ رکھتے تھے۔ کبھی کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شکایت کرنے پر صحابہ عرض کرتے تھے کہ آپ اس سے درگذر فرمائیں۔ آپ چاہتے تو اس کے جتھے کو توڑنے کے لئے فرما سکتے تھے کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو عبداللہ بن اُبی سے کوئی تعلق نہ رکھے اس سے محبت نہ کرے۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں فرمایا۔ ایسی صورت میں امام احمد مذکورہ بات کیسے فرما سکتے ہیں۔ واقعاتی اعتبار سے بھی امام صاحب کا یہ قول سوالیہ نشان ہے۔

میں نے بنی عبد شمس اور بنی ہاشم کے تعلقات کے ضمن میں بنو ہاشم کے ایک بزرگ حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم کا ذکر کیا ہے جو طرفین سے ہاشمی تھے۔ وہ دمشق میں قیام پذیر تھے۔ یزید بن معاویہ سے بڑی محبت رکھتے تھے اور ان ہی کو اپنا ''وصی'' بنایا تھا۔ بنو ہاشم کے دوسرے اہم فرد حضرت عبداللہ بن جعفر طیار بھی یزید پر بہت مہربان تھے۔ ان کی صاحبزادی سیدہ اُم محمد یزید کی زوجہ تھیں۔ حضرت معاویہ کی وفات کے بعد جب حضرت عبداللہ بن جعفر طیار دمشق گئے تو یزید نے آپ کا وظیفہ بڑھا کر دس لاکھ کر دیا۔ اس پر حضرت عبداللہ نے فرمایا ''فداک ابی و اُمی'' اور فرمایا کہ یہ جملہ (فداک ابی و اُمی) تمہارے سوا کسی کے لئے نہیں کہوں گا۔ اس بات کو علامہ ابن کثیر نے ''البدایہ والنہایہ'' میں علامہ بلاذری نے مورخ المدائنی کے حوالے سے اپنی کتاب ''انساب الاشراف'' جلد ۴ میں لکھا ہے۔ البدایہ والنہایہ میں حضرت عبداللہ کا یہ جملہ بھی ہے کہ ''کیا تم اس کے (یزید کے) بارے میں اچھی رائے رکھنے پر مجھے ملامت کرو گے؟''

جہاد روم کا ذکر اوپر گذر چکا ہے کہ اس دستہ میں میزبان رسول حضرت ابو ایوب انصاری بھی شریک تھے۔ اور اسی موقعہ پر آپ کی وفات ہوئی۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ بوقت وفات حضرت ابو ایوب نے امیر یزید کو بلا کر وصیت کی اور یزید ہی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ امیر یزید کو دمشق میں بہت سارے اکابر صحابہ کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ حضرت دحیہ کلبی، حضرت ابوالدرداء، حضرت اسامہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بن زید کے علاوہ اور بھی تھے جن کی صحبت یزید نے پائی۔ ان میں سے کسی نے بھی یزید سے نفرت کا اظہار نہیں کیا۔ امیر یزید کے صاحبزادوں معاویہ، خالد اور عبدالرحمٰن کی روایت حدیث کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ ان سب باتوں کے پیش نظر کیسے مانا جائے کہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا یزید سے محبت نہیں رکھ سکتا۔ اور امام صاحب کا یہ ارشاد کہ: اس سے کوئی روایت نہیں کرنا چاہئے'' (صفحہ ۳۲۶) کیسے قابل قبول ہوسکتی ہے۔ امام صاحب کے قول کے پیش نظر ان تمام صحابہ اور بالخصوص بنو ہاشم کے بزرگ حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ اور حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کے ایمان کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے جنھوں نے یزید سے محبت رکھی تھی؟

ایک اور روایت حضرت امام سے منسوب ہے جس کو مولانا نعمانی نے ''امام احمد کی تصریح کہ یزید ملعون ہے'' کے عنوان کے تحت فتاویٰ ابن تیمیہ اور تفسیر مظہری کے حوالے سے لکھا ہے (صفحہ ۳۰۲)۔ فتاویٰ ابن تیمیہ کے حوالے سے یہ ہے کہ صاحبزادہ (صالح) کے پوچھنے پر فرمایا کہ تم نے کب دیکھا کہ تمہارے باپ نے کسی پر لعنت کی ہے؟

تفسیر مظہری کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ (آپ نے فرمایا) ایسے شخص پر کیوں نہ لعنت کی جائے جس پر حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے۔ فرزند نے پوچھا: اللہ تعالیٰ نے یزید پر کہاں لعنت فرمائی ہے؟ فرمایا: جہاں یہ ارشاد ہورہا ہے کہ ''پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو خرابی ڈالو گے ملک میں اور قطع کردو گے اپنی قرابتیں، ایسے لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے پھر کردیا ان کو بہرا اور اندھی کردی ان کی آنکھیں'' (سورۂ محمد آیت نمبر ۲۲، ۲۳)

اس جملے کی تشریح میں مولانا نعمانی لکھتے ہیں کہ ''قطع رحمی'' کے بارے میں تو سب کو معلوم ہے کہ میدان کربلا میں اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کیا بیتی ذرا بھی قرابت کا پاس ولحاظ نہیں کیا گیا اور ''فساد فی الارض'' کی صراحت میں خود امام صاحب کا یہ قول پیش کیا ہے کہ: کیا یہ وہی نابکار نہیں ہے جس نے اہل مدینہ پر وہ ظلم توڑا جو بیان سے باہر ہے (صفحہ نمبر ۳۲۶) عربی کی عبارت ہے: اولیس هو الذی فعل باهل المدينة مافعل اس عربی جملہ میں لفظ ''نابکار'' کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہے: کیا یہ وہی نہیں ہے جس نے اہل مدینہ کے ساتھ کیا جو کچھ کیا: اکابر کے الفاظ کی صحیح ترجمانی کرنی چاہئے۔ اپنے جذبات بھی اس میں شریک کردینے سے غیر عربی دانوں کو تو متاثر کیا جاسکتا ہے لیکن دیانت داری کا حق ادا نہیں ہوتا۔

قرآن مجید کی آیات جو عام حکم رکھتی ہیں ان کو تاریخی روایات کی بنا پر کسی شخص کے لئے مخصوص کردینا بڑی غیر ذمہ داری کی بات ہے۔ اگر اس طرح آیات کو مخصوص کردیا جائے تو پھر کوئی صحابی بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محفوظ نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ ہمارے زمانے کے مشہور شیعہ عالم جناب حامد بن شبیر، سابق سشن جج سٹی سیول کورٹ، حیدر آباد، اپنی کتاب ''سقیفہ اور رفیقہ'' میں بعنوان ''وہ کون ہے جسے قرآن نے رسول اللہ کا سب سے زیادہ جھگڑالو دشمن کہا ہے'' سورہ بقرہ کی آیات ۲۰۴ تا ۲۰۶ کی تفصیل سے صراحت کرتے ہیں اور ان آیات کو ایک نہیں دو نہیں آٹھ وجوہ سے پورا پورا حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب پر منطبق کرتے ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں کہ ''ایسے شخص کے لئے جہنم ہی کافی ہے'' اور لکھتے ہیں کہ صحابہ میں سے کونسا صحابی ان خصوصیات کی تکمیل کرتا ہے اور کس پر خود بخود ''اَلَدُّ الْخِصَام'' کا غیر مبہم، شبہ سے خالی اور پکا تشخص ہو جاتا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب کے مذکورہ صفحات ۱۷۰ تا ۱۷۴)

امام احمد نے اتنی صراحت اور ثبوت کے ساتھ سورہ محمد کی مذکورہ آیات کو یزید کے لعنتی ہونے کے ثبوت میں پیش نہیں کیا جتنی کہ حامد بن شبیر صاحب نے حضرت عمر کے ''اَلَدُّ الْخِصَام'' اور جہنمی ہونے کے بارے میں تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر حامد بن شبیر کا یہ مضمون مولانا عبدالرشید نعمانی کی نظر سے گذرتا تو کیا وہ اس کو بھی قبول فرما لیتے۔ یا ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی اس مضمون کو ملاحظہ فرما کر اس پر ایمان لا لیں گے؟

دوسری بات یہ ہے کہ قطع رحمی اور فساد فی الارض کے بارے میں بعد کے زمانے کے لوگوں کا تاریخی روایات پر اعتماد کر کے آیات قرآنی کو کسی شخصیت پر لاگو کرنا صحیح نہیں ہے۔ ہاں حاضر الوقت شخصیتیں اگر ان آیات کو اپنے زمانے کے کسی حاکم پر لاگو کریں تو قبول کیا جا سکتا ہے۔ حضرت زین العابدین جو واقعہ کربلا کے عینی شاہد ہیں بلکہ وہ آپ کے گھر کی ہی قیامت صغریٰ تھی، اگر قطع رحمی کا حوالہ دے کہ اس آیت کی روشنی میں یزید کو ملعون قرار دیتے یا آپ اور حضرت عبداللہ بن عمر جو واقعہ حرہ کے عینی شاہد تھے فساد فی الارض کا حوالہ دے کر اس آیت کو یزید کو ملعون قرار دینے کے لئے پیش فرماتے تو پھر بھی اس کو قبول کیا جا سکتا تھا۔ مولانا عبدالرشید نعمانی اور ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی ''حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ'' حضرت زین العابدین اور حضرت عبداللہ بن عمر کا ایسا کوئی قول نہیں پیش کر سکتے۔ بلکہ ان دونوں بزرگوں کا یزید کے بارے میں کیا طریقہ رہا ہے اس کو میں نے ثبوت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

ملک غلام علی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۴۰ پر تحریر فرمایا ہے کہ:

امیر معاویہ نے زیاد کو حجاز کا بھی گورنر بنانا چاہا تو حضرت عبداللہ بن عمر نے اس کے لئے بددعا کی اور ایک پھوڑے نے اس کی جان لے لی۔ اس پر حضرت ابن عمر نے کہا:۔
اے سمیہ کے بیٹے! نہ دنیا تجھے ملی نہ آخرت''

یہ بھی تاریخی روایت ہے کہ زیاد کی موت طاعون سے ہوئی جو شہادت کی ایک صورت ہے۔ پھر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی ملک صاحب نے ابن عساکر کی کتاب ''تاریخ دمشق'' کے حوالے سے حضرت ابن عمر کی بددعا کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت ابن عمر نے صرف زیاد ہی کو بددعا کیوں دی۔ کیا واقعہ حرہ آپ کے سامنے نہیں تھا، امیر مسلم بن عقبہ کو بددعا دینے کی کوئی روایت کیوں نہیں ہے۔ اسی طرح یزید، بُسر بن ارطاۃ، حجاج بن یوسف، مروان بن حکم وغیرھم کو حضرت ابن عمر کے بددعا دینے کی کوئی روایت آپ کیوں نہیں پیش کرتے۔ کیا صرف ایک زیاد ہی ''ائمہ جور'' ہے۔ دوسرے نہیں ہیں؟ آپ کی پیش کردہ روایات کے مطابق خود امیر معاویہ نے کیا کچھ نہیں کیا؟ ''اشد علی الکفار'' کے صاحبزادے امیر معاویہ کے بارے میں کیوں دم بخود رہے؟ امیر معاویہ زیاد کو حجاز کا گورنر بنا رہے ہیں تو زیاد کا کیا قصور تھا کہ آپ نے زیاد کو بددعا دے دی اور امیر معاویہ کو کچھ نہیں کہا۔

مولانا نعمانی نے اپنی کتاب ''یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں'' میں ''حضرت ابن عباس کا سرزنش نامہ یزید کے نام'' الکامل از ابن اثیر اور ''انساب الاشراف'' از بلاذری کے حوالے سے درج کیا ہے۔ یہ سرزنش نامہ جو تمام تر واقعہ کربلا سے متعلق ہے اور اس میں وہ سارے ہی قصے ہیں جو آئے دن ہم شیعہ مجالس میں سنتے ہیں۔ اور حضرت ابن عباس کا لہجہ نہایت گرم و تلخ ہے۔ یہ بات غور طلب ہے کہ خود مولانا نعمانی کے پیش کردہ اس سرزنش نامہ میں باوجود نہایت غیظ و غضب کے حضرت ابن عباس نے سورہ محمد کی مذکورہ آیات کا حوالہ دے کر یزید کو ملعون نہیں قرار دیا ہے۔ جس قرامطی اور سبائی نے یہ سرزنش نامہ تصنیف کیا ہے اس کا ذہن (منجانب اللہ) ان آیات کی طرف نہیں گیا۔ ورنہ وہ ان آیات کو بھی شریک کر دیتا۔ سیدھی سی بات ہے کہ واقعی یزید ملعون ہوتے اور حضرت ابن عباس کا یہ سرزنش نامہ واقعی ان ہی کا لکھا ہوتا تو کیا حضرت ابن عباس کو یہ آیات مستحضر نہیں رہتیں؟

جب اس سرزنش نامہ کا ذکر آ ہی گیا ہے تو چند باتیں اور بھی سُن لیجئے۔

○ ابن اثیر کی کتاب ''الکامل'' بھی ''البدایہ والنہایہ'' کی طرح موافق و مخالف جملوں سے بھری ہوئی ہے۔ پتہ نہیں چلتا کہ ان کی اس کتاب میں کہاں کہاں تدسیس ہوئی ہے۔ صرف غور و فکر کر کے ہی سے رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ یہ یہ باتیں خواہ مخواہ ٹھونس دی گئی ہیں۔ بلاذری کی ''انساب الاشراف'' کے بارے میں خود مولانا نعمانی نے لکھا ہے کہ ''یہودیوں سے ۱۹۴۰ء میں یروشلم سے اس کو شائع کیا ہے'' اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس میں کیا اضافے اور حذف ہوئے ہوں گے۔ لیکن مولانا نعمانی نے ان دونوں کتابوں میں مذکورہ سرزنش نامہ کو پورے اعتماد کے ساتھ شائع کیا ہے۔

○ ''یزید کا خط ابن عباس کے نام'' میں یزید کا گستاخانہ انداز حضرت ابن زبیر کے تعلق سے ہے۔ حضرت ابن زبیر اور بنوامیہ کے باہمی موافق و مخالف تعلقات پر مضمون آگے آ رہا ہے۔ امیر یزید

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے حضرت ابن زبیر کا پورا پورا احترام کیا ہے ان کی بزرگی اور صحابیت کو ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے اس لئے یہ قطعاً ناممکن ہے کہ امیر یزید نے حضرت ابن زبیر کی شان میں کچھ گستاخی کی ہو۔

○ سرزنش نامہ کا مضمون بھی عجیب بھول بھلیوں کا کرشمہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط واقعہ حرہ کے بعد کا ہے جبکہ ابن زبیر کا مسئلہ کھڑا ہوا تھا۔ لیکن اس میں واقعہ حرہ کا کوئی اشارہ نہیں ہے۔ کربلا کی مفروضہ ''لرزہ خیز'' داستان کے پیش نظر کیا کوئی شخص جس کے سر میں انسانی بھیجہ ہو، بھینس کا بھیجہ نہ ہو، یزید سے توقع رکھ سکتا ہے کہ وہ ابن عباس سے خواہش کریں کہ آپ لوگوں کے دل میں میری محبت پیدا کریں اور ابن زبیر سے نفرت دلائیں۔ سرزنش نامہ میں ہے کہ:-

> ''تمہارے سواروں نے تمہارے حکم سے آغشتہ بخون ایک کھلے میدان میں اس حال میں ڈال دیا تھا کہ ان کے بدن پر جو کچھ تھا وہ چھینا جا چکا تھا۔ پیاس کی حالت میں ان کو قتل کیا گیا اور بغیر کفن بے سہارا پڑا رہنے دیا گیا ہوائیں ان پر خاک ڈالتی رہیں بھوکے بجو باری باری سے ان کی لاشوں پر آتے جاتے رہے'' (صفحہ ۲۸۴)

حالانکہ ڈاکٹر محسن عثمانی نے ''البدایہ والنہایہ'' ہی کے حوالے سے لکھا ہے کہ قبیلہ اسد کے لوگوں نے قتل کے دوسرے دن دفن کیا (صفحہ ۱۰۰)

○ سرزنش نامہ کے آخری جملہ نے بھانڈا ہی پھوڑ دیا کہ یہ کسی ایسے مورخ کا تصنیف کردہ ہے جس نے بنوعباس کو خوش کرنے کے لئے ان کے جد امجد (حضرت ابن عباس) کو صاحب وحی والہام ثابت کر دیا۔ ''آج تو نے ہم پر فتح پالی ہے ہم بھی کسی نہ کسی دن تجھ پر فتح پا کر رہیں گے'' گویا حضرت ابن عباس کو وحی یا الہام سے معلوم ہو گیا تھا کہ بنوعباس کے ہاتھوں بنوامیہ کا خاتمہ ہوگا۔ خود ڈاکٹر عثمانی نے بھی اس عباسیوں کے نمک خوار مورخ کی ہم نوائی میں لکھا ہے کہ ''تاریخ شاہد ہے کہ حضرت کی یہ پیشینگوئی پوری ہو کر رہی اور عباسیوں ہی کے ہاتھوں میں امویوں کی حکومت کا خاتمہ ہوا''۔ تاریخ اس بات کی بھی شاہد ہے کہ بنوعباس نے بنوامیہ کی حکومت کا خاتمہ کر کے خود جس بربریت اور شیطانیت کا ثبوت دیا ہے اس کی تفصیل ''خلافت وملوکیت'' میں بعنوان ''عباسیوں کے وعدے'' اور ''اُن کا عمل'' میں دیکھی جا سکتی ہے اور اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کیا اسی بنا پر حضرت ابن عباس نے بطور پیشینگوئی فرمایا ہوگا کہ ''آج تو نے ہم پر فتح پالی ہے ہم بھی کسی نہ کسی دن تجھ پر فتح پا کر رہیں گے'' اور کیا اپنی اولاد کی اسی ''فتح'' پر وہ مطمئن تھے؟

اس ضمن میں ایک بات اچھی طرح ذہن میں رکھنا چاہئے کہ البدایہ والنہایہ، انساب الاشراف، طبقات ابن سعد، طبری، الکامل از ابن اثیر، الاغانی از ابوالفرج اصبہانی، ابن خلدون وغیرہ کتب میں بلاشبہ موافق ومخالف روایتیں خلط ملط ہیں۔ جہاں مولانا عبدالرشید نعمانی اور ڈاکٹر محسن عثمانی کو ایک رُخ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی روایتیں اپنے مزاج اور اپنی رائے کے موافق پا کر ان کو قبول کرنے کا حق ہے وہاں محمود احمد عباسی، مجلس عثمان غنی، مجلس عظمت صحابہ اور انجمن پاسداران عظمت صحابہ والوں کو بھی دوسرے رُخ کی روایتیں اپنے مزاج اور اپنی رائے کے موافق پا کر ان کو قبول کرنے کا حق ہے۔ کوئی فریق ''مستند ہے میرا فرمایا ہوا'' کی ضد لے کر نہیں بیٹھ سکتا اور بزعم خویش دوسرے فریق کو "**اذالم تستحی فاصنع ماشئت**" بے حیا باش وہر چہ خواہی کن'' کا طعنہ دے کر خود حیاداری اور حق گوئی کا ٹھیکیدار نہیں بن سکتا۔

اگر چہ مولانا نعمانی نے اپنی کتاب میں یزید کو ظالم و فاسق ماننے، کافر ماننے اور لعنت و نفرت کرنے کے بارے میں بہت سے علماء کے اقوال ان کی کتابوں سے نقل کیے ہیں۔ ان سب کے جواب میں میرا یہ مضمون حاضر ہے، بعد مطالعہ قارئین خود فیصلہ کر لیں۔ البتہ ''یزید کی محبت کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ کا ایک فتویٰ'' جو کتاب کے صفحہ ۳۹۵ پر درج ہے اس کے بارے میں کچھ صراحت کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ حافظ ابن تیمیہ کا ارشاد ہے:-

> ''نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ''انسان کا حشر ان ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے اسے محبت ہوگی اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس بات کو پسند ہی نہیں کرے گا کہ اس کا حشر یزید یا اس جیسے بادشاہوں کے ساتھ ہو جو عادل نہیں تھے'' (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴، ص ۴۸۴)

اس فتوے پر کچھ لکھنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ اس خاکسار کے نام بھی ایک کرم فرمانے نہایت گرم و تلخ خط لکھا تھا کہ تیرا حشر یزید کے ساتھ ہوگا اور ہم محبانِ حسین، حسین کے ساتھ محشور ہوں گے۔ ایک صاحب نے بالمشافہ کہا کہ تم یزید، زیاد، مروان وغیرہ کو اچھا سمجھتے ہو تو تم اس بات پر راضی ہو کہ تمہارا حشر ان ہی لوگوں کے ساتھ ہو۔ اب علامہ ابن تیمیہ نے تو واضح طور پر فرمایا کہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ والا نہیں چاہے گا کہ اس کا حشر یزید کے ساتھ ہو۔

اس بارے میں پہلی بات یہ ہے کہ میری زیر نظر کتاب میں ساری بحث یہی ہے کہ یزید، مروان، زیاد وغیرہم پر ظلم و ستم، فسق و فجور اور دیگر کفریات کے جو الزامات ہیں وہ میرے نزدیک بالکل مشکوک و مشتبہ ہیں۔ اس لئے میں قطعی طور پر ان لوگوں کو فاسق، فاجر، ظالم، غیر عادل اور کافر نہیں تسلیم کرتا۔ میری یہ کتاب ہی اس بحث میں ہے کہ اسلام کی تاریخ کو ''یہودی لابی'' نے پوری طرح مسخ کیا ہے اور میں نے اس کتاب میں کوشش کی ہے کہ اسلام کی تاریخ کو سارے ہی گرد و غبار اور جھاڑ جھنکاڑ سے صاف کر کے اس کا روشن چہرہ سامنے کروں۔ یہ میری تاریخی تحقیق اور میرے غور و فکر کا نچوڑ ہے، چاہے کسی کے قابل قبول ہو یا نہ ہو، اس لئے مجھے اس بات کا طعنہ دینا کہ تیرا حشر یزید کے ساتھ ہوگا مناسب نہیں ہے میں جس نیت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے یہ کام کر رہا ہوں عنداللہ اس پر مجھے اجر عظیم کی امید ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایک بندہ مومن ہمیشہ اس بات کا امیدوار رہے کہ اس کا حشر صالحین کے ساتھ ہو، اب اللہ کے نزدیک صالح کون ہے اور غیر صالح کون ہے اس کا فیصلہ بندے نہیں کر سکتے، یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس لئے حشر کے لئے کسی متعینہ شخصیت کا نام لینا صحیح طریقہ نہیں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی مسلمانی کی حالت میں مرنے اور "الحاق بالصالحین" کی دعا فرمائی (سورہ یوسف آیت ۱۰۱) دعا کے الفاظ یہ نہیں ہیں کہ میرے باپ دادا، ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب (علیہم السلام) سے ملحق فرما۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی "الحاق بالصالحین" کی دعا فرمائی (سورہ شعراء، آیت ۸۳) اس لئے ہر مسلمان کو صالحین ہی کے ساتھ حشر کی فکر کرنی چاہئے۔ ہم اپنے طور پر یہ طے نہ کریں کہ ہمارا حشر فلاں کے ساتھ ہو یا فلاں کے ساتھ نہ ہو۔

یہ بات تو ہمارے علم میں نہیں ہے کہ علامہ ابن تیمیہ کو یہ فتویٰ دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی جس میں انھوں نے خاص طور پر فرمایا کہ جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے نہیں چاہے گا کہ اس کا حشر یزید اور اس جیسے غیر عادل بادشاہوں کے ساتھ ہو۔ ہمارا خیال ہے کہ یہاں بھی کسی ماہر کاریگر نے اس فتوے میں یزید کا نام لگا دیا ہوگا۔ امیر یزید کے بارے میں علامہ ابن تیمیہ نے "الوصیۃ الکبریٰ" میں صراحت کے ساتھ اپنے خیال کا اظہار فرمایا ہے:-

(۱) كان من شبان المسلمين ولا كان كافرا ولا زنديقا، تولىٰ بعد ابيه على كراهة من بعض المسلمين ورضا من بعضهم وكان فيه شجاعة و كرم ولم يكن مظهر اللفواحش كما يحكى عنه خصومه	"وہ (یزید) مسلمان نوجوانوں میں سے تھے، نہ کافر تھے، نہ زندیق، اپنے والد کے بعد حاکم بنے جس سے بعض مسلمان ناراض تھے اور بعض راضی تھے۔ ان میں شجاعت اور مہربانی تھی اور وہ فواحش ظاہر نہیں تھے جن کو ان کے دشمن ان سے منسوب کرتے ہیں
(۲) وهو لم يامر بقتل الحسين ولا اظهر الفرح بقتله ولا نكت بالقضيب علىٰ ثناياه ولا حمل راس الحسين الى الشام ولكن امر بمنع الحسين وبدفعه عن الامر ولو كان بقتاله	"انھوں نے نہ حسین کے قتل کا حکم دیا تھا اور نہ قتل پر مسرت کا اظہار کیا تھا اور نہ ان کے دانتوں پر چھڑی ماری، حسین کا سر شام کو لے جایا ہی نہیں گیا۔ البتہ انھوں نے حسین کو روکنے اور اپنے ارادہ سے باز رکھنے کا حکم دیا تھا خواہ اس کے لئے لڑنا ہی کیوں نہ پڑے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ ابن تیمیہ نے ان عبارتوں میں یزید کے بارے میں اپنے خیال کا اظہار فرمایا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ موصوف کی رائے یزید کے بارے میں اچھی تھی۔ان عبارتوں میں کوئی اشارہ نہیں ملتا جن کی بنا پر یہ سمجھا جائے کہ علامہ موصوف یزید کو غیر عادل سمجھتے ہوں گے۔یہ چیز ہمارے لئے حیرت انگیز ہے کہ نواب صدیق حسن خاں صاحب کا ایک فتویٰ ڈاکٹر محسن عثمانی نے نواب صاحب کی کتاب "بغیة الرائد فی شرح العقائد" کے حوالے سے اپنی کتاب کے صفحات نمبر ۳۸۱، ۳۸۲ پر دیا ہے اس صراحت کے ساتھ دیا ہے کہ ''اہل حدیث حضرات کو یزید کے بارے میں جو عقیدہ رکھنا چاہئے نواب صاحب اس کو بیان کررہے ہیں''۔اس فتوے میں وہ سارے الزامات ہیں جو بقول علامہ ابن تیمیہ یزید کے دشمن یزید کی طرف منسوب کرتے ہیں۔نواب صاحب فرماتے ہیں کہ ''جو جو برے کام اس منحوس نے اس امت کے اندر کئے ہیں وہ ہرگز کسی کے ہاتھوں نہیں ہوئے۔'' آگے لکھتے ہیں ''وہ اسی ناپسندیدہ حالت میں دنیا سے چل بسا اب اس کے توبہ کرنے اور باز آنے کا احتمال ہی کہاں رہا''۔

ہمارا خیال ہے کہ یہ فتویٰ نواب صاحب کی طرف کسی نے غلط منسوب کردیا ہے یا پھر یہ بھی صورت ہوسکتی ہے کہ علامہ ابن تیمیہ کی کتاب ''الوصیة الکبریٰ'' نواب صاحب کی نظر سے نہیں گذری۔یہ ناممکن ہے کہ نواب صاحب اس معاملے میں علامہ ابن تیمیہ سے اتنا واضح اختلاف کریں۔اہل حدیث حضرات سے اس بات کی توقع قطعاً نہیں کی جاسکتی کہ وہ علامہ ابن تیمیہ کی رائے کے مقابلے میں نواب صاحب کے فتوے کو ترجیح دیں گے جبکہ یہ فتویٰ بالکلیہ تشیّع کا آئینہ دار ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کا یہ بیان بھی بالکل واضح ہے جو ''الوصیة الکبریٰ'' میں ہے:۔

ولم یکن احد اذ ذاک یتکلم فی یزید ابن معاویة و لا کان الکلام فیه من الدین ثم حدثت بعد ذالک اشیاء فصار قوم یظهرون لعنة یزید ابن معاویه وربما کان غرضهم بذالک التطرق الی لعنة غیره	''اس وقت (واقعہ کربلا سے پہلے) کوئی شخص بھی یزید ابن معاویہ کے بارے میں کوئی بات نہیں کہتا تھا اور نہ ان کی دینداری پر کچھ کلام کرتا تھا۔اس کے بعد بعض واقعات ظہور میں آئے (واقعہ کربلا، واقعہ حرّہ اور حصار مکہ)۔ایک گروہ نے یزید پر لعنت کا اظہار شروع کیا تاکہ ان کی آڑ میں دوسروں پر لعنت کرنے کی راہ نکالی جائے۔

مطلب صاف ہے کہ بعد کے تینوں واقعات میں لوگوں نے رنگ آمیزی کر کے ان پر لعنت کرنا شروع کیا اور وہ صرف اس مقصد سے کہ ان کی آڑ میں دوسروں پر لعنت کرنے کی راہ نکالی جائے۔علامہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے واضح طور پر فرمایا کہ یزید پر لعنت کرنے والوں کا بنیادی مقصد صرف یزید پر ہی لعنت کرنا نہیں ہے بلکہ دوسروں پر بھی لعنت کرنا مقصود ہے۔ علامہ موصوف کا یہ جملہ یزید پر بڑھ چڑھ کر لعنت کرنے والوں کی ذہنی عکاسی خوب کرتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کی یزید کے بارے میں رائے جو اوپر دی گئی عبارتوں سے ہمارے سامنے آتی ہے نہ صرف اہل حدیث حضرات بلکہ جملہ احناف اور دیگر مقلدین کے لئے بھی واجب التسلیم ہے اس لئے کہ یہ رائے حقیقت پر مبنی ہے۔

ڈاکٹر محسن عثمانی نے اپنی کتاب میں ایک مضمون ''اہل سنت کا مسلک'' کے عنوان کے تحت ''مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی کی یہ شائع شدہ تحریر اس موضوع پر حرف اول بھی ہے اور حرف آخر بھی'' کی وضاحت کے ساتھ درج کیا ہے (صفحہ نمبر ۱۱، ۱۲)۔ اس تحریر میں وہ ساری ہی باتیں ہیں جن پر تبصرہ زیرنظر کتاب میں گذر چکا ہے۔ پھر بھی اس کا یہ پیراگراف غور طلب ہے۔

''اگر ایک جمی جمائی حکومت کے خلاف جس کا حاکم وفرماں روا مسلمان ہو لیکن اس کی سیرت غیر اسلامی، اس کے اخلاق و عادات قابل تنقید ہوں اور اس سے مسلمانوں کے اخلاق اور اسلامی معاشرے پر بُرے اثرات کے پڑنے کا اندیشہ ہو، کسی قسم کا اقدام خروج و بغاوت اور انتشار انگیزی کے مترادف قرار دیا جائے تو پھر خاندانِ سادات ہی کے تین صاحب عزیمت افراد زید شہید، محمد ذی النفس الزکیہ اور ان کے بھائی ابراھیم بن عبداللہ المحض کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے گی جن میں سے اول الذکر نے اموی خلیفہ ھشام ابن عبدالملک ابن مروان اور دو آخرالذکر حضرات نے خلیفہ منصور عباسی کے مقابلے میں علَم جہاد بلند کیا جو بہر حال یزید سے غنیمت اور کہیں بہتر تھے۔ اور دو عظیم الشان فقہاء اور مذاہب فقہیہ اہلسنت کے جلیل القدر ربانی امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے ان کی کھل کر تائید اور حمایت فرمائی۔ حضرت زید بن علی بن حسین نے جب ہشام ابن عبدالملک کے خلاف علَم جہاد بلند کیا تو امام ابو حنیفہ نے دس ہزار درہم ان کی خدمت میں بھیجے اور حاضری سے معذرت کی۔

(بحوالہ، امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی' از مولانا مناظر احسن گیلانی)

جمی جمائی حکومت کا حاکم مسلمان ہو اور سیرت غیر اسلامی اور اخلاق و عادات قابل تنقید ہوں تو کیا اس کی فکر صرف حضرت حسین اور حضرت ابن زبیر ہی کو تھی؟ آخر دوسرے صحابہ کیا کر رہے تھے جنھوں نے خاموشی اختیار کی تھی۔ ان میں سے کسی صحابی نے نہ اپنے طور پر کوئی اقدام کیا اور نہ ان دونوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بزرگواروں کے ساتھ ہو کر، بلکہ حضرت حسین اور حضرت ابن زبیر کو "اللہ کا ڈر" دلا کر اقدام سے روکا۔ جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ اس وقت موجود تقریباً (۵۰) جلیل القدر صحابہ اور زائد از دو سو یا تین سو اصاغر صحابہ کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے گی جنھوں نے (نقل کفر کفر نہ باشد) ایک غیر اسلامی سیرت کے حامل اور قابل تنقید اخلاق و عادت والے حاکم کو اپنا "امیر" تسلیم کر رکھا تھا۔ یہ کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ صحابہ کرام کی اتنی کثیر تعداد کے موقف پر حرف آ جائے تو آ جائے "خاندان سادات کے تین صاحب عزیمت افراد" پر کوئی حرف نہ آئے اور ان کے بارے میں کسی کی رائے متاثر نہ ہو! واقعہ یہ ہے کہ خاندان سادات کے ان تینوں "صاحب عزیمت" افراد نے جو "علم جہاد" بلند کیا وہ صرف حصول اقتدار اور حصول حکومت کے لئے کیا تھا اور صرف اس استدلال پر کہ ہم "خاندان رسالت کے گُلِ سرسَبد ہیں، حکومت اور اقتدار کا حق ہم کو حاصل ہے" دوسرے مسلمانوں کو حصول اقتدار کی ہوس نہیں تھی وہ جمی جمائی حکومتوں پر مطمئن اور "اتحاد کلمہ" پر قائم تھے۔ ان اصحاب عزیمت کو مٹھی بھر شر پسندوں نے بغاوت اور انتشار کے لئے اُکسایا تھا۔ عامۃ المسلمین کی تائید انہیں حاصل نہیں تھی۔ انہوں نے صرف اقتدار کی ہوس میں جانیں گنوائیں۔ عالی نسبی، ذاتی تقدس و تقویٰ اور دیگر محاسن و محامد کے باوجود ان حضرات کی ناکامی، شکست و قتل کا واحد سبب اقتدار کی ہوس تھا، اسی بنا پر یہ حضرات اللہ اور اہل ایمان کی نصرت سے محروم رہے۔ محمد نفس زکیہ کی خط و کتابت جو خلیفہ وقت منصور کے ساتھ ہوئی ہر تاریخی کتاب میں ملے گی اس میں بالکل واضح ہے کہ وہ کسی اصلاح کے لئے نہیں بلکہ حصول خلافت کے لئے اٹھے تھے۔ یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ان حضرات کا علم "علم جہاد" نہیں بلکہ "علم بغاوت و انتشار" تھا۔ ان کی عزیمت صرف دنیا کے لئے تھی۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو میری کتاب "دین تصوف و طریقت" صفحات نمبر ۱۹۸ تا ۲۰۰)

ہشام بن عبدالملک اور منصور عباسی کے بارے میں یہ فرمانا کہ "بہر حال یزید سے غنیمت اور کہیں بہتر تھے" صحیح نہیں۔ یزید اکابر تابعین میں سے تھے اور انہیں بے شمار صحابہ کرام کی تائید حاصل تھی۔ ہشام اور منصور کو یہ سعادت حاصل نہیں تھی۔ اس لئے یہ دونوں یزید کی جوتیوں کی گرد کو بھی نہیں پہنچتے۔ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک کے بارے میں یہ فرمانا کہ ان ائمہ کی کھلی تائید زید اور محمد نفس زکیہ کو حاصل تھی صحیح نہیں ہے۔ ان ائمہ کرام نے ان کی تائید کی ہوتی تو منصور نے امام مالک سے "مؤطا" لکھنے کی کیوں فرمائش کی ہوتی اور کیوں مؤطا ہی کی بنیاد پر حکومتی قانون کی تدوین کا ارادہ ظاہر کیا ہوتا۔ امام ابو حنیفہ کے شاگرد رشید حضرت امام ابو یوسف عہد عباسی میں کیسے "قاضی القضاۃ" کے عہدہ پر فائز رہتے اور کیسے فقہ حنفی کی اشاعت کر سکتے تھے۔ امام صاحب نے زید کو دس ہزار کی رقم جو بھیجی وہ معمول کا "نذرانہ" تھی جو آپ خاندان رسالت سے عقیدت اور زید سے علمی استفادہ کی بنا پر انھیں پیش کیا کرتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاضری سے معذرت کر دینا خود اس بات کا ثبوت ہے کہ امام صاحب زید کے اس اقدام سے متفق نہیں تھے۔ اہل سنت کے ان دو جلیل القدر اماموں کو ''بغاوت اور انتشار'' کا موئید قرار دینا ان دونوں بزرگواروں کی توہین ہے۔

مذکورہ بالا صراحت کے پیش نظر ڈاکٹر محسن عثمانی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تحریر کو ''اہل سنت کا مسلک'' عنوان دینے کی بجائے ''غیر اہل سنت کا مسلک'' عنوان دیتے تو یہ تحریر اس موضوع پر یقیناً حرف اول بھی ہوتی اور حرف آخر بھی۔

مولانا عبدالرشید نعمانی نے لکھا ہے کہ:

> ''عبدالملک مروانی جب تخت حکومت پر براجمان ہوا تو اس نے یزید کے زوال سے عبرت پکڑ کر حجاج بن یوسف کو یہ تاکید کر دی تھی بنو ہاشم سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہ کیا جائے کیونکہ آل ابی سفیان نے جب ان پر زیادتی کی تو ان پر زوال آ گیا''۔
> (صفحہ ۲۲۹)

آگے علامہ ابن تیمیہ کا بیان لکھا ہے کہ:

> ''حجاج نے باوجودیکہ وہ بڑا اہلا کو اور سخت خون ریز تھا اور اس نے ایک خلق کثیر کو قتل کر دیا تھا تاہم اشراف بنی ہاشم میں کبھی کسی کو قتل نہ کیا''۔

یزید کا عبرت ناک زوال اس وقت ہوتا جب واقعہ کربلا کے لرزہ خیز مظالم کی بناء پر عالم اسلام میں تہلکۂ عظیم برپا ہوتا۔ سارے ہی مسلمان، صحابہ، صحابہ زادے، تابعین اور علماء اٹھ کھڑے ہوتے اور بنی امیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے، یزید اور اس کے اعوان و انصار کو پکڑ کر عبرت ناک سزا دیتے۔ نہ واقعہ کربلا پر کچھ ہنگامہ برپا ہوا اور نہ واقعہ حرہ اور حصار کعبہ پر، یہ اور بات ہے کہ خلافت و حکومت آل ابی سفیان سے نکل کر آل مروان میں منتقل ہو گئی۔ اس کی صراحت آگے آ رہی ہے۔ خلافت و حکومت رہی بنو امیہ ہی میں۔ اب عبرت کا کیا سوال ہے؟ جہاں تک حجاج بن یوسف کو اشراف بنی ہاشم سے تعرض نہ کرنے کی تاکید کی بات ہے یہ بالکل واضح حقیقت ہے کہ عبدالملک کے بنو ہاشم سے غیر معمولی خلوص و محبت کے تعلقات تھے جس کو زیر نظر کتاب میں کئی جگہوں پر بیان کیا گیا ہے۔ بنو ہاشم ہی پر کیا منحصر ہے جیسا کہ آگے حضرت عبداللہ بن زبیر کے بیان میں آئے گا عبدالملک نے حضرت ابن زبیر کا پورا پورا احترام کرنے کی حجاج کو تاکید کی تھی۔ خود یزید نے بھی حضرت ابن زبیر کا پورا پورا احترام ملحوظ رکھا تھا۔

یزید کے ''عبرت ناک انجام'' کی بات صرف تاریخ اسلام کی تفصیلات سے ناواقف مسلمانوں کو متاثر کرنے کے لئے کہی جا سکتی ہے۔ حقائق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عبداللہ بن زبیر اسدی قریشی

رضی اللہ عنہما

ولادت: ہجرت نبوی کے قریب چھ ماہ بعد — شہادت: ۱۷؍ جمادی الاول ۷۳ھ

مولد: مدینہ منورہ (بمقام قبا) — مقام: مکہ معظمہ (بمقام حجون)

یہ وہ مقام ہے جہاں آج قبرستان ''المعلی'' ہے۔

نام ونسب: نام عبداللہ، کنیت ابوخُبیب ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے: عبداللہ بن زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔ قصی پر یہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ، خویلد بن اسد کی صاحبزادی تھیں۔ مشہور عیسائی عالم ورقہ بن نوفل بن اسد اسی خاندان کے فرد تھے۔ ابوجہل اور حضرت خالد بن ولید کا نسب بھی عبدالعزیٰ بن قصی پر اس نسب سے مل جاتا ہے۔ اس خاندان کی یہ عجیب روایت ہے کہ خویلد، ان کے فرزند عوام، ان کے فرزند زبیر، ان کے فرزند عبداللہ، ان کے فرزند خُبیب اور ان کے فرزند بکّار، مسلسل ان چھ افراد کی موت قتل سے ہوئی ہے۔ قریش کے خاندانوں میں ایسی صورت کہیں بھی نہیں پیش آئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کی والدہ مکرمہ سیدہ اسماء حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادی تھیں اور ان کی دادی یعنی حضرت زبیر کی والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی تھیں۔ جو پہلے خاندان بنو امیہ میں حارث بن حرب بن امیہ سے بیاہی گئی تھیں۔ حارث کے انتقال کے بعد عوام بن خویلد سے بیاہی گئیں۔ اس طرح حضرت عبداللہ بن زبیر کو ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے گوناں گوں قرابت کا شرف حاصل ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک بار ام المومنین عائشہ صدیقہ نے حسرت سے فرمایا کہ کاش مجھے بھی اولاد ہوتی اور میری بھی کنیت ہوتی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے بھانجے عبداللہ کو اپنا بیٹا بنالو اور اپنی کنیت ''اُمّ عبداللہ'' رکھو۔ اس روایت کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُم المومنین عائشہ کے ''منہ بولے'' فرزند ہونے کا بھی شرف انہیں حاصل تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ولادت باسعادت

جب مسلمانوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت شروع کی تو ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ تا آنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق بھی مدینہ تشریف لائے۔ یہودیوں نے مشہور کر دیا تھا کہ یہ لوگ معتوب اور مسحور ہیں اس لئے اولاد سے محروم ہیں۔ ہجرت نبوی کے قریب چھ مہینے بعد حضرت زبیر اور سیدہ اسماء نے ہجرت کی اور اس وقت سیدہ اسماء حاملہ تھیں قبا کے مقام پر وضع حمل ہوا اور حضرت عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت مہاجر صحابہ کے لئے ایک مژدۂ عظیمہ سے کم نہیں تھی۔ خوشی و مسرت میں صحابہ کرام نے تکبیر بلند کی۔ بچہ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر خدمت نبوی میں پیش کیا گیا آپ نے اپنی گود میں لیا۔ سیدھے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی ''عبداللہ'' نام رکھا اور کھجور منگوا کر ''تحنیک'' کی۔ سر پہ دست مبارک رکھا اور برکت کی دعا دی۔ اسلام میں حضرت عبداللہ بن زبیر پہلے بچے ہیں جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''تحنیک'' فرمائی۔ تب ہی سے تا قیامت ہر مسلمان بچہ کی ولادت پر اسی سنت کی اتباع میں ''تحنیک'' کی جاتی ہے۔ سب سے پہلی چیز جو حضرت عبداللہ کے منہ میں گئی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چبایا ہوا کھجور کا ٹکڑا تھا۔ جب سات سال کے ہوئے تو والد بزرگوار نے بیعت کرنے کا حکم دیا۔ اس حکم کی تعمیل میں خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو آپ نے مُسکرا کر قریب بلایا اور بیعت لی۔ ان عظیم خصوصیات کے باعث وہ سارے ہی محاسن و محامد کے حامل تھے جو ایک جلیل القدر صحابی کے شایانِ شان ہیں۔ نہایت عبادت گذار، قائم اللیل، صائم النہار، مجاہد فی سبیل اللہ، عالم و فاضل تھے۔ شجاعت و بسالت اور حرب و ضرب میں بے مثل تھے۔ بچپن کا واقعہ ہے کہ چند بچوں کے ساتھ گلی میں کھیل رہے تھے۔ اتفاقاً حضرت عمر فاروق اُدھر آ نکلے۔ سب بچے حضرت عمر سے ڈر کر بھاگ گئے اور یہ اسی طرح اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ حضرت عمر نے پوچھا: تم کیوں نہیں بھاگے؟ کہا: کیوں بھاگوں! کیا گلی تنگ ہے اور آپ کو جانے کے لئے راستہ نہیں ہے۔ اور میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے جو آپ سے ڈر کر بھاگوں۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ بچپن ہی سے کتنے جری اور نڈر واقع ہوئے تھے۔ نماز انتہائی انہماک اور خشوع و خضوع سے پڑھتے تھے اور اتنے بے حس و حرکت ہو جاتے تھے کہ پرندے آ کر بدن پر بیٹھنے لگتے۔ ایک بار کسی کے پوچھنے پر فرمایا کہ نماز پڑھنے کا یہ طریقہ میں نے اپنے نانا حضرت ابوبکر صدیق سے سیکھا ہے۔

حدیث خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور پھر اپنی خالہ ام المومنین عائشہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ سے روایت کرتے ہیں۔ کتب حدیث میں ان کی ۳۳ مرویات ہیں۔ فقہ میں مدینہ کے صاحب علم و

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افتاء صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ قیام مکہ معظمہ کے زمانہ میں اگر چہ ایک دن بھی چین نصیب نہیں ہوا پھر بھی خانہ کعبہ کی ابراہیمی بنیاد پر تعمیر کی اور حطیم کو خانہ کعبہ میں شریک کیا۔ یہ امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے عین مطابق تھا۔ عام طور پر مشہور تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں ایک جگہ کی بڑی فضیلت فرمائی ہے اور وہ جگہ ام المومنین عائشہ کو معلوم ہے۔ حضرت عائشہ نے یہ جگہ کسی کو نہیں بتائی۔ انھوں نے حضرت عائشہ سے سخت اصرار کر کے وہ جگہ معلوم کی اور اس جگہ ایک ستون بنا دیا۔ آج تک یہ ستون مسجد نبوی میں ''ستوانِ عائشہ'' سے موسوم موجود ہے۔

قارئین اس بات کو اچھی طرح ملحوظ رکھیں کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے کئی فرزند تھے لیکن جب کبھی ''ابن عباس'' کہا جائے تو صرف حضرت عبداللہ بن عباس مراد ہوتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق کے بھی کئی فرزند تھے اور جب کبھی ''ابن عمر'' کہا جائے تو صرف حضرت عبداللہ بن عمر مراد ہوتے ہیں۔ اسی طرح حضرت زبیر بن عوام کے بھی کئی فرزند تھے اور جب کبھی ''ابن زبیر'' کہا جائے تو صرف حضرت عبداللہ بن زبیر مراد ہوتے ہیں۔

مجاہدانہ کارنامے

عہد فاروقی کی جنگ یرموک (سنہ ۱۶ھ) میں عین نوجوانی میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد سے جنگی مہمات میں حصہ لیتے رہے۔ حضرت عمر کے سفر بیت المقدس میں ساتھ تھے۔ جنگ جمل میں اپنے والد بزرگوار اور خالہ محترمہ کے ساتھ تھے اور پر جوش انداز میں جنگ میں حصہ لیا۔ اس جنگ میں چالیس سے زیادہ گہرے زخم آئے تھے۔ ام المومنین کے اونٹ کے قریب تلوار چلا رہے تھے کہ مالک اشتر سے سامنا ہو گیا۔ دونوں میں خوب زور آزمائی ہوئی پھر اپنی تلوار پھینک کر مالک اشتر سے لپٹ گئے اور چیخنے لگے:۔

اقتلونی و مالکا اقتلوا مالکاً معی

مجھے اور مالک کو قتل کر ڈالو، مالک کو میرے ساتھ قتل کر دو۔ مطلب یہ کہ کسی طرح مالک کو قتل کر دو خواہ اس میں مجھے بھی قتل کر دینا پڑے۔ مالک اشتر بعد میں کہا کرتا تھا کہ بنوضبہ اور بنواُزد کے لوگ مجھے اشتر کے نام سے جانتے ہیں اگر مالک کے نام سے جانتے ہوتے تو میرا قیمہ کر دیتے۔

بنوامیہ سے تعلقات

بنوامیہ سے موافق و مخالف تعلقات رہے۔ جنگ جمل جو صرف قصاص خون عثمان کے مطالبہ پر ہوئی تھی اس میں پر جوش شریک تھے جبکہ حضرت عثمان بنوامیہ کے اہم فرد تھے۔ حضرت علی کی شہادت کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد حضرت معاویہ کی بیعت میں داخل ہوگئے۔اختلاف کی بنیاد یزید کی ولیعہدی کے مسئلہ سے پڑی۔اس مسئلہ پر حضرت معاویہ سے گفتگو میں پیش پیش رہے۔جس کی بنا پر یہ حضرت معاویہ کی نظر میں کھٹکنے لگے۔

یہ جو مشہور ہے کہ حضرت معاویہ نے اپنی وصیت میں یزید کو ہدایت کی تھی کہ ''جو شخص لومڑی کی طرح مکاری کرے گا اور شیر کی طرح حملہ کرے گا وہ عبداللہ بن زبیر ہے، اگر اس پر قابو پاؤ تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔اس لئے ''البدایہ والنہایہ'' ج ۸ کی روایت کے مطابق حضرت معاویہ نے اپنے متوقع جانشین کی ایک فہرست جو اپنے ذہن میں رکھی تھی اس میں چھ اصحاب تھے۔ان چھ میں ایک نام عبداللہ بن زبیر کا بھی تھا۔اگر حضرت معاویہ ان کے اتنے دشمن ہوتے تو اپنا متوقع جانشین کیوں قرار دیتے۔اس موقعہ پر حضرت معاویہ نے ان کے لئے یہ الفاظ استعمال فرمائے تھے۔

وامارجل یتردد الشریعة مع دواهی السباع ویروغ روغان الثعلب فعبد الله ابن الزبیر –	اور وہ صاحب جو منبع شریعت ہونے کے ساتھ ساتھ درندوں کی سی شجاعت اور لومڑی کی سی ہوشیاری رکھتے ہیں وہ ہیں عبداللہ بن زبیر۔

زبیری خاندان اور بنو امیہ کے تعلقات بڑے عجیب وغریب واقع ہوئے ہیں۔دوستی اور عقد و نکاح کے تعلقات بھی تھے اور ساتھ ساتھ جنگ وجدال بھی رہتی تھی۔فی الوقت کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:-

○ حضرت ابن زبیر کے ایک سوتیلے بھائی عمرو بن زبیر تھے۔ان کی والدہ حضرت خالد بن سعید بن عاص بن امیہ کی صاحبزادی تھیں۔ان حضرت خالد کا ذکر میں نے عہد رسالت میں بنوامیہ کی خدمات کے ضمن میں کیا ہے۔حضرت زبیر کے یہ صاحبزادے عمرو ننہیال کی جانب سے اموی تھی۔ان کا ذکر آگے آئے گا۔

○ ایک اور سوتیلے بھائی مصعب بن زبیر ہیں جن کا ننہیالی تعلق بنوکلب سے ہے۔ان میں اور اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان میں بڑی گہری دوستی اور محبت تھی۔ ۷۱ھ ہجری میں جب حضرت ابن زبیر اور عبدالملک بن مروان میں چپقلش شروع ہوئی اور جنگ کی نوبت آئی تو مصعب جو اپنے بھائی کی طرف سے عراق کے عامل تھے مقابلے پر آئے۔عبدالملک نے پوری کوشش کی مصعب میدان سے ہٹ جائیں لیکن مصعب بھائی کی حمایت میں ہٹنے پر راضی نہیں ہوئے آخر جنگ میں قتل ہوگئے۔ان کے قتل پر عبدالملک کو سخت رنج ہوا کہنے لگے:''مجھ میں اور مصعب میں بڑی دوستی تھی اور وہ مجھے بے حد محبوب تھے لیکن بُرا ہو اس دنیا کا کہ اس کی وجہ سے تعلقات کا لحاظ نہیں رہتا''۔

○ عبدالملک اور مصعب بن زبیر کی اس جنگ میں امیر یزید کے فرزند خالد بن یزید، عبدالملک کی طرف سے میسرہ کی کمان کررہے تھے اور ان کے بھائی عبداللہ بن یزید میمنہ پر تھے۔اس جنگ کے دو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سال بعد یعنی ۷۳ھ میں جبکہ عبدالملک کے حکم سے امیر حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو گرفتار کرنے کے لئے مکہ معظمہ کا محاصرہ کیا تھا، خالد بن یزید نے مصعب بن زبیر کی چھوٹی بہن رملہ سے عقد کرلیا۔ حجاج کے اعتراض کرنے پر خالد نے کہا کہ قریش آپس میں کتنی ہی جنگ و جدال کریں جب لڑائی ختم ہو جاتی ہے تو پھر وہ اپنی نجابت و شرافت اور رشتہ داری پر پلٹ آتے ہیں"۔ حجاج نے کہا کہ انھوں نے (ابن زبیر نے) آپ کے والد پر الزامات لگائے تھے اور خلافت کے بارے میں جھگڑا کیا تھا۔ اس کے جواب میں خالد نے کہا کہ انھوں نے میرے والد پر جھوٹا الزام نہیں لگایا بلکہ لوگوں نے انہیں غلط باور کرایا تو انہوں نے ان پر اعتماد کرلیا۔ اور واقعہ بھی یہی تھا کہ حضرت عبداللہ بن مطیع اور حضرت عبداللہ بن زبیر کو درمیان والوں نے غلط باور کرایا تھا۔ ان دونوں حضرات نے بھی واضح طور پر فرمایا تھا کہ یہ بات ہم تک پہنچی ہے۔ چنانچہ بلاذری نے "انساب الاشراف" میں حضرت ابن زبیر کا قول نقل کیا ہے کہ

بلغني انه يصبح سكران ويمسى كذالك	مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ نشہ کی حالت میں ان کی صبح و شام ہوتی ہے

حضرت ابن زبیر کی سیاسی سرگرمیوں کے تذکرے سے قبل یہ بات قارئین کے علم میں رہنا ضروری ہے کہ اس دور میں کچھ حضرات ایسے تھے جن کی نجی زندگی کچھ اور تھی اور سیاسی زندگی کچھ اور۔ وہ یہ ہیں:۔

حجر بن عدی، حسین بن علی، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن حنظلہ، زید بن علی، محمد نفس زکیہ اور سعید بن جبیر۔ یہ حضرات اپنے تقدس و تقویٰ، صالحیت، علم و فضل، عبادت و ریاضت وغیرہ محاسن میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ ان کے ذاتی کردار پر کسی نے کوئی حرف نہیں رکھا۔ محمد نفس زکیہ تو اپنے وقت کے "مہدی" کہلاتے تھے۔ لیکن جب ان حضرات نے سیاست میں قدم رکھا تو ان کا موقف متنازعہ ہو گیا۔ حجر بن عدی خلافت و حکومت کے دعویدار نہیں تھے اور نہ اس قسم کا کوئی دعویٰ کر سکتے تھے۔ البتہ اس بات پر مُصر تھے خلافت اہل بیت اور آل رسول کا حق ہے اور وہ حق انہیں ملنا چاہئے۔ ان کی ساری معرکہ آرائیاں اسی کے لئے تھیں۔ ایک جمی جمائی حکومت کے خلاف اس قسم کی ہنگامہ آرائی "بغاوت اور انتشار" ہی کی تعریف میں آتی ہے۔ اور یہی صورت عبداللہ بن حنظلہ کی تھی کہ وہ بھی ابن زبیر کے کارندوں کے اُکسانے پر ایک جمی جمائی حکومت کے خلاف بیعت شکنی کر کے کھڑے ہو گئے اور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ سعید بن جبیر اپنی خلافت کے دعویدار نہیں تھے لیکن وہ عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کے ساتھ بنو امیہ کے خلاف کھڑے ہوئے اور شکست کے بعد اس جرم میں ماخوذ ہو کر قتل کئے گئے۔ حجاج کے ساتھ ان کا مکالمہ صرف حجاج کے غصہ کو بھڑکانے والا تھا۔ اگر مکالمے میں احتیاط سے کام لیتے تو شائد قتل نہ کئے جاتے۔ بقیہ چاروں حضرات صرف اپنی خلافت کے دعویدار تھے اور حصول حکومت و اقتدار ان کا مطمح نظر تھا۔ ان چاروں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرات نے صرف اسی مطمح نظر کیلئے اپنی جانیں گنوائیں۔ سبائی ذہنیت کے مورخین نے حجر کے بارے حضرت معاویہ پر الزامات لگائے۔ واقعہ کربلا، واقعہ حرہ اور حصار مکہ کے ضمن میں امیر یزید کو جی بھر کر بدنام کیا، ابن زبیر اور سعید بن جبیر کے قتل کے ضمن میں حجاج بن یوسف کو امت کا ظالم ترین شخص قرار دیا۔

سیاسی سرگرمیاں

اوپر گذرا ہے کہ ابن زبیر نے مسئلہ ولیعہدی کے موقع پر حضرت معاویہ سے جو گفتگو کی اس کی بنا پر وہ حضرت معاویہ کی نظر میں کھٹکنے لگے۔ بہت ممکن ہے کہ حضرت معاویہ نے یزید کو وصیت فرمائی ہو کہ یہ ایک خطرناک شخص ہیں ان سے ہوشیار رہنا۔ حضرت حسین بھی حضرت معاویہ کی نظر میں کھٹک گئے تھے، اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے اور حضرت معاویہ نے وصیت فرمائی تھی کہ حسین مزاجی طور پر اتنے خطرناک نہیں ہیں ان کا موقف سبط رسول ہونے اور خود ہم سے قریبی رشتہ داری کی بنا پر اہمیت کا حامل ہے۔ عراقیوں کی شہ پر بہت ممکن ہے کہ یہ اُٹھ کھڑے ہوں۔ لیکن ان کا پورا پورا پاس ولحاظ کرنا۔

حضرت معاویہ کے انتقال کے بعد جبکہ ان کے بھتیجے ولید بن عقبہ بن ابی سفیان مدینہ کے گورنر تھے امیر یزید نے ان کو حکم بھیجا کہ حضرت حسین اور حضرت ابن زبیر سے بیعت لی جائے تا کہ سابق میں ان حضرات نے ولیعہدی کی جو بیعت کی ہے اس کی توثیق ہو جائے۔ ولید نے پہلے حضرت حسین کو طلب کیا۔ ولید کے ہاں کیا ہوا اس کی تفصیل حضرت مروان کے حالات میں گذر چکی ہے۔ بہرکیف یہ دونوں حضرات مدینہ سے مکہ روانہ ہو گئے۔ ابن زبیر نے اپنے آپ کو 'عائذ بالبیت' (حرم میں پناہ گزین) قرار دیا۔ حضرت حسین، حضرت عباس بن عبدالمطلب کے مکان میں اُترے، یہاں عراقیوں نے حضرت حسین کو خروج پر اُبھارنے کے لئے ریشہ دوانیاں شروع کیں۔ حضرت حسین عرصہ تک اس تذبذب میں تھے کہ ان عراقیوں پر اعتماد کر کے جائیں یا ان کی بات رد کر دیں۔ اس عرصہ میں حضرت ابن زبیر سے بھی ملاقاتیں رہتی تھیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ ایک ملاقات میں ابن زبیر نے کہا کہ اگر مجھے اس طرح کا بلاوا آتا تو میں ضرور چلا جاتا۔ گویا اشارہ یہ تھا کہ آپ چلے جائیں۔ پھر حضرت ابن زبیر سنبھل گئے اور کہا آپ یہاں ہی رہئے دیکھئے آگے کیا ہوتا ہے۔ حضرت حسین اس نکتہ کو تاڑ گئے۔ ابن زبیر کے چلے جانے کے بعد فرمایا: انہوں نے مجھے جانے کا مشورہ اس لئے دیا ہے کہ میری موجودگی میں وہ اپنے عزائم کھل کر پورے نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت حسین کو مکہ سے نکلنے کے وقت سارے ہی مخلصین ومحبین نے روکا تھا۔ صرف حضرت ابن زبیر تھے جنہوں نے جانے کا مشورہ دیا اور روکا بھی تو ٹھنڈے انداز میں۔ قیام مکہ کے زمانے میں حضرت حسین اور حضرت ابن زبیر کے واقعات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ دونوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرات اپنی اپنی خلافت کے لئے جدو جہد فرما رہے تھے۔ اگر خلیفہ وقت کے اعمال کی اصلاح مقصود ہوتی تو دونوں حضرات مل کر کوئی منصوبہ بناتے لیکن دونوں حضرات ایک دوسرے کو اپنی راہ میں کانٹا سمجھتے تھے اور حضرت ابن زبیر کے لئے تو حضرت حسین کا وجود ایک بھاری رکاوٹ کی حیثیت رکھتا تھا۔ آخر حضرت حسین مکہ سے بعزم کوفہ نکلے اور ایسے نکلے کہ پھر واپس نہ آ سکے۔

واقعہ کربلا کے بعد حضرت ابن زبیر کے لئے میدان صاف ہو گیا۔ انہوں نے اپنے رفیق خاص صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مطیع کے ذریعہ مدینہ والوں کو یزید کی شراب نوشی اور ترک نماز وغیرہ کا حوالہ دے کر بغاوت کے لئے اُکسایا۔ واقعہ کربلا کا کوئی ذکر حضرت عبداللہ بن مطیع کے بیان میں نہیں ہے۔ اس وقت تک قتل حسین کی ذمہ داری حکومت پر عائد نہیں کی گئی تھی۔ اس وقت حکومت کے شدید مخالفین بھی واقعہ کربلا پر کوئی کلام نہیں کرتے تھے۔ واقعہ حرہ کی تفصیل گذر چکی ہے۔ حضرت ابن زبیر کی یہ سرگرمیاں ایک **عائذ بالبیت** کی حیثیت سے نہیں تھیں بلکہ حکومت کے خلاف باقاعدہ شورش اور ہنگامہ آرائی کی سرگرمیاں تھیں۔ بلاذری کی روایت کے مطابق امیر یزید نے ایک خط حضرت ابن زبیر کو لکھا کہ آپ قریش کے سن رسیدہ بزرگ اور قابل احترام ہستی ہیں، آپ کے تقدس وتقویٰ، علم وفضل کے سب معترف ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی میں بہت سارے اچھے کام کئے ہیں۔ آپ اللہ کے لئے کوئی ایسا اقدام نہ کیجئے کہ ان سب پر پانی پھر جائے۔ سب لوگ جماعت میں داخل ہو چکے ہیں آپ بھی داخل ہو جایئے۔ لیکن اس مؤدبانہ اور مخلصانہ خط کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ سرگرمیاں ہنوز جاری رہیں۔ امیر یزید نے حضرت ابن زبیر کے بھائی عمرو بن زبیر جو حضرت خالد بن سعید ابن العاص کے نواسے اور ننہیال سے اموی اور حکومت میں ''امیر الشرطہ'' (پولیس آفیسر) تھے، ان کو حضرت ابن زبیر کی تجدید بیعت ورنہ گرفتاری کے لئے بھیجا۔ حضرت ابن زبیر نے اُلٹا عمرو ہی کو گرفتار کر لیا اور پھر ان کو اس قدر پٹوایا کہ ان کی موت واقع ہو گئی۔ بعض روایت میں ہے کہ لاش کو بازار میں لٹکا دیا۔ اس واقعہ کی اطلاع امیر یزید کو پہنچی تو انہوں نے عمرو بن سعید گورنر حجاز کو ہٹا کر ان کی جگہ حضرت ولید بن عقبہ اموی کا تقرر کیا۔ انھوں نے چارج لیتے ہی حضرت ابن زبیر پر پابندیاں عائد کرنی شروع کیں۔ اس پر حضرت ابن زبیر نے امیر یزید کو لکھا کہ تم نے کس بے وقوف کو ہمارے اوپر متعین کیا ہے جو بات سمجھانے پر سمجھتا نہیں، عقل کی بات پر غور کرتا نہیں، کسی سمجھدار آدمی کو یہاں کے لئے مقرر کر دو تا کہ معاملات اچھی طرح حل ہو سکیں اور بہتری کی صورت نکل آئے۔ امیر یزید نے ولید بن عقبہ کو ہٹا کر اپنے چچازاد بھائی عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو متعین کیا۔ جو نوجوان اور ناتجربہ کار تھے۔ اب ابن زبیر کو اچھا موقع مل گیا۔ اپنی کارروائیاں پھر تیز کر دیں۔ عقبہ بن ابی سفیان کے غلام سعد اپنے پچاس ساتھیوں کے ساتھ طائف میں تھے۔ ابن زبیر نے ان سب کو پکڑ منگوایا اور حدود حرم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ان کی گردنیں ماردیں۔ یہ امر سب کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: میں اپنے باپ کے قاتل کو بھی حدود حرم میں دیکھتا تو کچھ تعرض نہ کرتا۔ حضرت ابن عمر سخت ناراض ہوئے اور فرط ناراضگی میں ان کی زبان سے نکلا کہ انہوں نے حدود حرم میں مسلمانوں کی خون ریزی کی ہے کیا عجب ہے کہ وہ بھی حدود حرم میں قتل ہوں۔ یہ حالات تھے جس میں امیر یزید نے حضرت ابن عباس کو خط لکھا جس کو ڈاکٹر عثمانی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۸۱ پر دیا ہے۔ اگرچہ کہ یہ خط بھی خرد بُرد کا شکار ہے۔ اس میں ابن زبیر کے لئے یزید کے قلم سے ''ملحد'' کا لفظ بالکلیہ کسی فتنہ پرداز کی کارستانی ہے اور ان کے لئے ''حرم کعبہ کی حرمت کو حلال کرنے والے'' کا لفظ بالکل اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس پر حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر بھی سخت ناراض تھے۔ ڈاکٹر عثمانی کہتے ہیں کہ ''صرف بیعت نہ کرنے کے سبب یزید خاک بدہن گستاخ ان کو ملحد اور حرمت کعبہ کو ختم کرنے والا کہتا تھا''

حضرت ابن زبیر کے کارندوں کی کوششوں سے مدینہ منورہ میں ایک جماعت نے حضرت عبداللہ بن حنظلہ کی سرکردگی میں باقاعدہ جتھا بنالیا۔ گورنر مدینہ اور دیگر امویوں کو مدینہ سے نکال دیا۔ حضرت زین العابدین نے حضرت مروان کے گھر والوں کو اپنے مکان میں پناہ دی اور بہت سارے اموی جن میں مروان اور اُن کے فرزند عبدالملک اور حضرت عثمان کے فرزندان تھے مدینہ سے نکال دیئے گئے۔ ادھر مکہ معظمہ میں جو کچھ ہو رہا تھا وہ بھی تشویشناک تھا۔ اب خلیفہ کے لئے لازمی ہوگیا تھا کہ حرمین شریفین کی حرمت کو بحال کرنے کے لئے کوئی سخت اقدام کریں۔ اس اہم مُہم کے لئے جو سرکاری لشکر تیار ہوا اس کی تعداد شیعہ مورخ المسعودی نے چار ہزار بتائی ہے۔ یہ لشکر چار دستوں پر مشتمل تھا۔ دمشق کے سپاہیوں کے کماندار عبداللہ بن سعد الفزاری، حمص کے سپاہیوں کے کماندار حصین بن نمیر السکونی، فلسطینی سپاہیوں کے کماندار روح بن زنباع اور اردن کے سپاہیوں کے کماندار عبداللہ بن عصام الاشعری تھے۔ یہ چاروں کماندار دیدار نبوی سے مشرف اور اصاغر صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ اس لشکر کے سپہ سالار امیر مسلم بن عقبہ المرّی تھے جو خود بھی معروف صحابی تھے۔ واقعہ حرہ کی تفصیلات اوپر گذر چکی ہیں۔ مدینہ منورہ کے مسئلہ سے فارغ ہوکر یہ لشکر سیدھا مکہ معظمہ پہنچا اس لئے کہ حضرت ابن زبیر سے بھی نمٹنا تھا اور مدینہ کے بہت سارے لوگ بشمول عبداللہ بن مطیع یہاں تھے۔ جب یہ لشکر مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوا تو راستے میں امیر مسلم بن عقبہ کی وفات ہوگئی جو ضعیف العمر اور بیمار تھے۔ امیر حصین بن نمیر السکونی نے لشکر کی قیادت کی اور مکہ معظمہ کا حصار کرلیا۔ یہ پہلا حصار تھا جو عہد یزید میں ہوا۔ یہ حصار ۲۴ محرم سے ۱۴ ربیع الاول تک رہا۔ اس درمیان لشکر اور ابن زبیر کے حامیوں کے درمیان جھڑپیں ہوتی رہیں۔ ایک جھڑپ میں ابن زبیر کے بھائی منذر بن زبیر مقتول ہوئے۔ یہ منذر بن زبیر حضرت معاویہ کے رفیق خاص اور معتمد علیہ تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیاد ابن ابی سفیان کے نسب کے بارے میں جو تحقیق ہوئی اس میں منذر بن زبیر کا بیان نہایت وقیع تھا اور ان ہی کے بیان پر اعتماد کر کے حضرت معاویہ نے زیاد کو ''ابن ابی سفیان'' قرار دیا تھا۔ جہاد روم کے اس دستہ میں شریک تھے جس میں حضرت ابوایوب انصاری کی وفات ہوئی تھی۔ حضرت معاویہ کی وفات پر ان کی وصیت کے مطابق منذر ہی نے غسل دیا تھا اور تدفین میں شریک رہے۔ یہ کسی وقت عمرہ کے لئے مکہ آئے تھے۔ حضرت ابن زبیر نے اپنے پاس روک لیا اور وہ اب بھائی کے ہو کر رہ گئے تھے۔

امیر یزید کے انتقال کی اطلاع پر حصار اٹھالیا گیا۔ امیر حصین حرم میں ابن زبیر سے ملے اور نہایت رازداری سے کہا کہ اس وقت آپ ایک نمایاں اور اہم شخصیت کے حامل ہیں۔ آپ میرے ساتھ دمشق چلیں تا کہ وہاں آپ کی خلافت قائم ہو جائے میرے ساتھ اب جو لوگ ہیں وہ میرے کہنے پر آپ کی حمایت کریں گے۔ آپ یہ کیجئے کہ اب اس بات کا اعلان کر دیجئے کہ لشکرِ شام سے کوئی انتقام نہیں لیا جائے گا۔ حضرت ابن زبیر نے اس بات پر اعتماد نہیں کیا۔ بلند آواز سے بات کرنے لگے اور کہا نہیں اپنے ایک ایک آدمی کے بدلے دس دس شامیوں کو قتل کروں گا۔ اس پر امیر حصین بن نمیر ناراض ہو کر چلے گئے۔

امیر یزید کے بعد

امیر یزید کے انتقال کے بعد ان کے فرزند ''معاویہ ثانی'' جانشین ہوئے۔ قریب چھ ماہ خلیفہ رہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے ارکان خاندان کو جمع کر کے اپنی خلافت سے دستبرداری کا اعلان کیا اور کہا کہ بنو حرب (حضرت معاویہ اور امیر یزید) حکومت کر چکے، اب یہ خلافت خاندان کے دوسرے گھر میں منتقل ہو جائے تو بہتر ہے۔ بات یہ تھی کہ امیر یزید کے دوسرے فرزند یعنی خالد، عبداللہ اور عبدالرحمٰن جو اپنے وقت کے صالحین میں شمار ہوتے تھے۔ خلافت اور حکومت میں حصہ لینا نہیں چاہتے تھے۔ معاویہ ثانی کے یہ چند مختصر جملے تھے لیکن ڈاکٹر محسن عثمانی نے ''یزید کے بارے میں اس کے بیٹے کی شہادت'' کے عنوان سے جو تقریر کتاب کے صفحہ ۳۶۶ پر نقل کی ہے وہ بالکلیہ منگھڑت ہے۔ معاویہ ثانی اگر باپ سے اتنی سخت نفرت رکھتے تھے تو باپ کی زندگی میں کیوں باپ کے طرز عمل پر کوئی تنقید نہیں کی۔ سبطِ رسول حضرت حسن بھی اپنے والد بزرگوار سے بعض امور پر اختلاف کرتے تھے اور بروقت ٹوکتے تھے۔ ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہی سہی، لیکن کیا کوئی روایت ہے کہ معاویہ ثانی نے اپنے باپ کو زندگی میں کبھی کچھ کہا۔ چھ ماہ بعد خلافت سے دستبردار ہونا کیوں یاد آیا جبکہ اسی وقت ہی خلافت سے انکار کر سکتے تھے جب وہ جانشین بنائے گئے تھے۔ امیر یزید کی مذمت کی یہ تقریر جو معاویہ سے کہلوائی گئی ہے کسی سبائی کی تخلیق ہے جو بالکلیہ سبائی ذہنیت کی آئینہ دار ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاویہ کی دستبرداری کے بعد تقریباً تین ماہ تک امت بغیر امام اور امیر المومنین کے رہی۔ عجب افراتفری کا عالم ہوگیا۔ اِدھر ابن زبیر نے حجاز پر اپنا تسلط قائم کرلیا۔ اہل عراق نے بھی انہیں خلیفہ تسلیم کرلیا اور ساتھ ساتھ اہل مصر نے بھی۔ اس طرح سوائے شام کے پورا عالم اسلام ان کے زیر تسلط آ گیا اور ان کی خلافت قائم ہوگئی۔ پھر بھی یہ خلافت غیر مستحکم تھی۔ مروان اور دیگر بنوامیہ کے افراد مدینہ میں تھے۔ مروان نے بھی ان کی بیعت کر لینے کا ارادہ کیا لیکن ابن زبیر کو بنوامیہ سے سخت نفرت تھی انھوں نے سب بنوامیہ بشمول مروان بن حکم مدینہ سے نکال دیا۔ یہ لوگ دمشق چلے گئے۔ حضرت ابن عمر مکہ میں تھے لیکن باوجود سخت دباؤ کے بیعت نہیں کی۔ بنو ہاشم میں حضرت ابن عباس، حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہ) ان کی زیادتیوں سے تنگ آ کر طائف چلے گئے۔ دمشق میں ایک بڑی جماعت ابن زبیر کی حامی ہوگئی اور ان کے لئے بیعت لینے لگی۔ یہ دیکھ کر کہ اگر دمشق پر بھی ابن زبیر کا قبضہ ہوگیا تو وہ سارے ہی بنوامیہ کو نیست و نابود کردیں گے بنوامیہ نے مروان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ یہ ذی قعدہ ۶۴ ہجری کا واقعہ ہے۔ پھر اہل مصر نے بھی ان کی خلافت تسلیم کرلی۔ اس موقعہ پر بنو ہاشم نے اپنے آپ کو اموی خلیفہ مروان سے وابستہ کیا۔ اسی زمانے میں حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ مجھے زیادہ پسند ہے کہ میرے چچا کے بیٹے (بنوامیہ) میری پرورش کریں۔ مجھے پسند نہیں کہ کوئی دوسرا (ابن زبیر) میری پرورش کرے (صحیح بخاری، تفسیر سورہ توبہ)۔ آپ نے اپنی اولاد کو حکم دیا کہ ''حمیمہ'' چلے جائیں جو شام کی سرحد پر ہے تاکہ حالات کے مزید بگڑنے پر شام پہنچ سکیں۔ مروان کا انتقال رمضان ۶۵ھ میں ہوا۔ ان کے لائق و فاضل فرزند عبدالملک خلیفہ ہوئے۔ حضرت زین العابدین اور عبدالملک میں گہری دوستی اور محبت تھی چنانچہ انہوں نے عبدالملک سے ربط پیدا کرلیا۔ یہ حال دیکھ کر حجاز کے لوگ بھی بنوامیہ کی طرف مائل ہوگئے اب ابن زبیر کے لئے زمین تنگ ہونے لگی۔ اس موقعہ پر بعض مسائل کھڑے ہوگئے جن پر علماء امت نے گفتگو کی ہے۔ مختلف آراء یہ ہیں:

- یہ ثابت نہیں ہوسکا کہ ابن زبیر اور مروان کی بیعت میں کس کی بیعت پہلے ہوئی۔ اس لئے ان میں سے کسی کو خلیفہ برحق اور دوسرے کو باغی ماننے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔
- جن لوگوں نے کہا کہ ابن زبیر کی بیعت پہلے ہوئی وہ ان کو خلیفہ برحق اور مروان کو باغی مانتے ہیں۔
- بعض کہتے ہیں کہ دونوں کی خلافت پر پورا عالم اسلام متفق نہیں ہوا ہے اس لحاظ سے دونوں میں کوئی بھی خلیفہ برحق نہیں ہے۔
- بعض کہتے ہیں کہ اب تک عالم اسلام کا دارالخلافہ دمشق رہا ہے اہل دمشق کو انتخاب خلیفہ کا حق ہے اس لئے اہل دمشق جس کو خلیفہ قرار دیں وہ خلیفہ برحق ہے خواہ اس کی بیعت بعد میں ہوئی ہو۔ اس لئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ مروان ہی کی خلافت کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

○ ان سب کے علاوہ ابن زبیر کے لئے بنو عبد مناف سے نہ ہونا بھی ان کی ناکامی کے اہم سبب تھا۔ اور ساتھ ہی ان کی سخت گیریوں سے بھی لوگ خوش نہیں تھے۔ مزاج میں بخل بہت تھا۔ اس لئے شرف صحابیت اور دیگر کئی محاسن ومحامد کے باوجود امت میں وہ ایک مقبول خلیفہ کا مقام نہیں پاسکے۔ میری نظر سے کوئی روایت نہیں گذری جس میں کسی نے ان کو ''امیر المومنین'' کہہ کر مخاطب کیا ہو۔

○ ایک جماعت ابن زبیر کو ان کے ذاتی فضائل ومناقب اور محاسن ومحامد کی بنا پر خلیفہ برحق مانتی ہے۔ اس جماعت کے نزدیک مروان باغی اور عبدالملک ان کی شہادت تک باغی ہیں۔ چونکہ ان کی شہادت کے بعد عبدالملک پر امت کا اتفاق ہو گیا تھا اس لئے یہاں سے وہ عبدالملک کو صحیح خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔

حصارِ ثانی

حجاز میں ابن زبیر کی اور عالم اسلام کے دوسرے صوبوں میں عبدالملک کی حکومت تھی لیکن یہ دوعملی امت کے ''اتحادِ کلمہ'' کے خلاف تھی۔ عبدالملک کھل کر ان سے بیعت کا مطالبہ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ ابن زبیر ''عـائـذ بـالبیت'' کی حیثیت سے مکہ معظمہ میں خانہ نشین رہیں اور سیاست سے دست کش ہو جائیں۔ ابن زبیر اس پر راضی نہیں تھے۔ جمادی الاول ۷۲ھ سے راست تصادم کی صورت پیدا ہوئی اور صرف چھ مہینے کے بعد ہی فوجی کارروائی کی نوبت آ گئی۔ پھر بھی عبدالملک کے لئے کئی مشکلیں تھیں۔ ابن زبیر کی ذات عالم اسلام میں ایک عظیم المرتبت اور مقتدر ہستی کی حیثیت رکھتی تھی۔ اگر جنگ ہو اور ابن زبیر قتل ہو جائیں تو قوی اندیشہ تھا کہ عبدالملک کی حکومت کو بھی شدید دھکا لگے۔ مقام بھی مکہ معظمہ کا تھا جو سارے ہی مسلمانوں کے لئے ''قبلہ'' اور ''دارالامن'' تھا۔ مزید برآں مہینہ بھی اتفاق سے ذی قعدہ کا تھا جو حرمت والا مہینہ ہے۔ عبدالملک کے لئے اس اہتمام کی شدید ضرورت تھی کہ کسی صورت خون ریزی کی نوبت نہ پہنچے۔

حصار ثانی اور حضرت ابن زبیر کی اس موقعہ پر شہادت کے ضمن میں مورخین اور علماء نے عبدالملک اور بالخصوص حجاج ابن یوسف پر جو لعنت ملامت کی ہے اور جی بھر کر تبرا کیا ہے آگے بڑھنے سے پہلے اس کو دیکھ لیں اور اس کے بعد غور کریں گے کہ حالات اور واقعات ان اقوال کی کس حد تک تائید کرتے ہیں اور ان دونوں پر لعنت ملامت اور نفرت وتبرا کس حد تک واجبی ہے۔

○ علامہ ابوبکر الجصاص حنفی (م ۳۷۰ھ) اپنی کتاب ''احکام القرآن'' حصہ اول میں آیت ''لاینال عهدی الظالمین'' کی شرح میں لکھتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''ولم يكن في العرب ولا ال مروان اظلم ولا اكفر ولا افجر من عبدالملك ولم يكن في عماله اكفر ولا اظلم ولا افجر من الحجاج''

(ترجمہ) عرب اور آل مروان میں عبدالملک سے بڑا ظالم، بڑا کافر، بڑا فاجر (بدکار) کوئی نہیں تھا، اور اس کے کارندوں میں حجاج سے بڑا کافر، بڑا ظالم، بڑا فاجر کوئی نہیں تھا۔

علامہ جصاص کا یہ قول تعجب خیز ہے۔ عرب میں سب سے بڑا ظالم، کافر اور فاجر عبدالملک اور حجاج کو قرار دے کر علامہ جصاص یزید، زیاد، ابن زیاد، مسلم بن عقبہ، عمر بن سعد، شمر وغیرھم میں سب کو بھول گئے اور نظر عنایت صرف ''نزلہ برعضو ضعیف'' کے طور پر عبدالملک پر پڑی۔ جبکہ علامہ نے عبدالملک کے سب سے بڑے ظلم، کفر اور بدکاری کی کوئی مثال نہیں پیش کی۔ صرف یہ بتایا کہ اس نے لوگوں کی زبان بندی کہ کوئی اس کو ''اللہ سے ڈرو'' نہ کہے۔ لیکن کیا یہ عمل سب سے بڑا کفر، ظلم اور بدکاری ہے؟

○ مولانا مودودی نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں بعنوان ''دولت بنی مروان میں'' امام قرات عاصم بن ابی النجود کا قول پیش کیا ہے کہ:-

''اللہ کی حرمتوں میں سے کوئی حرمت ایسی نہیں رہ گئی جس کا ارتکاب اس شخص نے (حجاج نے) نہ کیا ہو''۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کہتے ہیں:-

''اگر دنیا کی تمام قومیں خباثت کا مقابلہ کریں اور اپنے اپنے سارے خبیث لے آئیں تو ہم تنہا حجاج کو پیش کر کے ان پر بازی لے جاسکتے ہیں''۔

○ خود مولانا مودودی فرماتے ہیں:-

''عبدالملک اور ولید کے زمانے کی سب سے بڑی لعنت حجاج کی گورنری تھی جسے بیس سال تک ظلم وستم کی کھلی چھوٹ ملی رہی''

مولانا کے اس ارشاد میں یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ یہ ''سب سے بڑی لعنت'' تھی تو کس پر تھی؟ عبدالملک اور ولید پر تھی یا ان لوگوں پر تھی جن پر بیس سال تک ظلم وستم کرنے کی حجاج کو کھلی چھوٹ ملی تھی۔ تاریخ بالکل واضح طور پر بتاتی ہے کہ عبدالملک اور ولید تو ٹھاٹ کے ساتھ حکومت کر کے دنیا سے چلے گئے۔ ان کی عاقبت کے بارے میں تو آپ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ انہیں آخرت میں شدید عذاب ہوگا اور لعنت ہوگی۔ اب رہ گئے وہ لوگ جن پر بیس سال تک حجاج کے ظلم وستم کی چکی چلتی رہی۔ تو کیا یہ مظلومین ''سب سے بڑی لعنت'' کے مستحق تھے؟ غرض مولانا نے صراحت نہیں فرمائی کہ سب سے بڑی لعنت کس پر تھی اور کیوں تھی؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرف منسوب قول بھی ایک عجوبہ ہے۔ واقعہ کربلا اور واقعہ حرہ کے لرزہ خیز مظالم جن سے عالم اسلام لرزہ براندام ہوکر رہ گیا کیا ان کے علم میں نہیں تھے؟ کیا صرف حصار کعبہ اور ابن زبیر کی شہادت ہی ایسی ''خباثت'' تھی کہ دوسری قوموں کے خبیثوں کو ایک پلڑے میں اور صرف حجاج کو ایک پلڑے میں رکھ دیں تو خباثت میں امت محمدی کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ اور امت محمدی تنہا حجاج کو پیش کر کے دوسری امتوں کے مقابلے میں خباثت میں شاندار بازی لے جائے گی۔ عمر بن عبدالعزیز کے قول کو ماننے کی ہمارے نزدیک یہ صورت ہے کہ ہم واقعہ کربلا اور واقعہ حرہ کے لرزہ خیز مظالم جن سے عالم اسلام لرزہ براندام ہوگیا تھا سراسر جھوٹ، افسانہ نگاری، ذہنی فتور اور مدک خانہ کی گپ قرار دیں۔ پھر حصار کعبہ اور ابن زبیر کی شہادت کے واقعات پر غور کریں اور دیکھیں کہ اس میں حجاج کی ایسی کیا عظیم الشان خباثت ثابت ہوتی ہے اور امام عاصم کے قول کو بھی سامنے رکھ کر غور کریں کہ حجاج نے اللہ کی کن حرمتوں کا ارتکاب کیا ہے۔ کسی شخص کو فلاں فلاں کے قول پر اعتماد کر کے اظلم، اکفر اور افجر کہہ دینا آسان ہے لیکن اس بات کے لئے بھی تیار رہنا ہوگا کہ کل اللہ تعالیٰ کے پاس اس بارے میں سوال ہو تو کیا جواب بن پڑے گا۔ کل عبدالملک اور حجاج اللہ کے پاس احتجاج کریں تو علامہ جصاص، امام عاصم اور عمر بن عبدالعزیز جیسے اکابر بھی شائد سنبھل نہ سکیں۔ شیخ عبدالحق محدث، شیخ نورالحق، علامہ سیوطی، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، امام کیاھراسی، امام کردری وغیرھم تو بعد میں آئیں گے۔ مولانا مودودی، جناب ملک غلام علی، مولانا عبدالرشید نعمانی اور ڈاکٹر محسن عثمانی بھی اس مقدمے میں تیسری صف میں ہوں گے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ''البدایہ والنہایہ'' اور ''انساب الاشراف'' وغیرہ کتب سے حصار مکہ اور ابن زبیر کی شہادت کے بارے میں صحیح صورت حال پیش کروں۔ تاکہ صحیح واقعات سامنے ہوں تو پھر ان پر غور کیا جاسکتا ہے اور اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس واقعہ میں عبدالملک اور حجاج کس حد تک اظلم، اکفر اور افجر قرار پاتے ہیں۔

عبدالملک نے ایک بڑا لشکر (دو ہزار سپاہیوں پر مشتمل) حجاج کی سرکردگی میں بھیجا اور ساتھ ہی اہل مکہ کے لئے امان نامہ بھی لکھ دیا کہ اہل مکہ اطاعت کریں تو انھیں امان ہے۔ جب یہ لشکر منزل مقصود کے قریب پہنچا تو ابن زبیر کے دستوں سے جھڑپیں شروع ہوئیں جن میں اکثر شامی لشکر غالب رہتا تھا۔ لیکن یہ جھڑپیں حدود حرم سے بہت باہر ہوتی تھیں۔ ذی الحجہ کی چاندرات کو یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔ البتہ شہر کا محاصرہ کرلیا گیا۔ حجاج نے عبدالملک سے گذارش کی کہ حرم میں داخل ہوتے اور ابن زبیر کا محاصرہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ شائد اجازت ملی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ حرم میں خون ریزی نہ ہو اور ابن زبیر کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ حجاج کو ہدایت تھی کہ حج کے سارے امور حضرت ابن عمر کی نگرانی اور ان کے ہدایت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مطابق انجام دیئے جائیں۔ گویا اس حج میں حجاج ''امیر الحج'' تھے اور حضرت ابن عمر معلّم تھے۔ مناسک حج کی ادائی میں حجاج اور ان کے لشکری مسلح تھے اور ادھر حضرت ابن زبیر کے لوگ بھی مسلح تھے۔ لیکن دونوں کے پیش نظر وقت اور مقام کی عظیم حرمت تھی اس لئے کوئی تصادم نہیں ہوا۔ حضرت ابن زبیر اور ان کے بہت سارے ساتھیوں نے اس سال حج نہیں کیا البتہ منٰی میں قربانی دی۔ حج کے دوران عظیم اکثریت شامی لشکر اور دیگر حاجیوں کی تھی، حجاج اور حضرت ابن عمر بھی موجود تھے۔ حج کے بعد حجاج نے مکہ خالی کردیا البتہ باہر سے حصار باقی رکھا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ حضرت ابن زبیر حرم شریف سے باہر نکلتے تو ہزار، پانچ سو سوار اور پیادے وہاں ہوتے۔ آپ ان پر حملہ آور ہوتے تو یہ سب لوگ دور دور تک ہٹ جاتے تھے۔ کوئی مقابلے کے لئے نہیں ٹھہرتا تھا۔ اس وقت ابن زبیر زرہ پہنے ہوئے نہیں ہوتے اور غیر مسلح رہتے تھے۔ محاصرین ان کو زخمی یا قتل کرنا چاہتے تھے، ورنہ یہ خود کسی کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ اس طرح حرم شریف سے باہر بھی کوئی خون ریزی نہیں ہوئی۔ ایک روایت یہ ہے کہ کوہ ابی قبیس پر منجنیق نصب کر کے حرم شریف میں جبکہ ابن زبیر نماز پڑھتے ہوتے سنگ باری کی جاتی رہی۔ تیر اندازی بھی ہوتی رہی تیر اور پتھر آپ کے قریب قریب بلکہ کپڑوں پر لگتے ہوئے گذر جاتے تھے۔ لیکن آپ ذرا سی ہچکچاہٹ نہیں محسوس کرتے اور پورے خشوع وخضوع کے ساتھ نماز میں منہمک رہتے تھے۔ بعضوں نے اس کو حضرت ابن زبیر کی کرامت قرار دیا ہے۔ اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محاصرین آپ کو قتل کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ صرف خوف دلا کر حرم ہی میں محصور رکھنا چاہتے تھے۔ یہ محاصرہ یکم ذی الحجہ ۷۲ھ سے ۱۷؍ جمادی الاول ۷۳ھ تک جاری رہا۔ یعنی ساڑھے پانچ مہینے۔ محاصرین آپ کو قتل کرنا چاہتے تو حرم کی حرمت بالائے طاق کر کے بے تحاشا سنگ باری اور تیر اندازی کر سکتے تھے۔ بلکہ ساڑھے پانچ مہینے کے محاصرہ کی بجائے ابتدائی دنوں میں ایک ہی بار ہجوم کر کے حرم میں شدید خون ریزی کر کے ان پر فتح پا سکتے تھے۔ حجاج جیسے ''اکفر'' اور ''اظلم'' نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ جو کام چند دنوں بلکہ چند گھنٹوں میں ہو سکتا تھا اس کے لئے اتنا عرصہ کیوں لگایا اور عبدالملک جیسے ''اکفر'' اور ''اظلم'' نے اس پر کیوں خاموشی اختیار کی؟ غور طلب ہے۔

جب محاصرے نے طول کھینچا تو اہل مکہ حجاج سے ربط پیدا کر کے اور امان حاصل کر کے محاصرہ سے باہر جانے لگے اس طرح کوئی دس ہزار آدمی نکل گئے۔ حضرت ابن زبیر کے دو فرزند حمزہ اور خبیب بھی امان حاصل کر کے حجاج کے پاس پہنچ گئے۔ یہ ایسی صورت حال تھی کہ ابن زبیر کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو اس کا دل بیٹھ جاتا۔ لیکن ابن زبیر عزم وعزیمت میں یکتا تھے۔ اپنے موقف پر کوہ تمکین کی طرح ڈٹے رہے۔ اہل مکہ اور اپنے فرزندوں پر کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار بھی نہیں کیا۔ خوف اور تشویش سے وہ بالکل نا آشنا تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شہادت

۱۷ ر جمادی الاول ۷۳ھ کی پوری رات کعبہ شریف کے سامنے کمال خشوع وخضوع سے نماز پڑھنے میں گذاری۔ سحر کے قریب ذراسی غنودگی طاری ہوئی لیکن فوری چونک پڑے اور نماز فجر طول قنوت کے ساتھ ادا کی۔ پھر چند رفقاء کے ساتھ حرم شریف سے باہر نکلے اور مقام حجون تک محاصرین کا پیچھا کرتے گئے۔ وہاں ایک نامعلوم اینٹ آ کر سر پر لگی، سر کھل گیا، ایک جھرجھری لی اور گھوڑے سے گر پڑے۔ سر سے اتنا زیادہ خون نکلا کہ موت واقع ہوگئی اور آپ مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔

رضی اللّٰہ عنہ وتغمدہ بالرحمۃ الواسعۃ

اب یہ بات غور طلب ہے کہ یہ نامعلوم جان لیوا اینٹ کہاں سے آئی اور کس بد بخت نے ان کا خون اپنے سر لیا؟ جیسا کہ اوپر سے بیان چل رہا ہے کہ شامی لشکر میں سے کوئی بھی ان پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت نہیں کرتا تھا۔ خود عبدالملک نے ان کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔ اوپر دی گئی روایت کے مطابق منجنیق کوہِ ابی قبیس پر نصب کی گئی تھی منجنیق سے اتنی بھاری بھرکم اور جان لیوا اینٹ نہ حرم میں پھینکی جاسکتی تھی اور نہ حجون کے مقام پر۔ آپ کے ساتھ اس وقت جتنے رفقاء تھے وہ سب نہایت مخلص اور وفادار تھے اور ان میں بہت سارے حضرات دیدار نبوی سے مشرف اور اصاغر صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ اس لئے ان میں سے کسی پر غداری کا شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ قرین قیاس یہی ہے کہ لازماً کچھ سبائی تقیہ کا لبادہ اوڑھ کر ہجوم میں گھس آئے ہوں گے اور ایک نے موقعہ پا کر اینٹ ماردی اور ہجوم میں گم ہو گیا۔ اس واقعہ شہادت سے قریب ایک مہینہ قبل بھی ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا تھا۔ حضرت مسور بن مخرمہ جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے بھانجے، صحابیت کے شرف سے مشرف اور حضرت ابن زبیر کے رفیق خاص تھے حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی طرح ایک خطرناک اینٹ ان کو آلگی مار سر پر نہیں لگا۔ دوسری جگہ لگا پھر بھی جان لیوا ثابت ہوا اس لئے اس مار کے صدمے سے گر پڑے اور دو روز کے بعد ان کی وفات ہوگئی۔ قرین قیاس ہے کہ اسی بد بخت نے اب کی بار سر پر مارا تاکہ فوری موت واقع ہو جائے۔ گویا حضرت مسوّر کا قتل ایک طرح کا ریہرسل اور تجربہ کے طور پر تھا۔

یہ غلط مشہور ہے کہ گرنے کے بعد شامی لشکر نے ان کو ذبح کر دیا اور لاش کو سولی پر لٹکا دیا۔ شامی لشکر کے لوگ ان کے معتقد تھے اور انہیں مقبول بارگاہ الٰہی سمجھتے تھے اس لئے کسی کو بھی ان پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ لاشہ مبارک کے پاس حجاج کے ساتھ کھڑے ہوئے ایک امیر لشکر طارق نے کہا: کسی عورت نے ابن زبیر جیسا جواں مرد نہیں جنا: - حجاج نے کہا "انہ کان من خیار الناس" بے شک ابن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زبیر بہترین لوگوں میں سے تھے۔ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق حضرت ابن عمر تشریف لائے اور: السلام علیک یا ابا خبیب'' تین بار فرمایا اور فرمایا: اما واللہ لقد کنت انھاک ھذا ،اللہ کی قسم! دیکھو میں نے تمہیں اس کام سے روکا تھا۔ یہ جملہ بھی آپ نے تین بار فرمایا۔ اکابر صحابہ کی یہ خصوصیت تھی کہ ظاھری اعتبار سے آپس میں کتنا ہی اختلاف ہو، کتنی ہی رنجش ہو اندرونی طور پر سب'' رحماء بینھم '' کا نمونہ رہتے ہیں۔ یہ ایمانی نسبت اس وقت اپنا اثر دکھاتی ہے جب وہ اپنے برادر دینی کو میّت یا لاشہ کی شکل میں دیکھتے ہیں۔ جنگ جمل میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کی شہادت پر حضرت علی نے جن غیر معمولی جذبات کا اظہار فرمایا تھا وہ تاریخ میں محفوظ ہیں۔ خود حضرت علی کی شہادت پر ام المومنین حضرت عائشہ اور حضرت معاویہ کے جذبات کو تاریخ نہیں بھلا سکتی۔ اس موقعہ پر حضرت ابن عمر نے بھی جس خلوص اور ہمدردی کا اظہار فرمایا وہ آپ کے ارشاد سے ظاہر ہے جبکہ حضرت ابن عمر حضرت ابن زبیر کے سیاسی اقدامات سے اختلاف رکھتے تھے۔ ان صحابہ کرام کا یہ کردار قیامت تک اُمت کے لئے مشعل راہ ہے۔

رضی اللہ عنھم اجمعین

اب آیئے دیکھیں کہ حصار ثانی اور حضرت ابن زبیر کی شہادت پر کیا تبصرے ہوئے ہیں۔ مولانا مودودی تحریر فرماتے ہیں کہ:

> کوہِ ابوقبیس پر منجنیق لگا کر خانہ کعبہ پر سنگ باری کی۔ حضرت عبداللہ بن عمر کے سخت اصرار پر یہ سنگ باری صرف اتنی دیر کے لئے روکی گئی کہ باہر سے آئے ہوئے حجاج طواف وسعی کرلیں۔ لیکن نہ اس سال کے حج میں مکہ کے لوگ منیٰ اور عرفات جاسکے اور نہ خود حجاج کی فوج کے لوگ طواف وسعی کرسکے۔ باہر سے آنے والوں نے جب طواف زیارت کرلیا تو حجاج نے اعلان کیا کہ سب حاجی نکل جائیں اور از سرنو سنگ باری شروع کردی۔ (بحوالہ ابن الاثیر، البدایہ والنہایہ)، ابن خلدون)

مولانا کے اس بیان کی روشنی میں اس وقت کا ایک منظر اپنے تصور میں لایئے۔ پہاڑ پر کئی منجنیقیں نصب ہیں اور ان سے سنگ باری ہو رہی ہے ژالہ باری کی طرح پتھر حرم شریف پر برس رہے ہیں۔ اس وقت حرم شریف خالی تو نہیں ہوگا۔ باہر سے آئے ہوئے حاجیوں اور خود اہل مکہ کے لوگ تو حرم میں ہوں گے ہی اور ان کے ساتھ ان کی عورتیں اور بچے بھی ہوں گے۔ اتنی زبردست سنگ باری میں کوئی بھگدڑ نہیں ہوئی اور کوئی کچل کر نہیں مرا۔ ہے نا یہ حیرت انگیز بات! اوپر گذرا ہے کہ حضرت ابن زبیر اور ان کے بہت سارے رفقاء نے حج نہیں کیا اور وہ اس وقت خانہ نشین تھے تو پھر یہ سنگ باری کس پر ہو رہی تھی؟ حضرت عبداللہ بن عمر کے سخت اصرار پر اتنی دیر کے لئے سنگ باری رُکی کہ باہر سے آئے ہوئے حاجی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طواف وسعی کر لیں۔ اس مہلت میں حجاج کے فوجیوں نے بھی طواف وسعی کیوں نہیں کر لی۔ اور سب سے بڑا سوال حضرت ابن عمر کے بارے میں پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ سخت اصرار کر کے کچھ دیر کے لئے سنگ باری رکوا سکتے تھے تو کیا باقی وقت کی سنگ باری پر آپ راضی تھے کہ اس کو نہیں رُکوائی۔ کیا اس سنگ باری کو آپ جائز خیال فرما رہے تھے یا حجاج کے خوف سے زبان کھولنے کی ہمت نہیں کی۔ حرم شریف میں اس ظلم کو دیکھتے ہوئے آپ نے سورۂ حج کی آیت نمبر ۲۵ کی روشنی میں حجاج کو ''ملحد'' کیوں نہیں قرار دیا اور اس کو ''عذاب الیم'' کا مستحق کیوں نہیں ٹھہرایا۔ علامہ جصاص کا تو یہ جوش ایمانی ہے حجاج کو بے تکلف، اظلم اور اکفر قرار دیتے ہیں لیکن اشد علی الکفار کے صاحبزادے ایک أظلم اور أکفر سے اس قدر سہمے ہوئے ہیں کہ قرآنی آیت کی روشنی میں اس کو ''ملحد'' کہنے کی انہیں ہمت نہیں ہوتی۔ ورنہ لایئے حضرت ابن عمر کا کوئی قول پیش کیجئے کہ آپ نے اس موقعہ پر حجاج کے بارے میں یہ فرمایا۔ ایمان کے مدارج میں سب سے اعلیٰ مرتبہ کسی ''منکر'' کو زور وقوت سے دفعہ کرنا ہے اور اوسط درجہ زبان سے اظہار نفرت کرنا ہے اور ''اضعف'' (کمزور ترین) ایمان یہ ہے کہ صرف دل میں بُرا مان کر خاموشی اختیار کی جائے۔ اس حدیث کی روشنی میں حضرت ابن عمر کس درجے میں آتے ہیں؟ ہمارے نزدیک حرم شریف پر سنگ باری کی روایت سبائی مدک خانوں کی ''گپ'' کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہاں ایسی روایتیں اس لئے گھڑی جاتی ہیں کہ سادہ لوح مسلمانوں کو متاثر کیا جائے تاکہ ان کے دل اکابر صحابہ سے مکدر ہو جائیں۔

مولانا نے ''حصار اول'' جو امیر حصین بن نمیر السکونی کے زیر سرکردگی ہوا اس کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> ''اس نے منجنیقیں لگا کر خانہ کعبہ پر سنگ باری کی جس سے کعبہ کی ایک دیوار شکستہ ہوگئی''

مولانا نے اس بات پر غور نہیں فرمایا کہ اُس زمانے میں منجنیق اتنی ترقی یافتہ کہاں تھی کہ بڑے بڑے گنیٹ اس کے ذریعہ اتنی دور تک پھینکے جا سکتے جو کعبہ شریف تک پہنچ جاتے۔ بہت بعد میں توپیں ایجاد ہوئیں جن کے ذریعہ پتھر اور فولاد کے گولے قلعہ کی دیوار کو شکستہ یا منہدم کرنے کے لئے داغے جاتے تھے اور اس میں زیادہ تر بارود کا استعمال ہوتا تھا۔ اُس زمانے میں نہ بارود تھی اور نہ پتھر اور لوہے کے گولے تھے۔ منجنیق سے صرف چھوٹی چھوٹی پتھریاں (کنکریٹ) ہی پھینکی جا سکتی تھیں۔ بالفرض منجنیق کا استعمال ہوا بھی ہوگا تو صرف سنگ باری ہوئی ہوگی نہ کہ گولہ باری۔ ایسی صورت میں کعبہ شریف کی ایک دیوار کے شکستہ ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ہم خلافت وملوکیت کے قارئین سے گذارش کرتے ہیں کہ ہمارے پیش کردہ نکتہ پر غور فرمائیں کہ حرم شریف پر سنگ باری اور دیوار کعبہ کی شکستگی کی روایات کس حد تک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عقل سلیم کے لئے قابل قبول ہیں۔

مولانا مودودی اس موقعہ پر یہ بھی فرماتے ہیں کہ:-

''یہ حکمران اپنے اقتدار اور اپنی بقاء و تحفظ کو ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے اور اس کے لئے انہیں کسی حد کو پھاند جانے اور بڑی سے بڑی حرمت کو توڑ ڈالنے میں بھی باک نہ تھا''

آگے فرماتے ہیں:-

''ان کی نگاہ میں اصل اہمیت ان کے اپنے اقتدار کی تھی، اس کا قیام و استحکام جس ذریعہ سے بھی ہو ان کے نزدیک مستحسن تھا۔ قطع نظر اس سے کہ شریعت کی تمام حدیں اس کی خاطر توڑ ڈالی جائیں''

مان لیا یہ حکمران جو کچھ تھے، وہ تھے ہی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس وقت موجود صحابہ، صحابہ زادے، تابعین اور علماء کی ایک کثیر تعداد دنیا میں موجود تھی وہ سب کیا کر رہے تھے۔ آخر ان سب حضرات نے اس موقعہ پر خاموشی اختیار فرما کر اپنے آپ کو کس درجے کے ایمان کا حامل ثابت کیا؟ ایسا کیوں نہیں ہوا کہ یہ سب حضرات آپس میں متحد ہو کر ایکبارگی ان حکمرانوں پر پل پڑتے اور ان کو نیست و نابود کر دیتے۔ ایسا ہوتا تو آج اسلام کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ اب دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں یا یہ مانا جائے کہ اس وقت کے سارے ہی اکابر ملت دینی اور ملی حمیت سے خالی ہو کر ایمان فروشی پر متحد ہو چکے تھے۔ یا پھر اس وقت کے حکمران اپنے اقتدار اور گدی کے تحفظ کے لئے شریعت کی کسی حد کو پھاندنے کے مرتکب نہیں ہوئے تھے۔ پہلی صورت کے بارے میں تو ہم ہزار بار استغفار کرتے اور حاشا وکلا کہتے ہیں۔ اور دوسری صورت ہی ہمارے لئے بدل و جان قابل قبول ہے۔ واقعہ کربلا، واقعہ حرہ، حصار اول اور حصار ثانی کے سارے واقعات صرف حکمرانانِ وقت اور امراء ملت کو بدنام کرنے اور تاریخ اسلام کو تاریک ثابت کرنے کے لئے گھڑی ہوئی کہانیاں ہیں۔

ابھی ایک اہم بات اور باقی ہے۔ مولانا مودودی فرماتے ہیں:-

''حضرت عبداللہ بن زبیر اور ان کے رفقاء عبداللہ بن صفوان اور عمارہ بن حزم کے ساتھ اس سے بھی زیادہ سخت وحشت و جاہلیت برتی گئی۔ ان کے سر کاٹ کر مکہ سے مدینہ اور مدینہ سے دمشق لے جائے گئے۔ جگہ جگہ ان کی نمائش کی گئی اور مکہ میں ان کی لاشیں کئی روز تک سولی پر لٹکتی رہیں یہاں تک کہ وہ سڑ گئیں'' (بحوالہ، الاستیعاب، الطبری، البدایہ، ابن خلدون)

یہ پڑھتے ہوئے خیال آتا ہے کہ کیا حضرت ابن عمر اپنے ہی درجے کے ایک عظیم المرتبت صحابی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ابن زبیر) کی لاش کے ساتھ اس قدر سخت وحشت و جاہلیت کا عمل دیکھ کر دم بخود رہ گئے ہوں گے! مولانا نے سوال کیا ہے کہ کیا اسلام نے کسی کافر کے ساتھ بھی یہ برتاؤ کرنا جائز رکھا ہے؟ ہم بہزار ادب و احترام حضرت ابن عمر سے عرض کرتے ہیں کہ حضور! اسلام نے کسی کافر کے ساتھ یہ وحشیانہ برتاؤ جائز نہیں رکھا تو آپ نے اپنے برادر دینی اور اپنے درجے کے صحابی کی لاش کے ساتھ کئے گئے وحشیانہ و جاہلانہ برتاؤ پر کیوں خاموشی اختیار فرمائی اور کیوں صدائے احتجاج بلند نہیں کی؟ اوپر گذرا ہے کہ محاصرے کے دوران حضرت ابن زبیر کے دو فرزند حمزہ اور خبیب بھی امان حاصل کر کے حجاج کے پاس چلے گئے۔ ابن زبیر جیسے غیور، خوددار اور مجسم شجاعت و بسالت کے فرزند کیا اتنے بزدل، بے حمیت اور بے غیرت ہوں گے کہ اپنے باپ کی لاش اور سر کی اس بے حرمتی پر ان کی حس ذرا بھی متحرک نہیں ہوئی اور انھوں نے حجاج سے کوئی شکایت نہیں کی۔ ایک اور بات بھی غور طلب ہے۔ اس وقت مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں عظیم اکثریت قریشیوں کی تھی، خود خلفاء بنی امیہ قریشی تھے اس طرح دمشق میں بھی قریشیوں کی بڑی تعداد تھی۔ اس زمانے میں قریشی اور غیر قریشی کا مسئلہ ایک تازہ زخم کی طرح تھا۔ آگے گذرا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفی نے حضرت معاویہ سے گذارش کی تھی کہ انہیں خدمت (کوفہ کی گورنری) سے سبکدوش فرما دیں اس لئے کہ مخالفین نے قریشی اور غیر قریشی کا سوال کھڑا کر کے بہت سارے قریشیوں کو مجھ سے برگشتہ کر دیا ہے۔ ایسی صورت میں حجاج بن یوسف (غیر قریشی) قریش کے ایک عظیم المرتبت فرزند کی لاش اور سر کی بے حرمتی کیسے کر سکتے ہیں؟

ان سارے حالات کو سامنے رکھنے کے بعد یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ حضرت ابن زبیر کی لاش کی بے احترامی نہیں کی گئی۔ حکومت کی جانب سے نہ کسی حدِ شریعت کو پھاندا گیا اور نہ کوئی حرمت پامال کی گئی۔ ایسی صورت میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ عبدالملک اور حجاج بن یوسف کیسے أظلم، اکفر اور أفجر قرار پاتے ہیں اور امت محمدی تنہا حجاج کو پیش کر کے خباثت کے مقابلے میں کیسے شاندار بازی لے جا سکتی ہے؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سبطِ رسول حضرت حُسین ابن علی ہاشمی قریشی رضی اللہ عنہما

ولادت: سنہ ۵ ہجری یا سنہ ۹ ہجری　　　　شہادت: محرم ۶۱ھ

مولد: مدینہ منورہ　　　　مدفن، سرزمین طف المعروف بہ کربلا (عراق)

گزشتہ اوراق میں آپ کا ذکر خیر کثرت سے گذر چکا ہے۔ آپ کی شہادت اور واقعات کربلا پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے پھر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس پر مزید گفتگو کی جائے جہاں تک آپ کے فضائل و مناقب اور محامد و محاسن کا معاملہ ہے شائد ہی کوئی مسلمان اس میں شک کرے۔ ابھی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے تذکرے میں، میں نے ذکر کیا ہے کہ اس زمانے میں کچھ شخصیتیں ایسی گذری ہیں جن کی نجی زندگیاں تقدس و تقویٰ، صالحیت، عبادت و ریاضت اور علم و فضل میں ایک اہم مقام رکھتی تھیں۔ لیکن جب ان حضرات نے سیاست میں قدم رکھا تو ان حضرات کا موقف متنازعہ ہو گیا۔ ایک طرف ان حضرات کی عظمت و جلالت ہے جو دل و دماغ پر نقش کالحجر ہے دوسری طرف ان کے واقعات کو خالص تاریخی نقطہ نگاہ سے دیکھنا ہے تاکہ اسلام کی تاریخ غلو عقیدت میں تاریک نہ بن جائے۔ عقیدت و محبت اپنی جگہ ہے اس کے اپنے بھی تقاضے ہیں۔ حقائق اپنی جگہ ہیں ان کے اپنے بھی کچھ تقاضے ہیں۔ عقیدت اور حقائق کے "جام وسندان" کو بیک وقت سنبھالنا بہت مشکل کام ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دل میں ایک عزم ڈال دیا ہے کہ تاریخ اسلام کے واقعات کو صحیح انداز میں پیش کر دوں، اللہ تعالیٰ سے بصمیم قلب دعا کرتا ہوں کہ اس کام میں مجھ سے کوئی ایسی لغزش نہ ہو جس سے میری عاقبت پر اثر پڑے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور ہر مسلمان کو اپنے اسلاف سے برگشتہ اور بدعقیدہ ہونے سے محفوظ رکھے۔ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ خیر القرون میں سارے ہی مسلمان خواہ خلفاء ہوں یا امراء، مقدس شخصیتیں ہوں یا عوام سب ہی بہتر اور قابل احترام ہیں۔ اس زمانے میں خیر غالب اور شر مغلوب تھا۔ سبائی مورخین نے اپنے غلط پروپگنڈوں سے کتنی ہی شخصیتوں کو تاریخ میں بدنام اور رسوا کیا ہے اور کتنی ہی شخصیتیں ایسی ہیں جنہیں اپنے مقصد کی خاطر ان کے اپنے مستقہ مقام سے اٹھا کر کہیں کا کہیں پہنچایا۔ جب تک حالات و واقعات کا صحیح تجزیہ نہ کیا جائے صحیح صورت حال سامنے نہیں آتی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت تاریخ اسلام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔آپ کی ذات قدسی صفات سے بدعقیدتی اور آپ کی شان میں کسی قسم کی گستاخی کرنے کی کوئی بھی جسارت نہیں کر سکتا۔لیکن مشکل یہ ہے کہ غلو عقیدت اور غیر معمولی محبت کے زعم میں راویوں نے کچھ ایسے تانے بانے لگا دیئے ہیں کہ ایک خالی الذہن شخص کے لئے حقیقت تک پہنچنا دشوار ہو جاتا ہے۔لے دے کے وہ یہی فیصلہ کر لیتا ہے کہ وفاتِ رسول کے ساتھ ہی سب لوگ مرتد ہو گئے تھے اور اُمت کی زمام کار ایسے ہاتھوں میں چلی گئی جنھوں نے اسلام کے ڈھانچے کو توڑ موڑ کر اپنے مزاج کے موافق بنا دیا،خلافت کی جگہ شاہی خانوادوں نے لے لی اور ان حکمرانوں کو اپنے اقتدار اور اپنی حکومت کی بقاء واستحکام کے لئے شریعت کی کسی بھی حد کو پھلانگنے اور بڑی سے بڑی حرمت کو پامال کر دینے میں کوئی جھجک نہیں تھی۔

بہت ساری بڑی شخصیتوں کی سیرت کے مطالعہ کے دوران میں نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی کہ جہاں وہ ایک طرف تقدس وتقویٰ،صالحیت،علم وفضل کے اعلیٰ مقام پر فائز نظر آتے ہیں وہاں ان میں ایک ایسی کمزوری بھی پائی جاتی ہے یا بے ادبی معاف ایسا نقص ان کی سیرت میں ملتا ہے کہ بے اختیار یہ جملہ زبان پر آ جاتا ہے کہ ''بے شک بے عیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے''۔ابھی اوپر حضرت ابن زبیر کا ذکر خیر گذرا۔آپ کے بے شمار محامد ومحاسن میں یہ چیز بھی سامنے آئی کہ مزاج میں شدت،مصلحت سے ناآشنائی اور اس کے ساتھ حد درجہ ''بخل'' اور یہی وہ عیوب تھے جن کی بنا پر آپ ایک مقبول خلیفہ کا مقام نہ پا سکے۔یہی صورت حال حضرت حسین کے بارے میں بھی ہے کہ آپ کے مسلمہ فضائل ومناقب اور محامد ومحاسن کے باوجود آپ میں بھی کچھ ایسی کمزوریاں تھیں جن کی بناء پر آپ بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے۔اس موقعہ پر مولانا مودودی کے یہ جملے بھی ملاحظہ ہوں۔فرماتے ہیں:۔

> ''کوئی غلط کام محض شرف صحابیت کی وجہ سے مشرف نہیں ہو جاتا بلکہ صحابی کے مرتبۂ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے''

''باب چہارم'' کے ختم پر حضرت معاویہ کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

> ''لیکن ان کے غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہوگا۔اسے صحیح کہنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اپنے صحیح وغلط کے معیار کو خطرے میں ڈال رہے ہیں''۔(خلافت وملوکیت)

مولانا محترم کے ان ارشادات سے جو اصول مستنبط ہوتا ہے کیا اس کا اطلاق صرف حضرت معاویہ اور حضرت عمرو ابن العاص ہی پر ہوتا ہے؟ حضرت علی اور حضرت حسین کے بارے میں اسی نقطہ نظر سے کیوں نہ غور کیا جائے جبکہ ان دونوں بزرگوں کی ذرا سی غلطی بھی اُمت کے لئے ایک مسئلہ کھڑا کر سکتی ہے۔ان حضرات کے کسی اقدام کو غلط کیوں نہ کہا جائے؟اس کو صحیح کہنے سے صحیح وغلط کا معیار خطرے میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیوں نہیں پڑے گا؟ صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے۔

اب آیئے حضرت حسین کی سیرتِ پاک کے اس اہم نقطہ پر غور کریں جو واقعہ کربلا پر منتج ہوتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت حسین کا خروج کسی اصلاح کے لئے نہیں بلکہ صرف حصول خلافت کے لئے تھا۔ کوفہ کے مٹھی بھر شر پسند سبائیوں کے سوا کوئی بھی آپ کی تائید میں نہیں تھا۔ اکابر صحابہ اور سارے مخلصین ومحبین نے آپ کو ''اللہ کا ڈر'' دلا کر کوفہ جانے سے روکا وہ تفصیل سے گذر چکا ہے۔ حضرت حسین مزاجی اعتبار سے کچھ جذباتی واقع ہوئے تھے اور خلافت کو اپنا خاندانی حق سمجھتے تھے۔ پوری طرح اس بات پر مُصر تھے کہ خلافت صرف ''آل علی'' میں رہے۔ ذیل میں چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ کس طرح آپ حصول خلافت کی فکر میں لگے رہتے تھے۔

ایک بار حضرت عمر فاروق کو ممبر پر دیکھا تو فرمایا: میرے باپ کے ممبر سے اترو اور اپنے باپ کے ممبر پر جاؤ۔ حضرت عمر نے فرمایا میرے باپ کا کوئی ممبر نہیں ہے۔ پھر آپ نے حضرت حسین کو اپنے بازو بٹھالیا۔ جب گھر چلے تو ساتھ لے کر چلے۔ گھر جا کر پوچھا: - پیارے بیٹے! یہ بات تمہیں کس نے سکھائی۔ جواب دیا: نہیں مجھے کسی نے نہیں سکھائی۔ اس واقعہ کو امام ذہبی نے روایت کیا ہے اور ''الاصابہ فی تمییز الصحابہ'' میں بھی یہ واقعہ خود حضرت حسین کا بیان کردہ ہے۔

لازماً یہ واقعہ حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دور کا ہوگا۔ حضرت عمر جمادی الثانی ۱۳ھ میں خلیفہ ہوئے۔ اگر یہ واقعہ بالفرض شعبان ۱۳ھ کا مانا جائے اور حضرت حسین کا سنہ ولادت شعبان ۵ھ مانا جائے تو اس واقعہ کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال ٹھہرتی ہے۔ آٹھ سال کا بچہ کوئی بڑی بات کہدے تو یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑتی کہ یہ بات تمہیں کس نے سکھائی۔ اور وہ اتنا بھولا نہیں ہوتا ہے کہ اتنا تلخ ریمارک کرنے کے بعد حضرت عمر کے ہاتھ پکڑ کر گھر لے جانے پر خاموشی سے ان کے گھر پر چلا جائے۔ اگر حضرت حسین کی ولادت شعبان ۹ھ کی مانی جائے تو اس وقت آپ کی عمر ۴، ۵ سال ٹھہرتی ہے۔ اس عمر کا بچہ کوئی بڑی بات کہدے تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ کسی کے سکھانے پر کہہ رہا ہے اور اس عمر کا بچہ اتنا معصوم ہوتا ہے کہ اس کو محسوس بھی نہیں ہوتا کہ کیا کہہ گیا ہے اس لئے باقتضاءِ طفولیت خاموشی کے ساتھ گھر چلا جاتا ہے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ اس وقت حضرت حسین کی عمر شریف ۴، ۵ سال ہی ہوگی اور ساتھ ہی اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اتنی سی عمر میں کس ذہن کے حامل تھے۔

حضرت حسن نے حضرت معاویہ سے جو معاہدہ صلح کیا تھا وہ حضرت حسین کو سخت ناگوار تھا۔ البدایہ والنہایہ ج ۵ کی روایت ہے کہ حضرت حسن نے سختی سے فرمایا کہ میں تم کو گھر میں بند کردوں گا جب تک یہ کام پورا نہ ہو۔ خود حضرت حسین فرماتے ہیں کہ میں نے بھائی کی اطاعت نہایت ناگواری کے ساتھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس موقعہ پر حجر بن عدی سے بھی گفتگو ہوئی اور آپ نے ان سے فرمایا کہ اب بیعت کی جا چکی ہے۔ بیعت توڑی نہیں جائے گی۔ حضرت معاویہ کے عہد خلافت میں چند واقعات پیش آئے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ پوری طرح اطاعت امیر پر قائم نہیں تھے۔ پھر بھی آپ کے مقام و مرتبہ کا لحاظ کر کے حضرت معاویہ طرح دیتے تھے۔

ایک بار حضرت معاویہ نے اپنے ماموں زاد بھائی عاصم بن شیبہ بن عتبہ اموی کو اہل مدینہ کے وظائف تقسیم کرنے اور بہت سارا مال عوام کو عطا کرنے کے لئے چند آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا اور ساتھ ہی ہدایت بھی کر دی کہ معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ مرحومین کے وظیفے بھی حاصل کر رہے ہیں ان وظیفوں کو روک دیں۔ عاصم حسب الحکم مال اور وظائف کی رقومات لے کر مدینہ آئے اور مسجد نبوی میں ان کو تقسیم کرنا شروع کیا۔ لیکن جب مرحومین کے وظائف روکنے لگے تو لوگ بھڑک اٹھے۔ اور یہ سب جا کر حضرت حسین، حضرت ابن زبیر اور حضرت عمرو بن عثمان بن عفان سے شکایت کرنے لگے۔ یہ تینوں حضرات مسجد نبوی میں آئے اور عاصم کے ساتھ تکرار ہونے لگی۔ اس دوران میں کسی نے عاصم پر کنکریاں پھینکیں پھر اس کے ساتھ ہی عاصم پر لوگ پل پڑے۔ عاصم وظائف کی رقم اور مال چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ نکلے۔ ان تینوں حضرات نے من مانی انداز میں رقومات تقسیم کر دیں اور مال کو بھی اہل مدینہ میں لٹا دیا۔ ظاہر ہے کہ اس واقعہ کی اطلاع اور عاصم سے ملاقات کے بعد حضرت معاویہ سخت ناراض ہوئے ہونگے پھر بھی آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔

ایک بار یمن سے خراج کا مال جس میں بیش قیمت ریشمی چادریں وغیرہ تھیں دمشق جا رہا تھا۔ جب یہ قافلہ مدینہ کے قریب سے گذرا تو حضرت حسین نے اپنے آدمیوں کو بھیج کر پورے مال پر قبضہ کر لیا اور اس کو اپنے گھر والوں اور دوست احباب میں تقسیم کر دیا۔ اس پر حضرت معاویہ نے ایک خط لکھا جو شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید اور ناسخ التواریخ کی روایت کے مطابق کچھ اس طرح تھا۔

> ''والی کو اس بات کا اختیار ہے کہ یہ مال حکومتی خطوط پر خرچ کرے۔ اگر تم اس کو نہ لیتے اور میرے پاس آنے دیتے تو جو کچھ تمہارا حصہ ہوتا وہ تم کو ضرور دیا جاتا۔ اس میں میں کچھ کمی نہیں کرتا۔ لیکن اے میرے بھتیجے! میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے دماغ میں حدت اور جوش بھرا ہوا ہے میرے وقت میں تم ایسا کرو گے تو میں درگذر کر سکتا ہوں اور تمہاری قدر کرتا ہوں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ میرے بعد تمہارا معاملہ کسی ایسے والی سے پڑ جائے جو تمہارے مقام و مرتبہ کا مطلق پاس و لحاظ نہ کرے''۔

جب حضرت معاویہ بعد صلح بالاتفاق خلیفہ اور امیر المومنین تسلیم کئے گئے تو حضرت حسن اور حضرت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسین دمشق جاتے اور حضرت معاویہ ہی کے مہمان ہوتے تھے۔ حضرت معاویہ خاطر خواہ مہمانداری کے علاوہ بیش قیمت عطیات بھی دیتے تھے۔ علامہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں لکھا ہے کہ حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کو سالانہ دس دس لاکھ درہم وظیفہ دیا کرتے تھے اور جب یزید خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس رقم کو دوگنا کر دیا۔ جیسے جیسے حضرت معاویہ کی عمر بڑھ رہی تھی اور یہ اندازہ ہوتا تھا کہ معاویہ اب زیادہ دن زندہ نہیں رہیں گے۔ ان کی جانشینی کا مسئلہ ذہنوں میں ہیجان پیدا کر رہا تھا۔ ایک بار ایسی ہی ملاقات میں حضرت حسین نے حضرت معاویہ کے آگے اپنی خاندانی عظمت و فضیلت کا ذکر کیا کہ میری ماں یزید کی ماں سے افضل ہے اور میرے باپ یزید کے باپ سے افضل ہیں اور میں خود یزید سے افضل ہوں۔ تو حضرت معاویہ نے فرمایا: تمہاری ماں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی ہیں ان کے آگے یزید کی ماں کی کیا حیثیت ہے؟ جہاں تک تمہارے باپ اور یزید کے باپ (یعنی خود) کا معاملہ ہے دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فیصلہ کیا (یعنی تمہارے باپ کی خلافت پر امت متفق نہیں ہوئی اور یزید کے باپ کی خلافت پر امت متفق ہوگئی) جہاں تک تمہارا اور یزید کا معاملہ ہے فیزید و اللہ خیر الامۃ محمد ﷺ یزید تمہاری بہ نسبت امت محمدی کے لئے بہتر ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ حضرت معاویہ اپنے آپ کو حضرت علی سے افضل و برتر خیال کرتے تھے۔ حضرت معاویہ تو حضرت علی کی عظمت و فضیلت کے بدل و جان قائل و معترف تھے صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ جب حضرت علی پر امت متفق نہیں ہوئی تو تمہاری خلافت پر امت کیسے متفق ہوگی۔ اور یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ وہ یزید کو حضرت حسین سے افضل خیال کرتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ خلافت کے لئے حکمرانی اور جہانبانی کی صلاحیت ضروری ہے۔ شخصی فضیلتیں اور چیز ہیں اور خلافت کی اہلیت اور صلاحیت اور چیز ہے۔ حضرت معاویہ نے یہ جواب نہ صرف حضرت حسین کو دیا بلکہ خود اپنے خاندان کے ایک اہم فرد کو بھی دیا۔ حضرت عثمان بن عفان کے صاحبزادے حضرت سعید نے بھی اسی قسم کی بات کہی تھی۔ حضرت عثمان کی خلافت پر تو امت کا اتفاق تھا اس کے باوجود اہلیت خلافت ہی کے پیش نظر حضرت معاویہ نے ان سے فرمایا کہ اگر غوطہ کا پورا شہر تم جیسے لوگوں سے بھر جائے تب بھی یزید ہی اس کام کے لئے موزوں اور بہتر ہے۔

بظاہر بات دل میں بڑی خلش پیدا کرنے والی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت حسین اور حضرت سعید کے مقابلے میں یزید کو اہمیت اور ترجیح دی جائے۔ حضرت حسین کی خاندانی سیادت و نجابت اظہر من الشمس ہے۔ حضرت سعید، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں۔ ان کی والدہ فاطمہ بنت ولید مخزوم، حضرت خالد بن ولید کی بہن، قریش کے نامور قبیلہ بنی مخزوم سے تھیں۔ جبکہ یزید کی والدہ میسون بنت بحدل کلبی غیر قریشی اور دیہاتی خاتون تھیں۔ لیکن دو باتوں کو ملحوظ رکھیں تو یہ خلش دور ہو جائے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گی۔ ایک تو یہ کہ خلیفہ اور امیر المومنین کا انتخاب صرف خاندانی سیادت ونجابت کی بنا پر نہیں بلکہ اہلیت اور صلاحیت کی بنا پر ہوتا ہے۔ دوسری بات آج جو ''یزید'' اپنے لاحقہ ''پلید'' کے ساتھ ہمارے سامنے ہے، جس کی شرمناک سیرت کا نمونہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب ''المرتضیٰ'' سے ابھی قارئین کی نظر سے گذرا ہے وہ اس یزید سے بالکل مختلف ہے جس کو اکابر صحابہ کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ جو اپنے وقت کا عظیم مجاہد اور دنیا میں آنے سے قبل ہی مغفرت کی بشارت پا چکا تھا۔ جس کی امارت میں اکابر وقت نے حج اور جہاد کے فرائض انجام دیئے تھے۔ اگر اس کی ذات میں ذرا سا بھی اخلاقی یا شرعی نقص ہوتا یا خلافت کے عظیم منصب کے لئے نااہلی کی کوئی بات ہوتی تو حضرت حسین اور حضرت ابن زبیر ہی کیوں، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس اور دیگر اکابر بھی اعتراض کر بیٹھتے۔ اس لئے یہ ماننے بغیر چارہ نہیں ہے کہ اس وقت یزید کا انتخاب موزوں اور مناسب تھا۔ امت اسلام اس سے پوری طرح متفق تھی۔

ان حالات میں ناممکن تھا کہ حضرت معاویہ مدینہ کے حالات اور خاص طور پر حضرت حسین اور حضرت ابن زبیر پر کڑی نظر نہ رکھتے۔ ایک بار کوفہ کے ایک نامور سبائی لیڈر سلیمان بن صُرد مدینہ آئے (یہ صاحب دیدار نبوی سے مشرف اور اصاغر صحابہ میں شمار ہوتے ہیں) حضرت حسین سے ان کی گفتگو ہوئی۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ فی الوقت ہم سب گھر میں بیٹھے رہیں۔ ہم نے معاویہ کی بیعت ناگواری کے ساتھ کی ہے جب معاویہ کی وفات ہو جائے تو پھر ہم بھی غور کریں گے اور تم بھی غور کرو۔ ابومخنف کی روایت کے مطابق شیعان کوفہ سے گفتگو میں آپ کے یہ الفاظ تھے۔

''الان کان صلحا وکانت بیعة ولننظر مادام هذا الرجل حیا فاذامات نظرنا ونظر تم''

ترجمہ: اب صلح ہو چکی ہے اور بیعت بھی ہو چکی ہے جب تک یہ شخص (معاویہ) زندہ ہے ہم انتظار کریں گے اور جب یہ مر جائے تو (پھر کیا کرنا ہے) ہم بھی غور کریں گے تم بھی غور کرو''۔

اب ظاہر ہے کہ اس کی خفیہ رپورٹ جب حضرت معاویہ کو پہنچی ہوگی تو آپ کو کس قدر تشویش لاحق ہوئی ہوگی۔ آپ کی دوررس نگاہوں نے آنے والے واقعات کا پورا پورا اندازہ کر لیا ہوگا۔ اس آخری بار بھی آپ نے شفیق چچا کی طرح ایک خط لکھا جو ''بلاذری'' کی روایت کے مطابق یہ تھا:۔

''تمہارے بارے میں مجھے ایسی خبریں ملی ہیں جو اگر صحیح ہیں تو کچھ بعید نہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ تم خلافت کے بارے میں اپنی خواہش ترک کر چکے ہو۔ اگر یہ خبریں غلط ہیں تو تم بڑے خوش نصیب ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسین! اللہ سے ڈرو! مسلمانوں میں پھوٹ نہ ڈالو، اور انہیں خانہ جنگی کی طرف مت دھکیلو!''

اس کے سوا آپ اور کیا کر سکتے تھے۔ اپنی مرضی کے خلاف پا کر مقدرات کو تو کوئی بدل نہیں سکتا۔ پھر بھی آپ نے عین وفات کے وقت یزید کو وصیت فرمائی کہ حسین بجائے خود خطرناک آدمی نہیں ہیں۔ شر پسند لوگ انہیں اُکسا کر تمہارے مقابلے پر لائیں گے۔ اگر تم ان پر قابو پا جاؤ تو ان کے مقام و مرتبہ کا پورا پورا لحاظ کرنا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور ہمارے قریبی عزیز ہیں۔

ان سارے امور کو سامنے رکھنے کے بعد یہ حقیقت سامنے آ جاتی ہے کہ حضرت حسین کا خروج کسی اصلاح یا رعایا کو ظالم کے ظلم سے نجات دلانے کے لئے نہیں بلکہ صرف حصول خلافت کے لئے تھا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی یہ بات صریح تاویل بارد ہے کہ ''آپ کا اقدام رعایا کو ظالم کے ظلم سے نجات دلانے کے لئے تھا اور یہ واجبات دین سے ہے'' جب یہ واجبات دین سے تھا تو آپ لمحۂ آخر میں کیوں اس ذمہ داری سے دست بردار ہو گئے؟ اور کیا یہ قول دوسرے حاضر الوقت اکابر صحابہ پر تعریض نہیں ہے کہ انہوں نے اس واجب دین سے بے اعتنائی کی اور یہ بات کس قدر لغو ہے کہ ''یزیدی قوتیں'' اسلام کو مٹانے پر تلی ہوئی تھیں اور حضرت حسین نے اپنی اور اپنے کنبہ کی قربانی دے کر اسلام کو بچا لیا۔ حضرت حسین کی ایسی کوئی تقریر نہیں پیش کی جا سکتی جس میں آپ نے اپنے خروج کا مقصد کسی غلط کام کی اصلاح یا کسی ظلم کا ازالہ بتایا ہو۔ حضرت حسین کی یہ قربانی اسلام کے لئے ہوتی تو ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بارے میں بھی فرماتے کہ میرا یہ بیٹا بھی سیّد ہے جب اسلام پر نازک وقت آ جائے گا تو یہ اپنی اور اپنے کنبہ کی قربانی دے کر اسلام کو بچا لے گا۔ لیکن ایسا کوئی ارشاد رسول دنیا نہیں پیش کر سکی۔ اگر واقعی یہ عظیم قربانی اسلام کی بقاء اور احیاء کے لئے ہوتی تو تاریخ میں انقلاب ضرور آتا۔ مولانا مودودی کی دلی آرزو کے مطابق پھر ''خلافت علیٰ منہاج نبوت'' کا احیاء ہوتا۔ امت اسلام کو اپنی مرضی سے انتخاب خلیفہ کا اختیار نصیب ہوتا۔ شاہی خانوادوں کا سلسلہ جو تا حال چل رہا ہے وجود میں نہ آتا۔ ملوکیت کے ''آثار جنوں'' کا نام و نشان نہ ہوتا۔ آخر کوئی تو دو اور دو چار کی طرح ثابت کرے کہ آپ کی اس عظیم قربانی سے امت کو کیا ملا؟

کربلا کا ایک اتفاقی اور غیر متوقع حادثہ تھا جس میں خود آپ کے ساتھ مکہ سے آنے والے کوفیوں اور حُر کے ساتھ آئے ہوئے وہ اشخاص جنہوں نے خطوط لکھے تھے یہ دیکھ کر آپ دمشق جانے پر راضی ہیں تو ان لوگوں نے ایک شب سخت جھگڑا کیا اور خیمہ میں قتل عام مچا دیا جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ اس غیر متوقع اور سخت افسوسناک واقعہ پر لوگوں نے کیا کیا رنگ آمیزی کی ہے وہ قابل ملاحظہ ہے:-

بعضوں نے اس واقعہ کا جوڑ ''سقیفہ بنی ساعدہ'' سے لگایا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چہ خوش گفت است شخصے ایں لطیفہ — کہ کشتہ شد حسین اندر سقیفہ

مطلب یہ ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت علی کو خلافت سے محروم کر کے دوسروں کو خلافت پر فائز کرنا اسی مقصد سے تھا کہ یہ خلافت آگے چلتے چلتے کربلا میں قتل حسین کا ذریعہ بنے۔ گویا قتل حسین کا منصوبہ سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوا۔ بعضوں نے کہا: نہیں نہیں! ٹھہرو! اس کو اور پیچھے سے لے کر چلیں گے۔ داستانِ حرم کو خونین اور رنگین ثابت کرنے کے لئے وہاں سے شروع کریں گے جس کی ابتداء اسمٰعیل سے ہوئی اور انتہا حسین پر اور کہا کہ جو چھری اسمٰعیل کے گلے سے شروع ہوئی تھی حسین کے گلے پر آ کر اس نے اپنا کام پورا کیا۔ ان لوگوں نے اتنا نہیں سوچا کہ اسمٰعیل کے گلے پر چھری رکھنے والا کون تھا اور حسین کے گلے پر چھری رکھنے والا کون تھا؟ اس نکتہ کو اسی وقت قبول کیا جا سکتا ہے جبکہ دونوں گلوں پر چھری رکھنے والوں کو ہم مرتبہ اور ہم مقصد مانا جائے۔ جب یہ بات بھی اطمینان بخش نہیں ہوئی تو اس کو ''عشق'' کا رنگ دے دیا۔ امت میں تصوف اور عشق تو دل و جان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ''عشق'' ایسا لفظ ہے کہ اس کی کوٹنگ کر کے ناقابل فہم بات بھی آسانی کے ساتھ حلق میں اتاری جا سکتی ہے۔

صدقِ خلیل بھی ہے عشق ، صبر حسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حُنین بھی ہے عشق

☆☆☆

حدیث عشق دو باب است کربلا و دمشق
یکے حسین رقم کرد و دیگری زینب

بعضوں کا خیال ہے کہ حضرت حسین اور آپ کے اہل خاندان پر عظیم مصائب اس لئے ڈالے گئے کہ قیامت کے دن ان مصائب کا وسیلہ لے کر امت محمدی کی شفاعت کی جا سکے۔ گویا بخشش امت کے لئے آپ کی مظلومانہ شہادت پیش آئی اور اس کے لئے بچپن ہی میں حضرت جبرئیل کے ذریعہ ایک محضر بھیجا گیا جس کو امت کی خاطر قبول کیا گیا۔ حضرت حسین نے محضر پر دستخط فرما دی اور اسی محضر کے یاد دلانے پر آپ نے لمحۂ آخر میں تلوار نیام میں کر لی اور شہید ہو گئے۔ اگر یہ محضر نہ ہوتا تو پورے یزیدیوں کا صفایا کر دیتے۔

بعضوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یزید اور اس کے اعوان و انصار کو جہنم میں شدید عذاب دینے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ لیکن اس عذاب رسانی کے لئے کچھ وجہ جواز بھی تو ہو۔ اس لئے کربلا میں یزیدیوں کو پورا پورا موقعہ دے دیا کہ سبط رسول اور اہل بیت رسول پر جاہلانہ اور وحشیانہ مظالم ڈھائیں تاکہ قیامت تک امت اس سے لرزہ براندام رہے اور ان پر لعنت کرتی رہے۔ پھر قیامت میں تو ''عذاب الیم'' ہے ہی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت حسین ''بدر وحنین'' کے ''عشق'' میں شریک نہیں تھے اب یہ سعادت حاصل کرنے کے لئے کربلا میں ''صبر'' کے ''عشق'' کا مظاہرہ کیا۔ حضرت حمزہ جنگ اُحد میں صرف اکیلے شہید ہوئے اور ان کی لاش کا مثلہ کیا گیا تو انہیں ''سید الشہداء'' کا خطاب دیا گیا۔ شہداء کی سیادت کا شرف حاصل کرنے کے لئے حسین نے اپنے پورے خاندان کی قربانی دی اور سب کی لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں کی از سر نو نعلبندی کروا کر روندا گیا اور اس بناپر ''سید الشہداء'' کے لقب کے آپ ہی بجا طور پر مستحق ٹھہرے۔ اب واقعہ بھی یہی ہے کہ ''سید الشہداء'' کے لفظ کے ساتھ سب کا ذہن حضرت حسین کی طرف جاتا ہے۔ حضرت حمزہ کی سیادت بھولی بسری ہوگئی۔

ڈاکٹر محسن عثمانی نے مولانا محمد قاسم نانوتوی کا ایک قول پیش کیا ہے:-

> '' موجودہ صورت میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت میں کیا شبہ ہے۔ یزید نہ تو آپ کا خلیفہ تھا اور نہ یزید پر خروج کرنا ناجائز تھا۔ اور اگر خلیفہ تھا بھی تو اس پر خروج ممنوع نہ تھا''۔

اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت حسین کی شہادت بلاشبہ ''شہادت'' ہی تھی۔ اس لئے کہ آپ کو کوفی سبائیوں نے اس بنا پر شہید کیا کہ آپ ان کے ہاتھوں سے نکل رہے تھے اور اپنے اقدام سے دستبردار ہو کر ''جماعت'' سے وابستہ ہونے کے لئے دمشق جانے پر راضی ہو گئے تھے۔ لیکن جہاں تک حکومت کے خلاف خروج کا معاملہ ہے مولانا نانوتوی کے فیصلہ کے مقابلے میں ان سارے ہی صحابہ کرام اور آپ کے خیر خواہوں کے بیانات دیکھے جاسکتے ہیں جو گذشتہ صفحات میں گذر چکے ہیں۔ ان سب حضرات نے آپ کو ''اللہ کا ڈر'' دلایا تھا جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ آپ کا اقدام خروج ممنوع ہی ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی کا یہ فرمانا کہ ''حضرت امام ہمام کے اجتہاد میں اس کی (یزید کی) امامت صحیح نہ تھی لہذا خروج کا شبہ ان پر نہیں ہوسکتا'' اس کا جواب بھی زیر نظر کتاب میں واضح کر دیا گیا ہے کہ یزید کی امامت صحیح تھی۔ اکابر امت نے اس کو بہر حال تسلیم کر لیا تھا اس لئے اب کسی اجتہاد کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ خود حضرت حسین نے بھی اپنی کسی تقریر میں اپنے اجتہاد کی وضاحت نہیں فرمائی۔ کسی جمی جمائی اور مسلمہ حکومت کے خلاف اقدام ''خروج'' ہی کی تعریف میں آتا ہے۔ خواہ اقدام کرنے والی شخصیت کتنی ہی عظیم المرتبت اور صاحب اجتہاد ہو۔ اور ''خروج'' امت میں انتشار اور اختلال کا باعث ہونے کی بنا پر بہر حال ممنوع ہی ہے۔ حضرت حسین اور حضرت ابن زبیر اپنے کسی اجتہاد کی بنا پر حکومت کو تسلیم نہیں کرتے تھے تو ان حضرات کے لئے بہتر یہی تھا کہ مکہ معظّمہ میں ''عائذ بالبیت'' کی طرح خانہ نشین ہو جاتے اور اپنی سیاسی سرگرمیاں ختم کر دیتے۔ یہی مشورہ صحابہ کرام نے ان دونوں حضرات کو دیا تھا۔ اگر ان حضرات نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ مشورہ قبول فرما لیا ہوتا تو نہ واقعہ کربلا پیش آتا، نہ واقعہ حرہ اور نہ کعبہ معظمہ کا حصار اول و حصار ثانی۔ مولانا مودودی کا یہ قول یہاں پوری طرح چسپاں ہوتا ہے کہ:۔

''کوئی غلط کام محض شرف صحابیت کی وجہ سے مشرف نہیں ہو جاتا بلکہ صحابی کے مرتبۂ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے''۔

اس ضمن میں قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ کا اسوہ نہایت قابل تحسین ہے کہ ان کے اپنے اجتہاد کی بنا پر انہیں کسی قریشی کی خلافت تسلیم نہیں تھی اور انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق جیسے ''افضل البشر بعد الانبیاء'' کی بیعت نہ کر کے ترک وطن کیا اور شام چلے گئے۔ چونکہ وہاں وہ بالکل خانہ نشین ہو گئے تھے اس لئے ان سے نہ بیعت کا مطالبہ کیا گیا اور نہ ان پر کوئی سختی کی گئی۔ اس لئے مولانا اشرف علی تھانوی کا یہ فرمانا کہ حضرت امام ہمام کے اجتہاد میں یزید کی امامت صحیح نہیں تھی اس لئے کہ خروج کا شبہ نہیں کیا جا سکتا یا مولانا قاسم نانوتوی کا یہ فرمانا کہ یزید پر آپ کا خروج ممنوع نہ تھا۔ ناقابل قبول ہے۔

واقعہ کربلا

حضرت حسین کی شہادت کا واقعہ یہی ہے جس کو میں نے بار بار لکھا ہے کہ خیمۂ حسینی میں کوفی سبائیوں نے قتل عام مچا دیا۔ روایت یہ ہے کہ آپ نماز عشاء سے فارغ ہو کر دستر خوان پر تشریف فرما تھے اور گفتگو یہ شروع ہوئی کہ صبح عمر بن سعد کے ساتھ ہمیں دمشق چلنا ہے۔ حُر اور اس کے ساتھ آئے ہوئے کوفی جنہوں نے خطوط لکھے تھے، بشمول حبیب ابن مظاہر اور مسلم بن عوسجہ اصرار کیا کہ ہمارے خطوط ہمیں واپس کر دیجئے ورنہ یہ خطوط ہماری گرفتاری کا سبب بنیں گے۔ آپ ان خطوط کو واپس کرنے پر راضی نہیں تھے۔ گویا آپ ان خطوط کو خلیفہ کے پاس اس معذرت میں پیش کرنا چاہتے تھے کہ ان خطوط کی بنا پر ہی مجھے مکہ سے بعزم کوفہ نکلنا پڑا۔ آپ کے ساتھ مکہ سے نکلے ہوئے کوفی سبائی جن کی تعداد قریب پچاس کے تھی ان کا موقف بھی نازک ہو گیا تھا۔ اب وہ اِدھر کے تھے نہ اُدھر کے، موت ان کی آنکھوں میں منڈلا رہی تھی، بحث و تکرار بڑھتے بڑھتے جدال و قتال تک پہنچ گئی۔ کوئی باقاعدہ جنگ نہیں تھی، نہ میمنہ، نہ میسرہ، نہ علمداری نہ سقائی، اس ہنگامہ میں بشمول چند کم سن لڑکوں کے حضرت حسین اور اہل بیت کے کئی افراد جن کی تعداد (۱۸) یا (۲۰) بتائی جاتی ہے شہید ہو گئے اور کئی افراد اہل بیت جو اس موقعہ پر دوسرے خیموں میں تھے زندہ بچ گئے۔ ان ظالموں نے قتل و قتال کے بعد خیمہ کو آگ لگا دی تا کہ خطوط کے تھیلے جل جائیں۔ اس ہنگامہ میں یقیناً مقتولین کی لاشیں کچلی گئی ہونگی اور اُدھر جن خیموں میں خواتین تھیں وہ بھی چیختی اور آہ و بکا کرتی ہوئی باہر نکلی ہونگی۔ حضرت عمر بن سعد نے ان خیموں کے اطراف فوجی گھیراؤ ڈال دیا اور خود خیمہ حسینی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں پہنچ گئے۔ اس وقت خیمہ کی تباہی اور لاشوں کی خستہ حالت دیکھ کر وہ ضبط گریہ نہ کر سکے اور رونے لگے۔ ابومخنف نے لکھا ہے:-

کانی انظر الی دموع عمر وھی تسیل علی خدّیہ ولحییہ : گویا میں اپنی آنکھوں سے عمر کے آنسو دیکھ رہا ہوں جوان کے رخساروں اور داڑھی پر بہہ رہے تھے۔

جب یہ لوگ قتل وقتال کر کے باہر بھاگے تو سرکاری فوج کی گرفت میں آ گئے۔ جو لوگ رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر بھاگ سکتے تھے بھاگ نکلے اور جو بھاگ نہ سکے فوج پر حملہ آور ہوئے اور قتل ہوئے۔ ان قتل ہونے والوں میں حُر، حبیب ابن مظاہر اور مسلم بن عوسجہ اسدی اور کئی نامور کوفی تھے۔ حضرت حسین کے ساتھ مکہ سے نکلتے وقت پچاس کوفی ساتھ تھے۔ حُر کے ساتھ آئے ہوئے کوفیوں کی تعداد دو سَو[۲] تھی۔ سرکاری لشکر کی تعداد (۴۰۰) تھی۔ اہل بیت کے شہداء کی تعداد اٹھارہ یا بیس بتائی گئی ہے اور کوفی مقتولین کی تعداد قریب پچاس کے اور سرکاری لشکر کے مقتولین کی تعداد (۸۶) بتائی گئی ہے۔

اگرچہ کہ واقعہ کربلا کی کئی صورتیں روایات میں ملتی ہیں۔ پھر بھی مذکورہ بالا روایت میرے نزدیک زیادہ صحیح اور عقلاً قابل قبول ہے۔ ایک اور روایت بھی قابل قبول ہے وہ یہ ہے کہ کربلا میں دو تین رات حضرت حسین اور حضرت عمر بن سعد اپنے اپنے لشکروں سے دور تنہائی میں گفتگو کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ گفتگو مسئلہ کے حل کے لئے ہی ہوگی۔ حضرت حسین نے تین شرطیں رکھیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ عمر بن سعد نے ابن زیاد کو ان شرائط کی اطلاع دی تو ابن زیاد نے دمشق جانے کی شرط قبول کر لی۔ طبری کی روایت کے مطابق عمر بن سعد نے ابن زیاد کو اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ نے اختلاف کی آگ کو ٹھنڈا کر دیا ہے اور اتحاد کی راہ ہموار ہوگئی ہے۔ اس پر ابن زیاد نے کہا کہ یہ خط ایسے شخص کا ہے جو اپنی قوم پر شفیق اور اپنے امیر (یزید) کا سچا خیر خواہ ہے میں دمشق جانے کی شرط کو قبول کرتا ہوں۔ جس شب کی صبح کو آپ دمشق چلنے کے لئے تیار ہو گئے کوفیوں اور حُر کے ہمراہیوں نے کہا کہ ہم ابھی جا کر بنو اسد اور بنو طے کے دو ہزار سواروں کو لاتے ہیں جو سرکاری لشکر کا صفایا کر دیں گے۔ جاسوسوں نے یہ اطلاع عمر بن سعد کو دی۔ انہوں نے فوراً خیموں کا محاصرہ کر لیا۔ ان لوگوں نے جب دیکھا کہ ساری راہیں مسدود ہو چکی ہیں تو ان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا اور بے تحاشا جنگ چھیڑ دی جو بس اتنی دیر رہی جتنی دیر تک کوئی قیلولہ کر سکتا ہے۔ اس روایت میں بھی ہر دو طرف کے مقتولین کی تعداد وہی بتائی گئی ہے جو اوپر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ واقعۃً کیا صورت پیش آئی ہوگی۔

اب آیئے ان روایات پر غور کریں جو واقعہ کربلا کے بارے میں مشہور ہیں:-

مولانا مودودی نے حضرت حسین کے ہمراہیوں کی تعداد، ان کے بال بچوں کے علاوہ، ۳۲ سوار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ۴۰ پیادے لکھی ہے لیکن یہ صراحت نہیں کی کہ یہ تعداد بشمول افراد اہل بیت کے ہے یا نہیں، سرکاری لشکر کی تعداد چار ہزار لکھی ہے۔

مولانا سید نجم الحسن کراروی نے اپنی کتاب ''بہتر تارے'' میں (۷۲) افراد کے حالات بھی لکھے ہیں اور پھر اٹھارہ افراد بنی ہاشم کا ذکر کیا ہے۔ پھر آخر میں (۱۰۱) افراد کے صرف نام دیئے ہیں اس طرح یہ تعداد جملہ (۱۹۱) ہو جاتی ہے۔ سرکاری لشکر کی تعداد اپنی کتاب ''چودہ ستارے'' میں (۸۰) ہزار لکھی ہے (صفحہ ۲۴۱)

میں نے ایک ''مجلس'' میں سنا تھا، ذاکر صاحب فرما رہے تھے کہ تمام صوبوں سے مردان جنگی کو طلب کر کے سرکاری لشکر میں شامل کیا گیا۔ سرکاری اسلحہ ناکافی ہونے پر عوام الناس سے اسلحہ حاصل کئے گئے اور یہ بھی ناکافی ہونے پر قریب کے پہاڑوں کو توڑ کر کنکریٹ اور گنیٹ فراہم کئے گئے تھے۔ ناسخ التواریخ کے مولف نے یہ تعداد ۵۳ ہزار بتائی ہے۔ یہ چیز تعجب خیز ہے کہ قافلۂ حسینی سے جنگ کرنے کے لئے اتنی کثیر تعداد میں فوج ترتیب دی جا رہی تھی اسلحہ فراہم کئے جا رہے تھے تو کیا اس کی اطلاع مدینہ میں نہیں پہنچی ہوگی۔ کیا اس اطلاع پر بھی مدینہ میں موجود صحابہ کرام خاموش رہے ہوں گے؟ کیا انہیں حضرت حسین کی جان اور عورتوں اور بچوں کی کوئی فکر لاحق نہیں ہوئی ہوگی؟ کیا مدینہ اور مکہ میں موجود سارے ہی حضرات سب ٹھنڈے پیٹ اپنے اپنے مشاغل میں لگے رہے ہوں گے؟

مولانا کراروی نے مذکور بالا بہتر افراد میں سے عمار بن سلامہ، مسلم بن عوسجہ اسدی، مالک بن انس، زیاد بن غریب، حبیب ابن مظاہر اور جابر بن عروہ جملہ چھ افراد کو صحابی بتایا ہے۔

مولانا عبدالرشید نعمانی نے اپنی کتاب ''یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں'' میں صرف ایک صاحب ''انس بن حارث'' کو صحابی بتایا ہے اور ان کے نام کے ساتھ بڑے چاؤ سے ''رضی اللہ عنہ'' بھی لکھا ہے تا کہ ان کی صحابیت میں کسی کو کوئی شبہ نہ رہے۔ امام بخاری کی ''التاریخ الکبیر'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے یہ حدیث سنی ہے:-

ان ابنی یعنی الحسین یقتل بارض یقال لها کربلا فمن شهد منکم ذالک فلینصره : میرا بیٹا حسین کربلا میں قتل کیا جائے گا تم میں سے جو کوئی اس واقعہ پر موجود ہو اس کی مدد کرے۔ (صفحہ ۳۶۳)

اس حدیث کی بنا پر ہی انس بن حارث کربلا جا کر حضرت حسین کے ساتھ شہید ہوئے۔ یہ حدیث ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ جب حضرت حسین کا شہید ہونا مقدر ہی تھا تو پھر آپ کی مدد کا کیا سوال ہے؟ ہاں اگر حدیث کے الفاظ کچھ اس طرح ہوتے کہ حسین باطل کے غلبہ کے خلاف احقاقِ حق کے لئے کربلا میں جہاد کریں گے جو کوئی اس موقعہ پر موجود ہو (یعنی اپنی زندگی میں اس موقعہ کو پائے) تو ان کی نصرت کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے اُٹھ کھڑا ہو۔ یا حدیث کے الفاظ یہ ہوتے کہ اے انس بن حارث! حسین کے ساتھ کربلا جا کر تم بھی شہید ہو جاؤ۔ اور اس حکم کی تعمیل میں انس بن حارث کربلا جا کر شہید ہو جاتے تو پھر بھی بات کچھ بنتی۔ دوسری بات جو اس حدیث میں کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت حسین کے ساتھ شہید ہونے یا آپ کی نصرت کرنے کا حکم خاص طور پر انس بن حارث ہی کو نہیں بلکہ حاضر الوقت سب ہی صحابہ کو تھا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ صرف انس بن حارث نے اپنی صحابیت کی لاج رکھ لی اور کربلا جا کر شہید ہو گئے۔ باقی حضرات کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ اور سب اپنے گھر میں چین سے بیٹھے رہے۔ اس طرح یہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ صحابہ کرام اپنے رسول کے کتنے جاں نثار اور تابع فرمان تھے۔ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث کس ''فیاکٹری'' کی مصنوعات سے ہے۔

مولانا نجم الحسن کراروی نے اپنی کتاب ''بہتّر تارے'' میں حبیب ابن مظاہر کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی ولادت مدینہ منورہ میں ۱۳ ربیع الثانی ۵ھ کو ہوئی۔ پھر ایک واقعہ بھی (مفروضہ) لکھا ہے کہ وہ کوٹھے سے گر کر مر گئے تھے لیکن حضرت حسین کی دعا سے دوبارہ زندہ ہو گئے۔ یہ طے شدہ ہے کہ ان کا خاندان رسالت سے کوئی رشتہ نہیں تھا۔ اگر دیدار نبوی کا شرف حاصل ہوا بھی ہوگا تو صرف ایک آدھ بار۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت حسین تو خود نواسے ہونے کی بنا پر ''گود کے پالے'' تھے اور اتنے ہجوم میں دیدار نبوی کا زیادہ شرف حاصل کرنے والے، حضرت حسین کے علاوہ کوئی تھے تو صرف حضرت عمر بن سعد تھے۔ ان کی پیدائش مدینہ منورہ میں ۲ھ میں ہوئی۔ اور حضرت سعد ابن ابی وقاص خالِ رسول، مبشر بالجنۃ کے فرزند ہونے کی بنا پر لازماً دیدار نبوی سے بارہا مشرف ہو چکے تھے۔ اس طرح میدان کربلا میں حضرت حسین کے علاوہ کسی کی صحابیت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے تو وہ حضرت عمر بن سعد کی صحابیت ہے۔

قتل وقتال

مولانا کراروی نے ''بہتّر تارے'' میں لکھا ہے کہ جنگ کی ابتداء میں اس شدت کی تیر اندازی ہوئی کہ حضرت حسین کی فوج کے پچاس افراد ختم ہو گئے۔ اس واقعہ کا نام انہوں نے ''جنگ مغلوبہ'' دیا ہے۔ پھر (۷۲) افراد کے نکلنے اور مبارز طلبی کرنے کا ذکر کیا ہے۔ اس میں بعض کے بارے میں لکھا ہے، خلق کثیر کو ہلاک کیا، بے شمار دشمنوں کو قتل کیا وغیرہ لیکن کسی کسی کے بیان میں مقتولوں کی تعداد بھی لکھی ہے۔ حساب لگا کر دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ دشمن کی فوج کے قریب دو ہزار افراد ہلاک ہوئے۔

مولانا کراروی اپنی کتاب ''ذکر العباس'' میں حضرت عباس بن علی کے ہاتھوں کتنے ''دشمنان اسلام'' قتل ہوئے، لکھتے ہیں کہ ان کی تفصیل بتانی مشکل ہے۔ جدہر نکل جاتے پرے کے پرے صاف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دیتے تھے۔تلوار سے کتنے قتل ہوئے اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔البتہ نیزے سے جتنے دشمنوں کو قتل کیا ہےاس کی تفصیل یہ ہے:۔

"طادیہ پر سوار ہونے پہلے ۵۳۰،سوار ہوکر ۲۸۰،نہر فرات میں اُترنے سے پہلے ۸۰۰،داھنا ہاتھ کٹنے سے پہلے ۴۵۰،باباں ہاتھ کٹنے سے پہلے ۵۰،دونوں ہاتھ کٹ جانے کے بعد دانتوں اور کٹی ہوئی کلائی کے ذریعہ ۳۰۵ دشمنوں کو واصل جہنم کیا"

گویا جملہ (۲۴۱۵) آدمی نیزے سے قتل ہوئے۔ان اعداد وشمار کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بااعتماد شخص یا شائد جبرئیل علیہ السلام وہاں تھے جنہوں نے صحیح تعداد ریکارڈ کیا۔صرف دانتوں اور کٹی ہوئی کلائی سے ۳۰۵ دشمنوں کو ہلاک کر سکتے ہیں تو تلوار سے ان کے مقتولین کی تعداد پندرہ یا بیس ہزار سے کیا کم ہوگی۔

اب آیئے،حضرت حسین کی معرکہ آرائی اور نبرد آزمائی دیکھئے۔مولانا کراروی اپنی کتاب "چودہ ستارے" میں لکھتے ہیں کہ لشکر یزید جو ہزاروں کی تعداد میں تھا اصحاب باوفا اور بہادران بنی ہاشم کے ہاتھوں واصل جہنم ہو چکا تھا۔ایک پیاسے کو باقی تیس ہزار دشمنوں سے لڑنا تھا (صفحہ ۲۵۵) گویا ۸۰ ہزار میں سے پچاس ہزار دشمن ختم ہو گئے تھے۔آپ نے (دشمن کے) لشکر کے میمنہ اور میسرہ کو تباہ کر دیا۔پہلے ہی حملہ میں ایک ہزار نو سو پچاس دشمن قتل ہوئے۔پھر اٹھائیس ہزار دشمنوں نے حملہ کر دیا۔آپ نے شجاعت کے جوہر دکھائے،سر برسنے لگے،دھڑ گرنے لگے،آسمان تھرتھرایا،زمین کانپی،صفیں اُلٹیں،پرے درہم برہم ہو گئے۔شامی کٹ رہے ہیں،کوفی گر رہے ہیں،لاشوں کے ڈھیر لگ رہے ہیں (صفحہ ۲۵۶)۔حالانکہ موصوف نے صفحہ (۲۴۱) پر لکھا ہے کہ دشمن کی فوج میں حجازی اور شامی شامل نہیں تھے۔سب کوفی ہی تھے۔میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ ۳ لاکھ حضرت حسین کے ہاتھ سے اور پچیس ہزار عباس کے ہاتھ سے اور باقی پچیس ہزار دوسرے اصحاب باوفا کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔کسی نے کہا ہے کہ حضرت حسین نے دشمن کے لشکر پر متعدد حملے کئے اور ہر ہر حملے میں دس دس ہزار لاشیں بچھادیں۔اب دس دس ہزار کو "متعدد" سے ضرب دیجئے اور اندازہ لگایئے کہ آپ نے کتنی لاشیں بچھائی ہونگی۔اس سے معلوم ہوگا کہ کربلا کی سرزمین دشمنوں کے خون سے ہی کس قدر لالہ زار ہوئی ہوگی۔مولانا کراروی کہتے ہیں کہ آخر میں آپ نے تلوار نیام میں کر لی۔کیونکہ صدائے آسمانی آ گئی تھی کہ "اپنا وعدۂ طفلی پورا کرو" (صفحہ ۲۵۹) یہ اسی محضر کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔

اوپر دیئے "قتل وقتال" کے پورے نقشے کو ذہن میں رکھئے اور صرف ان امور پر غور کیجئے۔

○ کراروی صاحب کی صراحت کے بموجب ۱۰ محرم ۶۱ھ روز جمعہ یہ جنگ ہوئی۔موصوف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے جنگ کی ابتداء کا وقت ''ٹھیک دس بجے (صبح) لکھا ہے (صفحہ ۲۴۴) اور ختم جنگ کا وقت نماز عصر بتایا۔ (صفحہ ۲۶۰) مان لیجئے کہ شام ½۵ بجے۔ گویا ساڑھے سات گھنٹے جنگ رہی۔ کیا کوئی سلیم الحواس آدمی باور کرسکتا ہے کہ صرف ساڑھے سات گھنٹوں میں اوپر دیئے نقشے کے مطابق ہزار ہا آدمی قتل کیے جاسکتے ہیں۔

○ اصحاب باوفا اور ''بہادران بنی ہاشم'' کے صرف (۱۹۱) افراد قتل ہوئے۔ دوسری طرف ''دشمنان اسلام'' کے ہزار ہا آدمی قتل ہوئے۔ گویا ''پاکیزہ خون'' کی بہ نسبت ''نجس خون'' ہی زیادہ بہا اور کربلا کی زمین میں یہی خون جذب ہوگیا۔ ایسی صورت میں کربلا کی سرزمین میں طہارت و تقدیس ہی کہاں رہی؟ اب کربلا کی خاک ''خاک شفاء'' کیسے ہوسکتی ہے؟۔ یہ بات ہماری سمجھ میں بالکل نہیں آئی۔ مولانا کراروی نے بھی اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ جب صرف کوفہ کے ہزار ہا آدمی قتل ہوئے تھے تو پورے شہر کوفہ کے ہر گھر میں کہرام مچ جانا چاہئے تھا۔ بلکہ پورے عالم اسلام میں تہلکۂ عظیم برپا ہونا چاہئے تھا لیکن اس کی کوئی روایت نہیں ملتی۔ اتنے بڑے واقعہ پر نہ عالم اسلام لرزہ براندام ہوا اور نہ حکومت کے خلاف کوئی آواز اٹھی۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

مذکور بالا واقعات پر غور کریں تو کئی باتیں غیر اطمینان بخش اور مشتبہ معلوم ہوتی ہیں اس لئے ان واقعات کو قبول کرنے میں ہمیں سخت تامل ہے۔ اب آیئے ایک ایک نکتہ پر غور کریں۔

مولانا کراروی نے روز شہادت ۱۰ رمحرم ۶۱ھ روز جمعہ لکھا ہے۔ اس سال ۱۰ رمحرم ۶۱ھ کو عیسوی تاریخ ۱۰ / اکتوبر ۶۸۰ء تھی اور از روئے تقویم اس تاریخ کو جمعہ کا نہیں بلکہ چہار شنبہ کا دن پڑتا ہے۔ علامہ ابن حجر ھیتمی نے ''مجمع الزوائد'' میں روز شہادت ''یوم عاشورہ'' یعنی ۱۰ رمحرم تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس روز بعد شہادت اِس قدر زبردست سورج گہن لگا کہ نصف النہار کو تارے نظر آنے لگے۔ لوگ سمجھے کہ قیامت آگئی۔ علامہ ھیتمی نے اس بات پر غور نہیں فرمایا کہ سورج گہن ہلالی ماہ کی ۲۸ رتاریخ کو لگتا ہے کسی اور تاریخ کو نہیں لگتا۔ علامہ موصوف کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نصف النہار کو حضرت حسین کی شہادت واقع ہوچکی تھی جبکہ مولانا کراروی نے شہادت کا وقت عصر کا بتایا ہے۔ از روئے تقویم دیکھا جائے تو اس سال یعنی ۶۱ھ میں ۲۸ رصفر کو جمعہ کا دن تھا۔ اس لئے شہادت جمعہ کے دن مانی جائے اور سورج گہن واقع ہونے کو بھی تسلیم کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ واقعہ شہادت کی تاریخ ۲۸ رصفر ۶۱ھ روز جمعہ ہے۔ چنانچہ طبری جلد ۶ میں ایک روایت صفر ۶۱ھ کی ہے۔ لیکن یہ چیز اب بھولی بسری ہوگئی۔

سب سے زیادہ شبہ پیدا کرنے والی چیز وہ اعداد و شمار ہیں جو مولانا کراروی نے دیئے ہیں۔ عباس نے دانتوں اور کٹی ہوئی کلائی سے ۱۳۰۵ افراد کو قتل کیا! اتنا ٹھیک حساب کس نے رکھا۔ دانتوں اور کٹی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی کلائی سے کوئی شخص کسی کو کیسے قتل کرسکتا ہے چہ جائے کہ عباس نے ایک نہیں دونہیں پورے ۳۰۵ آدمیوں کوقتل کیا۔شمر نے خنجر سے بارہ ضربیں مار کر حضرت حسین کے سر کوتن سے جدا کیا(چودہ ستارے صفحہ ۲۶۰) ۔جب آپ کا لباس لوٹا گیا تو کس شخص نے کیا چیز لی اس کی تفصیل دی ہے(صفحہ ۲۶۰)اس کو کس نے ریکارڈ کیا اور اس کا راوی کون ہے؟

مولانا مودودی نے حضرت حسین کے ساتھیوں کی تعداد ۳۲ سوار اور چالیس پیادے لکھی ہے اور سرکاری لشکر کی تعداد چار ہزار لکھی ہے۔کیا چار ہزار سپاہی ۳۲ سواروں اور ۴۰ پیادوں کو زندہ گرفتار نہیں کرسکتے تھے؟ مولانا کراروی نے حسینی سپاہ کی تعداد (۱۹۱) اور سرکاری لشکر کی تعداد ۸۰ ہزار لکھی ہے۔ ہر صحیح العقل اور سلیم الحواس شخص سوال کرسکتا ہے کہ کیا ۸۰ ہزار سپاہی (۱۹۱) افراد کو زندہ ہی گرفتار نہیں کرسکتے تھے؟

مولانا مودودی تحریر فرماتے ہیں:۔

> ''جب ان کے سارے ساتھی شہید ہوچکے تھے اور وہ میدان جنگ میں تنہا رہ گئے تھے اس وقت بھی ان پر حملہ کرنا ہی ضروری سمجھا گیا۔اور جب وہ زخمی ہوکر گر پڑے تھے اس وقت ان کو ذبح کیا گیا۔پھر ان کے جسم پر جو کچھ تھا وہ لوٹا گیا حتیٰ کہ ان کی لاش پر سے کپڑے اتار لئے گئے اور اس پر گھوڑے دوڑا کر روندا گیا۔اس کے بعد ان کی قیام گاہ کو لوٹا گیا اور خواتین کے جسم پر سے چادریں تک اُتار لی گئیں۔اس کے بعد اُن سمیت تمام شہدائے کربلا کے سر کاٹ کر کوفہ لے جائے گئے اور ابن زیاد نے برسر عام ان کی نمائش کی۔(خلافت وملوکیت:عنوان:یزید کے دور حکومت میں)

مولانا کراروی نے ''چودہ ستارے'' میں بعنوان ''امام حسین کی نبرد آزمائی'' قریب قریب وہی کیفیت بیان کی ہے کہ آپ اکیلے تھے اور آپ پر کثیر تعداد کا حملہ ہوا جس میں سے آپ نے ۹۵۰ کو قتل کیا اور ابھی دم نہ لینے پائے تھے کہ ۲۸ ہزار دشمنوں نے حملہ کردیا جس میں ۴ ہزار کماندار تھے اور بتایا کہ کس طرح آپ نے تن تنہا اتنی کثیر تعداد کا مقابلہ کرتے ہوئے کامیابی حاصل کی(صفحہ ۲۵۶) کیا کوئی شخص اس صورت حال کو تسلیم کرسکتا ہے؟ بہادر سے بہادر شخص بھی دشمنوں کی کثرت تعداد کی وجہ سے مغلوب ہوجاتا ہے۔عرب میں یہ مثل مشہور ہے ''الکثرة تغلب الشجاعة'' کثرت،شجاعت پر غالب آجاتی ہے۔اس لئے یہ ساری معرکہ آرائی اور نبرد آزمائی کی داستانیں فرضی معلوم ہوتی ہیں۔خود مولانا مودودی کو بھی یہ چیز کھٹکی چنانچہ لکھتے ہیں:۔ www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''کوئی ضرورت نہ تھی کہ اتنی بڑی فوج اس چھوٹی سی جمعیت سے جنگ ہی کرتی اور اسے قتل کرڈالتی۔ وہ اسے محصور کر کے بآسانی گرفتار کرسکتی تھی''۔

ہمارا خیال ہے کہ مولانا مودودی چونکہ عام روایات کو قبول کرتے ہیں اور ''کربلا کے لرزہ خیز مظالم'' کے قائل ہیں اس لئے اچنبھے میں ہیں کہ اتنی بڑی فوج نے چھوٹی سی جمعیت سے جنگ ہی کیوں کی بآسانی گرفتار کیوں نہیں کیا؟

کربلا کے واقعات میں ''منع آب'' (پانی کی بندش) کا عنوان اصل جان اور روح رواں کا حکم رکھتا ہے۔ اگر کسی نے کہدیا کہ پانی بند کرنے کی روایت غلط ہے تو سارا قصہ بے دم ہو کر رہ جائے گا۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے شیعہ کے نزدیک یہ انکار ایک لحاظ سے کلمۂ کفر ہے۔ مولانا مودودی نے پانی بند ہونے کا ذکر نہیں کیا۔ شائد وہ پانی بند ہونے کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے۔ مولانا کراروی نے پانی بند ہونے کو تفصیل سے لکھا ہے کہ کس طرح ساتویں محرم کو پانی بند کیا گیا اور پانی کے حصول کے لئے کیا کیا کوششیں کی گئیں۔ بُریر ھمدانی نے بہ ہزار دِقت پانی کی ایک بڑی مشک لائی لیکن بچوں کے اس پر ٹوٹ پڑنے سے مشک کا دھانہ کھل گیا اور سارا پانی بہہ گیا۔ کئی بار کنویں کھدوائے گئے لیکن کسی میں سے بھی پانی نہ نکلا۔ (چودہ ستارے، بہتر تارے)

مولانا کراروی لکھتے ہیں کہ آپ نے اپنے خیمہ سے ۱۹ قدم سمت قبلہ جا کر ایک ضرب تیشہ سے چشمہ جاری کر دیا۔ یہ بتانے کے لئے کہ ہمارے لئے پانی کی کمی نہیں ہے، لیکن ہم اس مقام پر معجزہ دکھانے نہیں بلکہ امتحان دینے آئے ہیں (چودہ ستارے، صفحہ ۲۴۱) لیکن ''علی اصغر'' کو جب دشمنوں کے سامنے لاتے ہیں تو پانی کی ایسی التجا کرتے ہیں جیسے پانی کی بھیک مانگ رہے ہیں (صفحہ ۲۵۳) اور آخری وقت بھی آپ اپنے قتل سے باز آنے کا اور پانی کا مطالبہ کرتے ہیں (صفحہ ۲۵۶) یہ اتمام حجت کا کیا انداز ہے جس میں اپنی کمزوری اور محتاجی ظاہر ہوتی ہو۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر اتنا سخت امتحان آپ کو کیوں دینا پڑا۔ اس عظیم امتحان میں آپ اپنی اور اپنے کنبہ کی قربانی دے کر کامیاب ہوئے تو اس کا ثمرہ خود آپ کو کیا ملا؟ اُمت کو کیا ملا؟ کیا کوئی ارشاد رسول ایسا پیش کیا جاسکتا ہے کہ جس میں اس عظیم امتحان میں کامیابی پر آپ کی مدح سرائی ہو یا آپ کو کسی حدیث میں ''سید الشہداء'' کا خطاب دیا گیا ہو۔

ایک اور بات بھی کھٹکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''رحمۃ اللعلمین'' ہیں۔ ''الشفقة علیٰ خلق الله''۔ آپ کی سیرت پاک کا نمایاں عنوان ہے۔ کیسے کیسے جانی دشمنوں کو آپ نے اپنی رحمت ورافت سے معاف فرما دیا۔ ''لاتثریب علیکم الیوم'' فرما کر کیسے کیسے جانی دشمنوں اور اذیت رسانوں کو اپنے دامن رحمت میں لے لیا۔ حضرت حسینؓ کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے ''حسین منی وانا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مــن حسیــن" ایسی صورت میں کیسے مانا جائے کہ وہی حسین دیکھتے دیکھتے اپنے ہزاروں دشمنوں کا صفایا کر دیتے ہیں۔ اگر صدائے آسمانی نہ آتی تو پوری فوج ہی ختم ہو جاتی۔ ذات رسالت سے حضرت حسین کی یگانگت کی یہ متضاد صورت کیسے تسلیم کی جائے؟

مولانا کراروی لکھتے ہیں کہ:

''حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے فوراً بعد وہ مٹی جو رسولِ خداؐ مدینہ میں ام سلمہ کو دے گئے تھے۔ خون ہوگئی...... رسول خدا ام سلمہ کے خواب میں مدینہ پہنچے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ وہ بال بکھرائے ہوئے خاک سر پر ڈالے ہوئے تھے۔ ام سلمہ نے پوچھا کہ آپ کا یہ کیا حال ہے۔ فرمایا: شهدت قتل الحسين انفا ''میں ابھی ابھی حسین کے قتل گاہ میں تھا اور اپنی آنکھوں سے اُسے ذبح ہوتے ہوئے دیکھا ہے''۔

(چودہ ستارے۔ صفحہ ۲۶۱)

مولانا عبدالرشید نعمانی نے اپنی کتاب ''یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں'' میں ام المومنین ام سلمہ کا مذکورہ بالا واقعہ بھی لکھا ہے اور حضرت ابن عباس کے ایک خواب کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ:۔

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے ایک روز دوپہر کے وقت خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ بال بکھرے ہوئے ہیں، چہرہ مبارک غبار آلود ہے اور آپ کے دست مبارک میں ایک شیشہ کی بوتل ہے جس میں خون بھرا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ یہ کیا حالت ہے؟ یہ بوتل کیسی ہے؟ فرمایا یہ حسین اور ان کے رفقاء کا خون ہے جس کو آج دن نکلنے سے سمیٹ رہا ہوں۔ ابن عباس کا بیان ہے کہ اس وقت کا میں حساب لگاتا ہوں تو یہ وہی وقت تھا جس وقت ان کو شہید کیا گیا تھا (صفحہ ۷۱-۳)

اس میں شک نہیں مذکورہ بالا روایتیں پڑھنے کے بعد یہ الفاظ دیکھ کر کہ ''بال بکھرے ہوئے ہیں چہرہ مبارک غبار آلود ہے'' ہر مسلمان مضطرب اور متاثر ضرور ہو جاتا ہے۔ اس وقت مدینہ منورہ میں ام المومنین ام سلمہ اور حضرت ابن عباس کی شخصیتیں جیسی کچھ نمایاں اور اہمیت کی حامل تھیں محتاج بیان نہیں۔ اور ان دونوں کا حضرت حسین سے جو ربط و تعلق ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ مولانا کراروی اور مولانا نعمانی نے ان روایتوں کو بیان کرنے کے بعد ایک جملہ بھی اس بارے میں نہیں لکھا کہ ان خوابوں کو دیکھتے ہی ام المومنین ام سلمہ اور حضرت ابن عباس نے فوری کیا اثر لیا اور کیا اقدام کیا؟ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکھرے ہوئے بالوں اور غبار آلود چہرہ مبارک کے ساتھ ان دونوں کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خوابوں میں آ کر قتل حسین کی خبر دی تو کیا ان دونوں نے ''خواب وخیال'' کو کوئی اہمیت نہیں دی اور کروٹ بدل کر سو گئے؟ اور ان دونوں کو فوری کچھ کرنا نہیں تھا تو آپ نے اس خستہ حالی کے ساتھ ان دونوں کے خواب میں آ کر کیوں خبر دی؟ جب تک یہ صراحت نہ کی جائے کہ اس خواب کے ساتھ ہی ان دونوں نے مدینہ میں کہرام مچا دیا اور اچھی خاصی جمعیت لے کر عراق کی طرف دوڑ پڑے ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ یہ دونوں روایتیں بھی فرضی اور منگھڑت ہیں۔ ہم یہ بات قطعاً تسلیم نہیں کر سکتے کہ یہ خواب دیکھنے کے بعد یہ دونوں بزرگوار ٹھنڈے پیٹ مدینہ میں اپنی مشغولیتوں میں لگے رہے ہوں گے۔

مولانا نعمانی فرماتے ہیں:-

''اب غور فرمائیں کہ احادیث کیا بتاتی ہیں مگر یہ ناصبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شماتت پر خوش اور مسرور ہیں اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طنز وطعن اور ان کا استخفاف ان کا شیوہ ہے''

جب تک آپ یہ ثابت نہ فرمائیں کہ ام المومنین اور حضرت ابن عباس نے خواب دیکھنے کے بعد کسی رنج وغم کا اظہار کیا اور فرطِ اضطراب میں کوئی اقدام کیا، ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ ام المومنین اور حضرت ابن عباس کو بھی آپ ''ناصبی'' قرار دے رہے ہیں۔ حضرت حسین کی اتنی دردناک شہادت پر ام المومنین اور ابن عباس کی خاموشی اور بے اعتنائی کیا حضرت حسین کا استخفاف نہیں ہے؟ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بکھرے ہوئے بال اور غبار آلود چہرہ مبارک'' کے ساتھ عین شہادت کے وقت ام المومنین اور حضرت ابن عباس کو خبر دی تھی۔ مولانا مودودی کے بیان کے مطابق لاشئہ مبارک کو گھوڑوں سے روندا گیا۔ شہداء کے سر کاٹ کر کوفہ لے جائے گئے ابن زیاد نے ان کی نمائش کی تو پوری مملکت اسلامیہ میں حکومت کے خلاف تلواریں کیوں نہیں اٹھیں؟ بنو امیہ کی اینٹ سے اینٹ کیوں نہیں بجا دی گئی؟ یزید اور اس کے اعوان وانصار کو عبرت ناک سزا کیوں نہیں دی گئی؟ اس وقت کے عالم اسلام پر ''ناصبیت'' کا ٹھپہ کیوں نہیں لگ سکتا کہ حضرت حسین اور آپ کے خاندان پر لرزہ خیز مظالم ہوں اور عالم اسلام اس کا بروقت خاطر خواہ بدلہ نہ لے۔ کیا یہ حضرت حسین کا استخفاف نہیں ہے؟ آج چودہ سو سال بعد مولانا نعمانی کی نظر میں وہ کونسے ''ناصبی'' ہیں جن کا وطیرہ حضرت حسین کا استخفاف ہے۔

حضرت حسین اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو اس کا خلاصہ صرف یہ ہو سکتا ہے کہ اگر یہ دونوں حضرات ''عائذ بالبیت'' کی حیثیت سے مکہ معظمہ میں خانہ نشین ہو جاتے اور سیاست سے کنارہ کش رہتے تو واقعہ کربلا، واقعہ حرہ اور حصار اول وثانی کے واقعات پیش نہیں آتے۔ صحابہ کرام نے ان دونوں حضرات کو یہی مشورہ دیا تھا۔ لیکن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس بات کا یہ مطلب بھی نہیں کہ کربلا کے لرزہ خیز مظالم اور خانہ کعبہ کی شدید بے حرمتی اور مدینہ منورہ کی قیامت خیز تباہی کا ان دونوں حضرات کو ذمہ دار قرار دیا جائے۔ ان واقعات میں رنگ آمیزی بہت بعد میں کی گئی ہے۔ بنو امیہ سے نفرت پیدا کرنے کے لئے بنو عباس کے دور کے مورخین نے یہ سارے افسانے گھڑے ہیں۔ اور بعد کے لوگ جذباتی طور پر ان سے متاثر ہو گئے ہیں۔ اس طرح امت میں ان واقعات کو ''اسلام میں رخنہ'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بحمد للہ اسلام میں کوئی رخنہ نہیں پڑا۔ اور نہ اس وقت ایسے واقعات پیش آئے جن سے تاریخ کے طالب علم کو شرمندگی محسوس ہو۔ حضرت حسین اور حضرت ابن زبیر کا امت میں عظیم مقام خود اس زمانے میں بھی تھا جبکہ یہ حضرات دنیا میں تشریف فرماتے تھے اور بعد میں بھی امت تا قیامت ان دونوں کو عظمت و احترام کے ساتھ ہی یاد کرتی رہے گی۔ سیاسی حیثیت سے ان دونوں بزرگوں سے، ان کے اپنے اجتہاد کی بنا پر لغزش ضرور ہوئی۔ لیکن ان کی عظمت و جلالت اس سے متاثر نہیں ہوئی۔ حضرت ابن زبیر کو ایک شقی ازلی سبائی نے سر پر اینٹ مار کر شہید کیا اور حضرت حسین کو آپ کے ساتھ آئے ہوئے کوفی سبائی اور حُر کے ساتھیوں نے، جن کو مولانا کراروی نے ''اصحاب باوفا'' کا نام دیا ہے، شہید کیا۔ مولانا مودودی نے حضرت ابن زبیر کے سر مبارک اور جسم مبارک کی توہین کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اور مولانا کراروی نے حضرت حسین کے سر مبارک اور جسم مبارک کی توہین کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ قطعاً ناقابل قبول ہے۔ حضرت حسین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے نواسے، گود کے پالے اور حضرت ابن زبیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی طرح کی قریبی رشتہ داریوں کے علاوہ آپ کے اور ام المومنین عائشہ کے ''منہ بولے بیٹے'' تھے۔ ایسی صورت میں کسی کی کیا مجال ہو سکتی تھی کہ ان کے سر اور جسم کی شدید توہین کر سکے۔ ذرا غور کرنے کا مقام ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بال بکھرائے ہوئے غبار آلود چہرے کے ساتھ مدینہ جا کر ام المومنین ام سلمہ اور حضرت ابن عباس کے خواب میں فرماتے ہیں کہ میں نے حسین کو ذبح ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ اگر یہ خواب صحیح ہے تو ہر شخص غور کر سکتا ہے کہ قلب مبارک میں اضطراب اور تڑپ کی کیا کیفیت رہی ہوگی۔ اس کے باوجود عالم اسلام خاموش ہے تو ماننا پڑے گا کہ پورا عالم اسلام ''استخفاف حسین'' کا مرتکب اور ''ناصبیت'' میں غرق تھا۔ یا پھر یہ کہ یہ ساری کہانی من گھڑت ہے ـــــ جو روایتیں یہ بتاتی ہیں کہ حضرت عمر بن سعد نے شہداء اہل بیت کی نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کی وہ بالکلیہ قابل قبول ہیں۔

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی نے محمود احمد عباسی صاحب کی کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' کے بارے میں لکھا ہے کہ ''یہ کتاب سرتاسر فریب، خداع، تلبیس اور کذب و افتراء کا مرقع ہے'' پھر اپنی کتاب کے ختم پر عباسی صاحب کی کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں: اس کتاب نے سادہ لوح عوام نہیں اچھے خاصے پڑھے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لکھے طبقہ کو متاثر کیا ہے جن میں عربی مدارس کے بھی بہت سے فارغ التحصیل شامل ہیں۔ (صفحہ ۳۹۹:۴۰۰)

عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں جس قدر حوالے دیئے ہیں ان میں باقاعدہ کتاب کا نام، جلد نمبر اور صفحہ نمبر تک دیا ہے۔ اگر اس بارے میں عباسی صاحب نے فریب، خداع، اور تلبیس کی ہوتی تو خود آپ کے اعتراف کے مطابق عربی مدارس کے فارغ التحصیل اس سے کیسے متاثر ہوتے؟ کیا کوئی مصنف اتنا واضح حوالہ دے کر فریب، خداع اور تلبیس کا مرتکب ہوسکتا ہے؟ ''خلافت معاویہ ویزید'' جیسی کچھ دھما کو کتاب ہے اس کے پیش نظر ایک حوالہ بھی غلط دیا جاتا ہے تو عباسی صاحب کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ ہوتے چہ جائے کہ آپ کے بیان کے مطابق ان کی کتاب سے عربی مدارس کے فارغ التحصیل بھی متاثر ہیں۔ عباسی صاحب کی شخصی رائے سے آپ کو اختلاف کرنے کا حق ہے۔ لیکن ان کے پیش کردہ حوالوں پر فریب، تلبیس اور خداع کا الزام لگا کر آپ عربی مدارس کے فارغ التحصیل حضرات کو بھی عقل سے عاری اور فریب خوردہ قرار دے رہے ہیں۔ یہ آپ کا سراسر ظلم ہے۔ آپ نے اپنی کتاب میں کہیں بھی نہیں لکھا کہ فلاں کتاب میں یہ لکھا تھا اور عباسی صاحب نے اس عبارت میں یہ قطع و برید کی، فلان کتاب کا حوالہ غلط دیا۔ کسی سے اختلاف حد اعتدال سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے (سورہ مائدہ آیت ۸)

آپ نے لکھا ہے کہ ''آج تک کسی ایک رافضی کے متعلق بھی یہ نہیں بتلایا جاسکتا کہ وہ عباسی صاحب کی کتاب پڑھ کر تائب ہوگیا ہو'' آپ خود ایک بھاری بھرکم علمی شخصیت ہیں، صاحب قلم ہیں۔ آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اس قسم کی تحقیقی کتابوں کا مقصد صرف اظہار حقائق ہوتا ہے۔ کسی کے قبول کرنے یا نہ کرنے کی بات نہیں ہے۔ عباسی صاحب کی کتاب ہو یا اس قسم کی اور کتابیں ہوں یا خود میری یہ زیر نظر کتاب ہو، ان کا مقصد اہل علم کے سامنے اپنی تحقیق پیش کردینا ہوتا ہے۔ کسی کے قبول کرنے اور تائب ہونے کی بات اللہ تعالیٰ کی مرضی اور توفیق پر منحصر ہے۔ یہ انسان کے بس کا کام نہیں ہے۔

واقعہ کربلا جو آج ہمارے سامنے اپنی پوری داستانوں کے ساتھ ہے وہ ایک فرضی، خیالی اور منگھڑت افسانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ نہ یہ ''معرکۂ حق و باطل'' ہے اور نہ اسلام کی سربلندی کا کوئی شہکار۔ دشمن اسلام لابی نے امت میں انتشار پیدا کرنے، خلافت اسلامیہ کو بدنام کرنے اور اکابر سلف کے بعد آنے والوں کے دلوں کو مکدر کرنے کے لئے ان کہانیوں کو وضع کر کے اسلام کی روشن تاریخ کو اس قدر تاریک بنادیا کہ عوام تو عوام خواص بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے۔ ٹھنڈے دل اور غیر جانبداری کے ساتھ تاریخ اسلام پر غور کریں تو حقیقت سامنے آسکتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمّار ابن یاسر رضی اللہ عنہما

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی اور برسرِ باطل قرار دینے کے لئے سبائی ذہنیت کے مورخین نے حضرت عمار کی شہادت کو بنیاد بنایا ہے اور پورے یقین کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ جنگ صفین میں شامی فوجوں کے ہاتھوں حضرت عمار کی شہادت سے یہ بات قطعی اور یقینی ہو جاتی ہے کہ معاویہ اور اہل شام باغی اور برسر باطل ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمار کے کچھ ابتدائی حالات اور ساتھ ساتھ ان حالات پر غور کیا جائے جب سے کہ حضرت عمار سیاسی طور پر نمایاں ہونے لگے۔

حضرت عمار نسلاً قحطانی تھے۔ ان کے والد یاسر اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش میں مکہ آئے اور کسی وجہ سے یہیں بس گئے۔ بنو مخزوم کی ایک کنیز سُمیّہ سے نکاح کر لیا اور بنو مخزوم کی ''وِلاء'' (زیر سرپرستی) میں آ گئے۔ بنو مخزوم طبعاً سخت مزاج اور سخت گیر تھے ان لوگوں نے یاسر اور سُمیّہ کے ساتھ نہایت سخت گیری کا برتاؤ کیا اور یہ دونوں ظلم سہتے رہے۔ یہاں دو لڑکے عمار اور عبداللہ پیدا ہوئے۔ اسی حالت میں قریب نصف صدی گذر گئی۔ صفا کی پہاڑی پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا اعلان کیا تو پہلی ہی آواز پر نہایت ضعیف العمر یاسر اور سُمیّہ اور ان کے دونوں بیٹوں عمار اور عبداللہ نے اسلام قبول کر لیا۔ اس پر بنو مخزوم بھڑک اٹھے۔ ان چاروں کو بے تحاشا مارنا پیٹنا شروع کیا۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُدھر سے گذرے جہاں ان چاروں کو درختوں سے باندھا گیا تھا۔ یاسر نے پکار کر کہا: یا رسول اللہ! کب تک ایسا رہے گا۔ آپ بہت متاثر ہوئے اور فرمایا: ابو عمار! صبر کرو، تم سے جنت کا وعدہ ہے۔ دوسرے دن بنو مخزوم کے ایک ظالم عمر بن ھشام المعروف ابو جہل نے برچھوں کے بے تحاشا وار سے ضعیف یاسر، سُمیّہ اور ان کے فرزند عبداللہ کو شہید کر دیا۔ جب عمار کی طرف پلٹا تو ان کی زبان سے نکلا۔ امنت بالجبت و الطاغوت ۔ یہ صریحاً ایک کلمہ کفر تھا، ابو جہل نے ان کو چھوڑ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا: عمار کے رگ وریشہ میں ایمان سرایت کیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نحل کی آیت ۱۰۶ نازل فرمائی جس میں ''الامن اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان'' سے حضرت عمار کی طرف ہی اشارہ فرمایا ہے۔ اکابر اور قدیم الاسلام صحابہ میں حضرت عمار کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان کے ضعیف والدین بھی قدیم الاسلام ہیں اور راہِ حق کے سب سے پہلے شہید ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب قریب ہم عمر تھے۔ آپ کے فضائل میں بہت سی احادیث ہیں۔ جیسے (۱) عمار کا قاتل اور عمار کا مقتول جہنمی ہے (۲) حق عمار کے ساتھ ہوگا وہ جہاں بھی جائیں۔ حضرت عمار کی عمر کا زیادہ حصہ مصیبتیں اٹھانے اور سختیاں برداشت کرنے میں گذرا اس لئے ان کا مزاج شدت کی طرف مائل تھا۔ اُم المومنین عائشہ فرماتی ہیں کہ عمار کو جب دو امور میں سے کسی ایک کے اختیار کا موقعہ دیا جاتا تو وہ سخت امر ہی کو اختیار کرتے ہیں۔

علامہ ابن حجر ھیتمی نے ''مجمع الزوائد'' میں ان کے بارے میں یہ روایتیں لکھی ہیں۔ (۱) عمار فطرت (اسلام) پر رہیں گے خواہ وہ بوڑھے کھوسٹ ہو کر مریں (۲) عمار تجھے خوشخبری ہو، تجھ کو ایک باغی جماعت قتل کردے گی (۳) جو عمار کی تحقیر کرے اللہ اس کی تحقیر کرے، جو عمار کو بُرا کہے اللہ اس کو بُرا کہے۔ جو عمار سے دشمنی کرے اللہ اس سے دشمنی کرے (۴) عمار کا خون، عمار کا گوشت دوزخ کی آگ پر حرام ہے (۵) عمار کا قاتل، عمار کا سالب جہنمی ہے۔ (قدیم زمانے میں طریقہ تھا کہ قاتل اپنے مقتول کے ہتھیار اور جسم کے کپڑوں، ڈھال، بکتر وغیرہ کا حقدار مانا جاتا تھا اس کو ''سلب'' کہتے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ قاتل کوئی ہوتا اور کوئی دوسرا شخص سلب کا دعوے دار ہوتا تھا۔ اس طرح قاتل اور سالب الگ الگ بھی ہو جاتے تھے)

حضرت عمار کے حضرت عثمان سے گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ حضرت عثمان ہمیشہ ان کی مالی مدد کرتے تھے۔ یہ سلسلہ حضرت عثمان کے سریرآرائے خلافت ہونے تک باقی رہا۔ ایک روز حضرت عمار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت عباس ابن ابی لہب میں زبردست لڑائی ہوگئی، مار دھاڑ تک نوبت پہنچی۔ حضرت عثمان بہت برہم ہوئے۔ دونوں کو سزا دی اور کوڑے لگوائے۔ حضرت عمار کو نسبتاً زیادہ سزا ملی۔ اس پر وہ سخت ناراض ہوگئے۔ یوں بھی حضرت عمار قریش سے سخت ناراض تھے۔ بنو مخزوم کے مظالم ان کے لئے ناقابل فراموش تھے اور قریش کے کسی قبیلہ نے ان سے ہمدردی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس وقت بھی ایک قریشی (حضرت عباس) کی بہ نسبت ان کو زیادہ سزا دی گئی تھی۔ عجیب اتفاق کہ حضرت عثمان نے بنو مخزوم کی ایک معزز خاتون فاطمہ بنت ولید (حضرت خالد بن ولید کی بہن) سے نکاح کیا تھا۔ وہ حضرت عثمان کی مخالفت پر پوری طرح تُل گئے۔ ایسا ہونے لگا کہ حضرت عثمان خطبہ دیتے ہوتے اور یہ حضرت اٹھ کر اعتراضات کرتے، گڑبڑ کرتے۔ کئی بار ہاتھا پائی کی نوبت بھی آئی۔ ایک روز زبردست ہنگامہ ہوا۔ حضرت عثمان کے حامیوں نے انھیں خوب مارا پیٹا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عثمان بھی منبر سے اُتر کر انھیں مارنے لگے۔ لوگ انھیں مارتے ہوئے مسجد کے باہر لے گئے اور اتنا مارا کہ ان کی فتق کی رگ پھٹ گئی اور وہ بے ہوش ہوگئے۔ اُم المومنین ام سلمہ کو اس کی خبر ہوئی تو وہ دوڑتی ہوئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آئیں اور بیچ بچاؤ کیا۔ ان کو اُٹھا کر اپنے گھر لے گئیں (مخفی مباد کہ حضرت عمار اُم المومنین اُم سلمہ کے دودھ شریک بھائی تھے) تین دن تک موت وزیست کی کشمکش کے بعد ہوش میں آئے تو فرمایا: حق کے لئے یہ پہلی مار پیٹ نہیں ہے میں اس سے بھی زیادہ مار کھا چکا ہوں۔

مدینہ میں یہ حالات تھے۔ اُدھر سبائیوں نے حضرت عثمان کے گورنروں کے خلاف شکایات مدینہ کو بھیجنی شروع کیں۔ پھر کچھ وفود بھی آئے۔ اس پر حضرت عثمان نے مجلس شوریٰ طلب فرمائی۔ طے یہ ہوا کہ عراق، شام اور مصر کو ''تحقیقاتی آفیسر'' بھیجے جائیں تاکہ وہ حالات کی تحقیق کر کے صحیح رپورٹ پیش کریں۔ ان تحقیقاتی افسروں میں حضرت عمار بن یاسر کا نام بھی تھا۔ حضرت عثمان اور حضرت عمار میں خواہ شخصی طور پر کتنی ہی رنجش اور دشمنی ہو ایک دوسرے کی دینداری اور امانت داری پر پورا پورا اعتماد تھا۔ اس لئے حضرت عثمان ان کو بھیجنے پر راضی ہو گئے۔ عجیب اتفاق کہ حضرت عمار کو جو صوبہ الاٹ ہوا وہ مصر تھا جو سبائیوں اور فتنہ پردازوں کا اصل گڑھ تھا۔ دشمنان اسلام یہاں سے مملکت اسلامیہ میں فتنے پھیلا رہے تھے۔ اب تک انھیں کسی صحابی کی سرپرستی حاصل نہیں تھی۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ حضرت عمار جیسے جلیل القدر اور قدیم الاسلام صحابی تشریف لا رہے ہیں اور انھیں اس بات کا بھی علم ہو چکا تھا کہ حضرت عمار اور حضرت عثمان کے تعلقات سخت کشیدہ ہیں تو یہ بہت خوش ہو گئے۔ بڑے تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا۔ عبداللہ بن سبا اور خالد ابن ملجم (عبدالرحمٰن ابن ملجم قاتل حضرت علی کا بھائی) نے اپنے پاس ٹھہرایا۔ خوب آؤ بھگت کی۔ جب انھیں اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ عمار پوری طرح ان کے ھتے چڑھ گئے ہیں تب آہستہ آہستہ اپنے دشمن اسلام عزائم ان کے سامنے رکھنے لگے۔ کچھ دن تک تو حضرت عمار ان کی باتیں سنتے رہے لیکن جب بات ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئی اور انھوں نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ یہ لوگ اپنے دشمن اسلام عزائم کی تکمیل کے لئے مجھے آلۂ کار بنا رہے ہیں اور جان لیا کہ آپ کس خطرناک موقف میں آ گئے ہیں تب آپ نے زبان کھولی اور ان لوگوں کو نصیحتیں کرنے لگے۔ اُدھر دشمن اسلام عزائم اور اِدھر اسلام کی پرزور حمایت۔ بات بڑھتے بڑھتے تلخی تک پہنچ گئی آخر انھوں نے مدینہ جانے کا فیصلہ کر لیا اور ایک روز مدینہ کے لئے نکل ہی پڑے۔ جب سبائیوں کو معلوم ہوا کہ عمار مدینہ کے لئے نکل گئے ہیں تو بھوکے بھیڑیوں اور شکاری کتوں کی طرح ان کی طرف لپکے اور ایک مقام پر جا لیا اور اُس مبارک جسم کے جس کے رگ وریشوں میں ایمان کا نور بھرا ہوا تھا، اپنی تلواروں اور برچھوں سے ٹکڑے اڑا دیئے۔

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَتَغَمَّدَ بِالرَّحْمَةِ الْوَاسِعَةِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ویح عمار تقتله الفئة الباغية يدعوهم الى الله ويدعونهم الى النار (صحیح بخاری کتاب الجہاد والسیر) عمار کو ایک باغی جماعت قتل کر دے گی وہ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(جماعت) کو اللہ کی طرف بلائے گا اور وہ جماعت اس کو دوزخ کی طرف بلائے گی۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضرت عمار سبائیوں کو حضرت عثمان کی خلافت کے استحکام کی تلقین فرما رہے تھے اور باغیانہ روش ترک کر کے اسلامی دھارے میں جڑ جانے کی جو نصیحت فرما رہے تھے وہ یقینا آپ کا ''اللہ کی طرف بلانا'' تھا۔ اور ان سبائیوں کا موقف بلاشبہ جہنم کی طرف دعوت دینے والا تھا۔ اس زمانے میں سبائیوں یعنی مسلم نما دشمنان اسلام کا وطیرہ تھا کہ کسی بڑی اور نمایاں شخصیت کو پھسلا کر، بہلاوے دے کر، غلط سلط باور کرا کر اور باقتضاء بشریت ان کی کسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اپنے ساتھ ملا لیتے اور اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے آلۂ کار بناتے تھے اور جب یہ شخصیت چونک پڑتی اور ہاتھ سے نکلنے لگتی تو نہایت بے دردی کے ساتھ اس کو شہید کر دیتے تھے۔ پہلا واقعہ تو یہی حضرت عمار کی شہادت کا ہے اور دوسرا واقعہ جو بالکل اسی نہج پر پیش آیا وہ حضرت حسین کی شہادت کا ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ مذکورہ بالا حدیث کی رو سے وہ سبائی جنھوں نے حضرت عمار اور حضرت حسین کے خون ناحق سے اپنے ہاتھ رنگے بلاشبہ جہنمی اور خارج از اسلام ہیں۔

میرے نزدیک حضرت عمار کے سبائی فتنہ پردازوں کے ہاتھوں نواح مصر میں شہید ہونے کی روایت زیادہ قرین قیاس اور معقول ہے۔ اگر واقعی حضرت عمار مصر سے مدینہ پہنچے تھے تو آپ نے کیا رپورٹ پیش کی؟ سبائیوں کے اسلام دشمن عزائم جب حضرت عثمان اور مجلس شوریٰ کے اراکین کے سامنے آئے تو پھر دربار خلافت سے ان سبائیوں کے لئے کیا تادیبی کارروائی کی گئی؟ باوجود تلاش بسیار کے مجھے کوئی روایت نہیں ملی۔ قیاس یہی کہتا ہے کہ حضرت عمار مدینہ پہنچے ہی نہیں۔ مذکورہ بالا حدیث کے الفاظ پر بھی غور کیا جائے تو اسی قیاس کو تقویت پہنچتی ہے۔

مولانا مودودی نے ''خلافت وملوکیت'' میں بعنوان ''پانچواں مرحلہ.....'' ان تمام صحابہ کے نام لکھے ہیں جنھوں نے تقتلک الفئة الباغية کی روایت کی ہے اور ان کتب احادیث کا حوالہ دیا ہے جن میں یہ حدیث درج ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص کا قول بھی پیش کیا ہے کہ ''اس حدیث کو اہل کوفہ، اہل بصرہ، اہل حجاز اور اہل شام سب نے روایت کیا ہے'' مولانا نے حافظ ابن کثیر کا قول بھی پیش کیا ہے کہ:-

''اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبر کا راز کھل گیا کہ حضرت عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا اور اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ حضرت علی حق پر ہیں اور حضرت معاویہ باغی ہیں''۔ (البدایہ، جلد ۷، ص ۲۷۰)

بہر حال حضرت عمار کی شہادت جنگ صفین میں قرار دے کر اس بات کو قطعی اور یقینی بنا دیا گیا کہ حضرت معاویہ اور اہل شام باغی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب آیئے حدیث کے الفاظ پر غور کریں۔تین الفاظ غور طلب ہیں۔ تقتلک ، الفئة ، الباغیة ''قتل'' ایک یا چند اشخاص مل کر کسی کو قتل کر دیں اور مقتول کو جواباً تلوار چلانے کا موقعہ نہ ملے۔ ''قتال'' دو اشخاص یا دو گروہ آپس میں شمشیر زنی کریں ہر ایک کا مقصد دوسرے کو قتل کرنا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''تقتلک'' فرمایا ہے۔''تقاتلک'' نہیں فرمایا۔اس لحاظ سے نواح مصر میں حضرت عمار کی شہادت ہی ثابت ہوتی ہے۔ جنگ صفین میں حضرت عمار کی شرکت اور شامی فوجوں سے قتال کرتے ہوئے شہید ہونے کی روایات کی حدیث کے الفاظ تائید نہیں کرتے۔

''الفئة'' کے لفظی معنی جماعت اور گروہ کے ہیں۔حضرت معاویہ اور اہل شام پر ''الفئۃ'' کے لفظ کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔حضرت معاویہ کے حلقے کے مخصوص لوگ حضرت عمار کو شہید کرتے تو پھر بھی بات کچھ تھی ،حضرت معاویہ کی گورنری کے بارے میں مولانا مودودی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان نے ان کو مملکت اسلامیہ کے اتنے بڑے حصہ میں مسلسل بارہ سال تک متعین رکھا جس میں آج کے زمانے میں شام ،لبنان، اردن اور اسرائیل کی چار مملکتیں قائم ہیں۔اتنی طویل مدّت میں انھوں نے یہاں اپنی جڑیں پوری جمالیں اور وہ مرکز کے قابو میں نہ رہے بلکہ مرکز ان کے رحم وکرم پر منحصر ہوگیا۔ایسی صورت میں حضرت معاویہ اور اہل شام کے لئے ''الفیۃ'' کا لفظ کافی نہیں ہے۔اس کے ساتھ ''العظیمۃ'' کا لفظ بھی ہونا چاہئے تھا تاکہ اس حدیث کا پوری طرح حضرت معاویہ اور اہل شام پر اطلاق ہوسکے۔ایک اور حدیث جو آگے آرہی ہے اس میں حضرت معاویہ اور اہل شام کے لئے ''فئة عظمية'' کا لفظ آیا ہے۔

''الباغیة'' باغی کا عام مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ پہلے مطیع اور تابع فرمان تھا پھر بعد میں سرکشی اختیار کی اور دائرہ اطاعت سے خارج ہوگیا۔مثال کے طور پر اگر پاکستان ہندوستان پر حملہ آور ہو تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پاکستان نے بغاوت کی۔اس کے برخلاف ہندوستان ہی کی کوئی ریاست مرکز سے اپنا تعلق منقطع کرلے اور مرکز کے خلاف سرگرمیاں شروع کردے تو کہا جائے گا کہ اس ریاست نے بغاوت کی۔حضرت علی کے خلاف جنگ میں حضرت معاویہ اور اہل شام پر لفظ باغی کا اطلاق نہیں ہوسکتا اس لئے انھوں نے حضرت علی کی اطاعت قبول ہی نہیں کی تھی۔حضرت معاویہ کے اجتہاد کی رو سے حضرت عثمان خلافت سے دستبردار ہوجاتے یا طبعی طور پر وفات پا جاتے اور اس کے بعد حضرت علی خلیفہ ہوتے تو وہ بھی حضرت علی کی بیعت اور اطاعت کے پابند تھے۔حضرت عثمان شہید کئے گئے اور یہ کسی متفق علیہ خلیفہ کے قتل کا پہلا واقعہ تھا۔اس لئے وہ اپنے آپ کو اب بھی حضرت عثمان کی بیعت پر قائم سمجھتے تھے۔جیسا کہ آگے گذرا ہے خود حضرت علی اور حضرت حسن نے حضرت معاویہ کے ساتھ وہ رویہ اختیار نہیں کیا جو قرآن مجید کے حکم (سورہ حجرات آیت ۹) کی رو سے اختیار کرنا چاہئے تھا۔یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حضرت علی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور حضرت حسن ان کو باغی نہیں سمجھتے تھے۔ دنیا کی تاریخ میں ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا کہ کسی حاکم یا بادشاہ نے باغی سے مصالحت کر کے اپنی حکومت وسلطنت اس کے حوالے کر دی ہو اور اس حاکم یا بادشاہ کے اس عمل کو بنظر پسندیدگی دیکھا گیا ہو۔ حضرت حسن نے حضرت معاویہ سے صلح کر کے خلافت ان کے سپرد فرمادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-"ان ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین" (صحیح بخاری۔ کتاب الصلح)

"میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے گا"۔ اس حدیث شریف پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ آپ نے حضرت معاویہ اور اہل شام کو "مسلمانوں کا بڑا گروہ" قرار دیا ہے۔ اگر حضرت معاویہ اور اہل شام باغی اور برسر باطل ہوتے تو ان کے لئے "مسلمانوں کا بڑا گروہ" کے الفاظ کیسے آسکتے تھے۔ اور آپ باغی سے مصالحت کر کے امامت وخلافت کو اس کے سپرد کر دینے پر کیسے تحسین فرما سکتے تھے۔ مولانا مودودی نے "تقتلک الفیۃ الباغیۃ" والی حدیث کی اچھی طرح چھان بین کی اور اس حدیث کو حضرت علی کے برحق ہونے اور حضرت معاویہ کے برسر باطل ہونے کے لئے "نصّ صریح" قرار دیا اور "ان ابنی ھذا سیّد" والی حدیث پر ایک لمحہ کے لئے بھی نظر نہیں ڈالی اور عمداً چشم پوشی اختیار فرمائی۔ اس لئے کہ اگر اپنی کتاب میں اس حدیث کا ذرا سا بھی اشارہ دیتے ہوئے اتنے فاتحانہ انداز میں معاویہ کو باغی اور برسر باطل قرار نہیں دے سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی اس صریح فروگذاشت کو معاف فرمائے۔

حضرت عمار شروع ہی سے حضرت علی کے خاص رفقاء میں سے نہیں تھے۔ "رجال کشی" کی روایت ہے کہ حضرت باقر نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب ہی صحابہ (نعوذ باللہ) مرتد ہو گئے تھے سوائے ابوذر، سلمان اور مقداد کے، راوی نے پوچھا کہ: عمار کے بارے میں کیا ہے، تو فرمایا: انھوں نے بعد میں حضرت علی کی معیت میں جہاد کیا، ایک روایت میں کُشی نے حضرت باقر کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ: ان کو ایک حیض آیا تھا پھر رُک گیا۔ یہ یقینی بات تھی کہ حضرت عمار نے حضرت ابوبکر کے دست حق پرست پر بیعت کی اور ان کے عہد میں جہاد بھی کیا جنگ یمامہ میں سخت زخمی ہوئے اور ایک کان بھی کٹ گیا۔ یہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے برحق ہونے کے لئے نص صریح ہے جس کا شیعوں کو بھی بادل ناخواستہ اقرار ہے۔ حضرت عثمان سے اختلاف ہونے تک حضرت عمار کے حضرت عمر اور حضرت عثمان سے گہرے تعلقات تھے۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد بلوائیوں نے حضرت علی کی بیعت مکمل کروانے کے لئے جو جدوجہد کی اور بالخصوص مالک اشتر کا جو سرگرم انداز تھا وہاں حضرت عمار کہیں نظر نہیں آتے۔ پھر جنگ جمل کے موقعہ پر اچانک طلسماتی طور پر وہ حضرت علی کی فوج میں نظر آتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ان پر کسی کی نظر نہیں پڑی سوائے حضرت زبیر کے اور انھوں نے فیصلہ کرلیا کہ اگر یہ ہمارے لشکر کے ہاتھوں شہید ہوگئے تو گویا ہم باغی ٹھہرے۔اور حضرت زبیر نے فوراً میدان چھوڑ کر مدینہ کی راہ لی۔(مولانا مودودی نے البدایہ والنہایہ کے حوالے سے یہی بات لکھی ہے) حواریٔ رسول حضرت زبیر کی شخصیت کے ساتھ کس قدر بھونڈا مذاق ہے کہ وہ حق واضح ہو جانے کے بعد حق کی حمایت کرنے اور باقاعدہ اعلان کر کے حضرت علی کے کیمپ میں آ جانے کے بجائے میدان سے ہٹ جاتے ہیں۔اگر حضرت عمار حضرت علی کے ساتھ ہوتے تو نہ جنگ جمل پیش آتی اور نہ جنگ صفین۔علامہ جصاص نے تقتلک الفیئه الباغیة والی حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ اہل کوفہ، اہل بصرہ، اہل حجاز اور اہل شام سب نے روایت کیا ہے۔اتنی مشہور حدیث کے ہوتے ہوئے اہل جمل اور اہل صفین میں سے کس کی شامت تھی کہ پوری ڈھٹائی کے ساتھ بغاوت کی سیاہی اپنے منہ پر لگا لیتے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر کے حالات میں گذرا ہے کہ خلیفۂ وقت عبدالملک نے ان کو قتل کرنے کا اپنی فوج کو حکم نہیں دیا تھا اور شامی فوج ان کی معتقد تھی ان کا خون اپنے سر لینا نہیں چاہتی تھی۔حالانکہ حضرت ابن زبیر کے قتل کے بارے میں کوئی حدیث نہیں تھی صرف ان کی شخصی عظمت وفضیلت کارفرما تھی۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل شام اپنے موقف کے تحفظ میں کتنے محتاط تھے۔کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ اہل شام حدیث جانتے ہوئے حضرت عمار کو قتل کرنے کی جرأت کریں۔بفرض محال حضرت عمار کو جنگ صفین میں حضرت علی کی فوج میں شریک اور اس جنگ میں ان کی شہادت مانی جائے تو لازماً یہی صورت پیش آئی ہوگی کہ حضرت علی کی فوج میں موجود سبائی ٹولے نے انھیں قتل کر کے لاش کو اس جگہ لاکر ڈال دیا، جہاں دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی تاکہ دنیا کو معلوم ہو کہ شامی فوجوں کے ہاتھوں ان کی شہادت ہوئی لیکن حضرت عمار کی شہادت کے باوجود جنگ کا جاری رہنا، جو صحابہ غیر جانبدار رہے ان کا غیر جانبدار ہی رہنا، حضرت علی کا تحکیم کے لئے راضی ہو جانا، اور اپنی کسی بھی تقریر میں حضرت عمار کی شہادت کا حوالہ نہ دینا، وقت آخر میں حضرت حسن کو حضرت معاویہ سے مصالحت کرنے اور ان کی سربراہی اُمت کو قبول کر لینے کی وصیت فرمانا۔جن کی تفصیلات گذر چکی ہیں، اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ حضرت عمار عہد علوی میں تھے ہی نہیں۔اس لئے حضرت عمار کی شہادت کی بنیاد پر حضرت معاویہ اور اہل شام کو باغی اور برسر باطل قرار دینا صحیح نہیں ہے۔حضرت عمار کے قاتلین اور ''باغی گروہ'' وہی مصری سبائی ہیں جنھوں نے بعد میں حضرت عثمان کو بھی شہید کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلم بن عقیل بن ابی طالب ہاشمی قریشی

سنہ ولادت: ۳۲ ہجری　　شہادت: ذی الحجہ ۶۰ھ

مولد: مدینہ منورہ　　مدفن: کوفہ

نام ونسب: نام مسلم، کنیت ابومحمد ہے، سلسلہ نسب یہ ہے: مسلم بن عقیل بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف۔ ماں کا نام فاطمہ بنت عقبہ بن ربیعہ بن عبدشمس بن عبدمناف ہے۔ اس طرح مسلم ہاشمی اور عبشمی ہیں۔ حضرت معاویہ کے خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں۔

حضرت عقیل بن ابی طالب: ابوطالب بن عبدالمطلب کے چار بیٹے تھے، طالب (اس کا ذکر گذر چکا ہے) عقیل، جعفر، علی۔ ابوطالب کے آخری زمانے میں جبکہ وہ فریش اور معذور تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا کہ ہم ابوطالب کے دو بیٹوں کو اپنے زیر پرورش کرلیں تو بہتر ہے۔ جب یہ تجویز ابوطالب کے پاس پیش ہوئی تو ابوطالب نے کہا کہ مجھے عقیل سے زیادہ محبت ہے۔ البتہ جعفر اور علی کو لے سکتے ہو۔ اس پر عباس نے جعفر کو اور آپ نے علی کو اپنے زیر پرورش لے لیا۔ ابوطالب کے چاروں بیٹوں کی عمروں میں دس دس سال کا فرق ہے۔ عقیل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں پندرہ سال چھوٹے تھے اس لحاظ سے عقیل کا سنہ ولادت ۵۸۵ء ٹھہرتا ہے۔ جعفر ۲۵ سال کے اور علی ۳۵ سال کے چھوٹے تھے۔ حضرت جعفر اور حضرت علی قدیم الاسلام ہیں۔ جنگ بدر میں مشرکین کی طرف سے حضرت عباس کے ساتھ حضرت عقیل بھی شریک تھے لیکن جنگ میں کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔ دونوں بزرگوار لشکر اسلام کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے۔ حضرت عباس نے اپنا اور حضرت عقیل کا فدیہ ادا کیا اور رہائی حاصل کی۔ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصہ میں دونوں نے اسلام قبول کیا۔

حضرت عقیل ۹ھ میں جنگ موتہ میں شریک ہوئے۔ اس جنگ میں ایک علمبردار ان کے چھوٹے بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب المعروف ''جعفر طیار'' تھے۔ یہ جنگ بڑی سخت تھی۔ جعفر شہید ہوگئے اور عقیل اتنے شدید زخمی ہوگئے کہ عرصہ تک فریش رہے۔ عہد فاروقی میں مکمل صحت یاب ہوئے۔ عقیل میں عمدہ صلاحیتیں تھیں۔ علم الانساب، طب وجراحت، حساب وکتاب میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ حضرت عمر نے ان کو مردم شماری، زمینات کی پیمائش اور بیت المال کے آمد وخرچ کا حساب رکھنے پر مامور فرمایا تھا اس طرح یہ عہد فاروقی میں ''دیوان'' کے عہدہ پر فائز تھے۔ حضرت عثمان کے عہد میں بھی یہی خدمات انجام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیتے تھے۔نہایت ہنس مکھ ،خوش مزاج اور بلا کے حاضر جواب تھے۔آخر عمر میں مدینہ منورہ منتقل ہو گئے اور ۵۰ھ مطابق ۶۷۰ء میں بعمر ۸۵ سال وفات پائی۔اور ''بقیع'' میں مدفون ہوئے۔رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد جہاں مدینہ کے دیگر اکابر صحابہ نے حضرت علی کی بیعت نہیں کی وہاں حضرت عقیل نے بھی بیعت نہیں کی۔اور جب سبائیوں نے حضرت معاویہ کی معزولی کے لئے اصرار کرنا شروع کیا تو انھوں نے سخت مخالفت کی اور جب معزولی کا فرمان جاری ہوگیا تو نہایت برہم ہوکر حضرت معاویہ کے پاس دمشق چلے گئے۔حضرت معاویہ ہی کے مہمان رہے۔ان کے کسی فرزند کا نام ''یزید'' نہیں تھا۔انھوں نے حضرت معاویہ کے فرزند یزید کو اپنا منہ بولا بیٹا قرار دے کر اپنی کنیت ''ابو یزید'' رکھ لی۔حضرت علی کے حقیقی بڑے بھائی ہونے کے ناطے حضرت عقیل کا یہ اقدام سبائی مورخین کے لئے سوہان روح تھا۔چنانچہ انھوں نے ایک فرضی قصہ گھڑا کہ عقیل نے اپنے افلاس کی شکایت کرتے ہوئے حضرت علی سے رقم طلب کی آپ نے دینے سے انکار کیا اس پر ناراض ہوکر وہ دمشق چلے گئے۔ مولانا کراروی لکھتے ہیں کہ معاویہ سے ''تین لاکھ اشرفیاں'' حاصل کیں (چودہ ستارے، صفحہ ۴۲) اتنا نہیں دیکھا کہ عقیل اس قدر مفلس و قلاش تھے ہی نہیں اور حضرت علی بھی اتنے غریب و مسکین نہیں تھے کہ اپنے بھائی کی ضرورت پوری نہ کر سکیں۔بیت المال سے قرض یا اڈوانس وظیفہ دلانے میں بھی کوئی شرعی یا قانونی رکاوٹ نہیں تھی۔ایسی صورت میں رقم مانگنے کی کہانی فرضی ہی قرار پاتی ہے۔حضرت عقیل کے ناراض ہوکر دمشق جانے کی وجہ کچھ اور تھی۔لیکن مورخین نے اس کو دوسرا رنگ دے دیا۔

مولانا مودودی اس بارے میں تحریر فرماتے ہیں:-

> ''جس زمانے میں حضرت معاویہ سے ان کا (حضرت علی کا) مقابلہ درپیش تھا، لوگوں نے ان کو مشورہ دیا کہ جس طرح حضرت معاویہ لوگوں کو بے تحاشا انعامات اور عطیے دے دے کر اپنا ساتھی بنارہے ہیں آپ بھی بیت المال کا منہ کھولیں اور روپیہ بہا کر اپنے حامی پیدا کریں۔مگر انھوں نے یہ کہہ کر ایسا کرنے سے انکار کردیا کہ ''کیا تم چاہتے ہو میں ناروا طریقوں سے کامیابی حاصل کروں''۔ان سے خود ان کے بڑے بھائی حضرت عقیل نے چاہا کہ وہ بیت المال سے ان کو روپیہ دیں۔مگر انھوں نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا بھائی مسلمانوں کا مال تمہیں دے کر جہنم میں جائے''۔
> (خلافت وملوکیت :عنوان ''بیت المال کے امانت ہونے کا تصور'')

اس عبارت میں کچھ باتیں کھٹکتی ہیں۔حضرت معاویہ سے مقابلہ کی نوبت جنگ جمل کے بعد پیش آئی اور حضرت عقیل تو اس سے بہت پہلے ہی دمشق چلے گئے تھے۔''چھٹا مرحلہ'' کے آخری حصہ میں حضرت علی کی مجبوری کی وجہ لکھتے ہیں کہ:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے اصحاب میں سے ایک گروہ اُن کے ساتھ تعاون نہیں کررہا تھا، دوسرا گروہ مخالف کیمپ میں شامل ہوگیا تھا اور تیسرے گروہ میں سے آئے دن لوگ نکل نکل کر دوسری طرف جارہے تھے......''

اس مجبوری کی اصل اور بنیادی وجہ یہ تھی کہ امام وقت پر قاتلان عثمان، سبائیوں اور بلوائیوں کا تسلط تھا۔ وہ اپنے امام سے ہر وہ کام کرواتے تھے جو ملّت کے لئے تباہ کن ہو۔ اس لئے اکابر صحابہ اور اعلیٰ صلاحیتوں کی حامل شخصیتیں اپنا تعاون پیش کرنے سے قاصر تھیں۔ مفسدوں کے شر سے بچنے کے لئے شام کا رُخ کرنے کے سواء ان حضرات کے لئے کوئی صورت نہیں تھی۔ امیر شام ان اشراف و افاضل کی مہمانداری نہ کرتے تو آخر یہ کہاں جاتے۔ اس کو خواہ مخواہ غلط رنگ دینا اور یہ کہنا کہ ''معاویہ بے تحاشا انعامات اور عطیے دے دے کر لوگوں کو اپنا ساتھی بنارہے ہیں'' قرینِ انصاف نہیں ہے۔ حضرت عقیل کو حضرت علی کا جو جواب دلوایا گیا ہے اس میں واضح اشارہ ہے کہ معاویہ مسلمانوں کا مال اپنی غرض کے لئے دے کر جھنم میں جارہے ہیں۔ غنیمت ہے کہ حضرت عقیل کے بارے میں کوئی فتویٰ نہیں ہے ورنہ حضرت عقیل بھی تین لاکھ اشرفیاں حاصل کرنے کے بعد اس فتویٰ کی زد سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ غور طلب ہے۔

مسلم کے علاوہ حضرت عقیل کے کئی فرزند تھے۔ مولانا کراروی نے اپنی کتاب 'بہتر تارے'' میں یہ نام دیئے ہیں: جعفر، عبدالرحمٰن، عبداللہ، موسیٰ، عبداللہ الاکبر اور علی، ان چھ فرزندوں کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ سب کربلا میں شہید ہوئے۔ روایت ہے کہ جب حضرت حسین بعزم کوفہ نکلے اور مقام ثعلبہ میں پہنچے تو یہاں مسلم کے قتل ہونے اور کوفہ میں حکومت کی گرفت سخت ہونے کی اطلاع ملی اس پر آپ نے واپسی کا قصد فرمایا لیکن یہ فرزندان عقیل اَڑ گئے کہ ہم اپنے بھائی (مسلم) کے خون کا بدلہ لیں گے خواہ اس میں ہماری جانیں ہی چلی جائیں۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو ماننا پڑے گا کہ حضرت حسین کی شہادت کی ذمہ داری ان چھ حضرات پر عائد ہوتی ہے اس لئے کہ یہ یقینی بات تھی کہ مسلم کا بدلہ لینے کے ضمن میں ضرور حضرت حسین کی جان بھی جاتی۔ گویا ان کو اپنے بھائی کا بدلہ لینے میں حضرت حسین کی جان کی بھی پرواہ نہیں تھی۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ یہ لوگ حضرت حسین اور آپ کے اہل بیت کو واپس جانے دیتے اور خود جا کر حکومت سے ٹکر لیتے اور ''ثار'' کے جذبۂ جاہلانہ کے تحت قتل ہو جاتے۔ میرے خیال میں یہ روایت صحیح نہیں ہے اس لئے کہ جب حضرت حسین نے حضرت عمر بن سعد کے سامنے اپنی تین شرطیں رکھیں تو اس میں مسلم کے قتل کے بارے میں کوئی بات نہیں رکھی اور اس وقت فرزندانِ عقیل نے بالکل خاموشی اختیار کی تھی۔ حضرت عقیل کے حضرت معاویہ سے گہرے دوستانہ تعلقات اور امیر یزید پر ان کی شفقت کا ذکر ابھی گذرا ہے اس کے پیش نظر ناممکن ہے کہ امیر یزید کی فوج کے ہاتھوں ان کے ایک دم چھ صاحبزادوں کا قتل ہو۔ حضرت حسین کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شہادت آپ کے خیمہ میں کوفی سبائیوں کے ہاتھوں ہوئی۔ یقیناً ان سبائیوں نے حضرت عقیل کے فرزندوں کو بھی دیکھا تو ان پر بھی ٹوٹ پڑے، اور ان کو شہید کر دیا۔ مولانا کراروی نے حضرت عقیل کے دو کم سن پوتوں یعنی محمد بن ابی سعید بن عقیل اور احمد بن محمد بن عقیل کا ذکر کیا ہے کہ یہ بھی شہید کر دیئے گئے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت عقیل کے گھر کی تباہی کوفی سبائیوں کے ہاتھوں ہوئی نہ کہ سرکاری فوج کے ہاتھوں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت کے سبائی حضرت عقیل کے کتنے شدید دشمن تھے۔

حضرت عقیل۔ کے فرزندوں میں سب سے نامور فرزند ''مسلم بن عقیل'' تھے۔ بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہیں ہے کہ کربلا کی کہانی کا ''محور'' یہی صاحب تھے۔ جب مسلم کو کوفہ روانہ کرنے کا فیصلہ ہوا تو حضرت حسین نے، طبری، البدایہ والنہایہ اور اخبار الطوال کی روایت کے مطابق، ان کو ہدایت فرمائی کہ وہاں کے حالات کا مطالعہ کرنا اور کوفیوں کے خطوط کے مطابق حالات ہمارے سازگار ہیں تو مجھے مطلع کرنا میں فوراً وہاں پہنچ جاؤں گا اور کچھ اندیشہ اور خطرہ ہو تو جلد واپس آ جانا۔ اور اس بات کی سخت تاکید فرمائی کہ ساری کارروائی نہایت رازداری کے ساتھ ہو۔ مسلم کے ساتھ آپ نے قیس بن مسہر صیداوی، عمارہ بن عبید سلولی اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن الکذن الارجی کو روانہ کیا۔ (مسلم کے مدینہ جانے اور اپنے دو چھوٹے بچوں کو ساتھ لینے کی روایت فضول ہے اس پر بات آگے آ رہی ہے) مسلم کوفہ پہنچے تو مختار بن ابی عبید ثقفی اور سلیمان بن صرد جنھوں نے بڑھ چڑھ کر کوفہ آنے کی دعوت دی تھی کوفہ سے غائب ہو گئے۔ پھر بھی مسلم مختار کے مکان میں ٹھہرے۔ یہاں پر دیکھتے دیکھتے قریب اٹھارہ ہزار کوفیوں نے مسلم کے ہاتھوں پر حضرت حسین کی امامت وخلافت کی ''انڈر گراؤنڈ'' بیعت کی۔ ایک امام اور خلیفہ کی بیعت ہو جانے اور امت کا اس پر اتفاق ہو جانے کے بعد دوسرے شخص کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کا یہ دوسرا موقعہ تھا۔ مسلم نہایت ناتجربہ کار، حزم وتدبیر سے عاری، عجلت پسند، سیاسی مصلحتوں سے بے خبر شخص تھے۔ کوفی سبائیوں کے لئے ان کی اس کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ان کو اپنے رنگ میں رنگ لینا کچھ مشکل نہ تھا۔ آگے گذرا ہے کہ حضرت عمار بن یاسر بھی موقتی طور پر سبائی باغی ٹولے کے ہتے چڑھ گئے تھے لیکن بتوفیق الٰہی ورطۂ شر سے بچ نکلے جبکہ مسلم اس جنجال میں بری طرح پھنس گئے۔ انھوں نے کوفی سبائیوں کی چکنی چپڑی باتوں پر اعتماد کر کے حضرت حسین کو کوفہ آنے کی دعوت کا خط لکھ دیا۔ ان حالات کی جب دربار خلافت میں رپورٹ پہنچی تو گورنر کوفہ نعمان بن بشیر کو ہٹا کر ان کی جگہ عبیداللہ ابن زیاد کا تقرر کیا گیا۔ ابن زیاد نے کوفہ کی چارج لیتے ہی ایک زبردست تقریر کی اور کوفیوں کو خوب ڈرایا اور دھمکایا۔ یہ تقریر سن کر سب کے پسینے چھوٹ گئے۔ مسلم کے اطراف سے ان کے مبایعین چھٹنے لگے۔ مسلم کو پہلا دھکا لگا۔ مایوسی اور شکستہ دلی کے ساتھ مختار کا گھر چھوڑ کر ''ہانی بن عروہ'' کے مکان میں منتقل ہو گئے۔ یہاں پھر آہستہ آہستہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سبائی جمع ہونے لگے۔ تحریک میں از سر نو جان پڑنے لگی۔ عابس بن ابی شبیب، حبیب ابن مظاہر اور سعید بن عبد اللہ حنفی نے پر جوش تقریریں کر کے مسلم کی ہمت بندھائی۔ مسلم بن عوسجہ رازداری میں لوگوں سے بیعت لیتے اور جمعیت بڑھاتے اور ابو ثمامہ صیداوی مال جمع کرتے اور ہتھیار فراہم کرتے تھے۔ اس طرح پھر یہ تحریک زور پکڑ گئی۔ ہانی خود اتنے ذی اثر تھے کہ قبیلہ مراد اور مذحج کے ۱۲ ہزار سوار ان کے ہمراہ رہتے تھے گویا مسلم ایک محفوظ قلعہ میں آ گئے۔

مسلم کے جارحانہ اقدامات

ایک سبائی فتنہ پرداز ''شریک بن اعور'' نے جو بظاہر گورنر کا بھی بڑا دوست بنا ہوا تھا گورنر کے قتل کا منصوبہ بنایا اور مسلم سے کہا کہ اگر میں گورنر کے قتل کا انتظام کروں تو کیا آپ گورنر کو قتل کریں گے۔ مسلم بخوشی راضی ہو گئے اور کہا انشاء اللہ ضرور اس پر تلوار چلاؤں گا۔ لیکن منصوبہ ناکام ہو گیا۔ مسلم کو ابن زیاد پر تلوار چلانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ ابن زیاد کو ان کے خادم ''مہران'' نے بروقت خطرہ سے آگاہ کر دیا۔ ابن زیاد نے جاسوس کے ذریعہ معلوم کر لیا کہ مسلم ہانی کے گھر میں روپوش ہیں۔ انھوں نے ہانی کو طلب کر کے مقید کر دیا۔ کسی نے افواہ پھیلا دی کہ ہانی کو قتل کر دیا گیا۔ اس پر غم وغصہ کا ایک طوفان برپا ہوا۔ مسلم نے اپنے مبایعین کو جمع کیا جن کی تعداد ۱۸ یا ۲۰ ہزار تھی باقاعدہ فوج ترتیب دے کر گورنر ہاؤس کا محاصرہ کر لیا۔ عجیب اتفاق کہ اس وقت گورنر ہاؤس میں اشراف کوفہ، افسران پولیس اور سرکاری عملہ کے جملہ دو سو آدمی تھے۔ جنھیں اٹھارہ ہزار مسلح لشکر کا مقابلہ کرنا تھا۔ اس موقعہ پر اشراف کوفہ یعنی کثیر بن شہاب، محمد بن اشعث، قعقاع بن شور، شبث بن ربعی، حجار بن ابجر اور شمر بن ذوالجوشن نے بالا خانہ پر چڑھ کر اہل کوفہ کو ڈرایا دھمکایا اور بتایا کہ شام سے فوج آیا ہی چاہتی ہے، تم لوگ اس فوج کے لئے اپنا خون حلال نہ کرو۔ شامی فوج کا نام سنتے ہی محاصرین کے دل بیٹھ گئے۔ ساری جمعیت چھٹنے لگی۔ مسلم نے عشاء کی نماز پڑھی تو صرف ۲۰ آدمی ان کی اقتداء کر رہے تھے۔ جب سلام پھیرا تو دیکھا کہ یہ بھی غائب ہیں۔ بے چارے مسلم کے لئے یہ رات بڑی سخت تھی۔ دن تمام کے تھکے ماندے، بھوکے پیاسے، تنہا بہ تقدیر، گرفتاری کا سخت اندیشہ، اندھیری رات میں اِدھر اُدھر بھٹکتے رہے۔ آخر کہیں ایک بوڑھی عورت سے مل کر اپنی بپتا سنائی، اپنا تعارف کرایا۔ اس نے رحم کھا کر اپنے گھر میں پناہ دی۔ تھوڑی دیر بعد اس کا بیٹا جو مسلم کی تلاش میں سرگرداں تھا آیا۔ ماں نے نہایت عاجزی کے ساتھ بیٹے سے درخواست کی کہ مسلم آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے فرد ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی حفاظت ہمارا فرض ہے، ان کی مدد کرو۔ بیٹے نے مسلم سے کہا آپ دو روز تک میرے گھر میں چھپے رہئے۔ جب آپ کی تلاش کی دوڑ دھوپ کم ہو جائے تو میں کسی طرح آپ کو مکہ پہنچانے کا انتظام کر دوں گا۔ مسلم کو ذرا سکون ہوا۔ بقیہ رات کسی قدر سکون سے گذاری۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گرفتاری اور قتل

صبح کو بیٹے نے ابن زیاد کو اطلاع دی کہ مسلم میرے گھر میں ہیں۔ آپ انھیں گرفتار کرنے کا انتظام کرلیجئے۔ ابن زیاد نے ۲۰ سواروں کا دستہ محمد بن اشعث کی سرکردگی میں بھیجا۔ (مخفی مباد کہ یہ محمد بن اشعث بنو کندہ کے سردار اشعث بن قیس کے صاحبزادہ ہیں ان کی ماں ام فروہ بنت ابی قحافہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق کی بہن ہیں ان کی بہن جعدہ بنتِ اشعث، حضرت حسن بن علی کی زوجہ ہیں۔ جن کو حضرت حسن کی زہر خورانی سے متہم کیا گیا ہے) مسلم نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سُنی تو سمجھ گئے کہ آخری وقت آ گیا ہے۔ تلوار سونت کر باہر نکلے اور بے تحاشا دستہ پر ٹوٹ پڑے اور چار پانچ سپاہیوں کو قتل کر دیا۔ محمد بن اشعث ان کو قتل کرنا نہیں چاہتے تھے۔ بڑی مشکل سے ان کو قابو میں کیا، تلوار چھین لی اور رسیّوں سے جکڑ کر گورنر ہاؤس لے چلے۔ راستہ میں مسلم نے محمد سے کہا کہ ابن زیاد لازماً مجھے قتل کر دے گا۔ اب تم سے اپنی جان بخشی کی سفارش کی خواہش کرنا بے کار ہے البتہ میری کچھ وصیتیں سُن لو اور اس پر عمل کرو۔ ایک روایت یہ ہے کہ ابن زیاد نے جب قتل کا حکم دیا تو انھوں نے ابن زیاد سے اپنی وصیت بیان کی اور زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ انھوں نے ابن زیاد کی اجازت سے حضرت عمر بن سعد کو تین وصیتیں کیں۔

۱۔ مجھ پر سات درہم کا قرض ہے اس کو آپ ادا کر دیجئے۔
۲۔ قتل کے بعد میری میت کو دفن کر دیجئے۔
۳۔ حضرت حسین کو اولین طور پر ان واقعات سے مطلع کر کے تاکید کیجئے کہ وہ ہرگز کوفہ کا رُخ نہ کریں۔

قتل کے بعد ابن زیاد نے عمر بن سعد کو اجازت دی کہ وصیتوں پر فوری عمل کریں۔

انسان خطا و نسیان کا مرکب ہے۔ فطری کمزوری انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ مسلم نے حضرت حسین کی تاکیدی نصیحت پر عمل نہیں کیا۔ احتیاط سے کام نہیں لیا۔ بے وفا اور غدّار کوفی سبائیوں پر اعتماد کر کے قانون کی گرفت میں آ گئے اور وہ جرم کئے جس کی سزا اسلامی شریعت اور قانون میں قتل کے سوا کچھ نہ تھی۔ ابن زیاد کی جگہ "نوشیروانِ عادل" بھی ہوتا تو وہی کرتا جو ابن زیاد نے کیا۔ قتل مسلم کے ضمن میں ابن زیاد کو مطعون کرنا سخت ناانصافی ہے۔ مسلم نے اپنے کئے کی کافی سزا دنیا ہی میں پالی۔ اللہ کی ذات رحیم و کریم ہے۔ اس سے پوری پوری اُمید ہے کہ آخرت میں مسلم کو اپنی مغفرت اور رحمت سے نوازے۔

فرزندانِ مسلم

اسلامی تاریخ پر سبائیت کی بڑی چھاپ ہے۔ سبائی مورخین کا خاص وطیرہ ہے کہ اپنی پسندیدہ شخصیت کی لغزش کو چُھپانے کے لئے اس کو حد درجہ مظلوم بنا کر پیش کرتے ہیں تاکہ بعد والی نسلوں کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمدردیاں ان کی مظلومیت سے متاثر ہو کر ان سے وابستہ رہیں اور ان کی لغزش کی طرف کسی کا دھیان نہ جائے۔ واقعہ کربلا اور واقعہ حرہ پر تفصیلی تبصرہ گذر چکا ہے۔ ان واقعات کی روایت میں بھی یہی حکمت عملی کارفرما رہی ہے اور اب مسلم کا معاملہ بھی اسی قسم کا ہے۔ مسلم سبائیوں کے نہایت محبوب اور پسندیدہ شخص ہیں۔ ان کے قصہ کو دردناک بنایا گیا۔ خاص طور پر ان کے دو چھوٹے بچوں محمد اور ابراھیم کے قتل کے واقعہ کو ایسا رنگ دیا کہ اس کو پڑھ کر ہر صاحب اولاد کا دل تڑپ جائے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مولانا کراروی کی کتاب ''چودہ ستارے'' عنوان ''محمد اور ابراھیم کی شہادت'' صفحہ ۲۲۴، ۲۲۵) لیکن واقعہ یہ ہے کہ مسلم کے سفر کوفہ میں ان کے بچے ساتھ نہیں تھے۔ ان بچوں کی کہانی فضول اور من گھڑت ہے۔ مولانا کراروی نے خود جو واقعہ لکھا ہے اس سے یہ بات بالکل مشتبہ ہو جاتی ہے کہ بچے مسلم کے ساتھ گئے تھے۔ مسلم مکہ سے مدینہ جا کر بچوں کو ساتھ لیتے ہیں۔ آخر اس کی کیا ضرورت تھی۔ بچے باپ سے اتنے ہی لاگو تھے تو انھیں مکہ ہی میں ہونا چاہئے تھا۔ بچوں کو لے جانے کی حضرت حسین نے کیسے اجازت دی جبکہ یہ ایک سخت خطرناک سفر تھا۔ ان بچوں کی ماں رقیہ بنت علی، حضرت حسین کی سوتیلی بہن اس کے لئے کیسے راضی ہوئیں؟ دو شخص راستہ بتانے کے لئے ساتھ گئے لیکن دھوپ کی شدت، پانی کی قلت اور سفر کی صعوبت کی وجہ سے یہ راستے میں مر گئے لیکن بچے بالکل اچھے رہے! کوفہ پہنچنے کے بعد کی ساری کارروائی میں بچوں کا کوئی ذکر نہیں ملتا کہ یہ کہاں رہے۔ اگر بچے رہتے تو مسلم اپنی وصیت میں بچوں کے بارے میں بھی ضرور وصیت کرتے اور ابن زیاد یا عمر بن سعد سے کہتے کہ قصوروار اور مجرم میں ہوں۔ ان معصوم بچوں کا کیا قصور ہے ان بچوں کو ان کی ماں کے پاس بھجوا دیجئے۔ ظالم سے ظالم حاکم بھی ہوتا تو اس معقول وصیت پر ضرور عمل کرتا۔ لیکن مسلم نے ایسی کوئی وصیت نہیں کی۔ مولانا کراروی جزئیات کو پورے تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں جیسے کوئی شخص سامنے رہ کر ایک ایک چیز دیکھ رہا ہو لیکن وصیت کے بارے میں مولانا نے صرف اتنا لکھا کہ ''آپ نے چند وصیتیں کیں'' (صفحہ ۲۲۳) اگرچیکہ بے شمار من گھڑت باتیں روایات میں داخل کی گئی ہیں لیکن مسلم کی وصیت میں بچوں کے بارے میں کوئی وصیت وضع نہیں کی جاسکی۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ مسلم کے ساتھ اس سفر میں یہ بچے نہیں تھے۔ پھر آگے دونوں بچوں کے مظلومانہ قتل کی کہانی فرضی اور من گھڑت ہی قرار پاتی ہے۔

مولانا کراروی نے مسلم کے دو فرزند عبداللہ اور محمد کے کربلا میں شہید ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ان دونوں کو بھی رقیہ بنت علی کے بطن سے بتایا ہے۔ مسلم کی عمر بوقت قتل ۲۸ سال تھی اس عمر میں اتنی عمر کے ۲ فرزند کہاں ہو سکتے ہیں کہ جو میدان جنگ میں کئی دشمنوں کو فنا کے گھاٹ اُتار سکیں۔ اس لحاظ سے فرزندان مسلم کی پوری داستان فرضی اور مشتبہ قرار پاتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مختار بن ابی عبید ثقفی

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت، آپ کی نبرد آزمائی اور بندش آب کے واقعات جو پچھلے صفحات میں دیئے گئے ہیں قارئین ایک باران پر نظر ڈال لیں۔ مولانا سید نجم الحسن کراروی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اور آپ کے ''اصحاب باوفا'' نے اپنے دشمنوں کی بے تحاشا خون ریزی کی تھی اور یہ بات بھی مولانا کراروی نے تحریر فرمائی ہے کہ پانی آپ کے اختیار میں تھا، آپ ''یہاں معجزہ دکھانے نہیں بلکہ امتحان دینے کے لئے آئے تھے'' ایسی صورت میں آپ کو ''بد دعا'' کرنے کی کیا وجہ تھی؟ یہ بات نا قابل فہم ہے لیکن مولانا کراروی نے لکھا ہے کہ:

......پھر آپ نے بارگاہِ خداوندی میں دست دعا بلند کیا اور آخر میں بروایت دمعہ ساکبہ ص ۳۲۸ عرض کی اللهم سلط عليهم غلام ثقيف''

خدایا ان پر قبیلہ ثقیف کے ایک غلام (مختار) کو مسلط کر کہ انھیں ظلم آفرینی کا مزہ چکھائے۔ (چودہ ستارے صفحہ ۲۴۵)

اوپر گذرا ہے کہ حضرت علی قاتلان عثمان اور سبائیوں کے نرغہ میں بالکل بے بس اور مجبور تھے اس لئے آپ نے دعا فرمائی تھی کہ ''اللهم سلط عليهم فتى من ثقيف'' یہ دعا صرف مجبور و بے بس آدمی ہی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماتا ہے۔ مولانا کراروی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسین میدان کربلا میں مجبور و بے بس نہیں تھے۔ پانی کی بندش امتحاناً تھی۔ دشمنوں کو آپ نے اپنی ''نبرد آزمائی'' کا خوب مزہ چکھایا تھا۔ ایسی صورت میں اپنے دشمنوں کی کس ''ظلم آفرینی کا مزہ چکھاتے'' کے لئے آپ نے بنو ثقیف کے ''غلام'' کو یاد فرمایا؟

دوسری بات ''غلام'' عربی میں لڑکے کو کہتے ہیں جبکہ واقعہ کربلا کے وقت مختار کی عمر (۶۰) سال تھی۔ غلام کے لفظ کو اس دور کے زرخرید غلام کے معنی میں لیں تو یہ حقیقت ہے کہ مختار بنو ثقیف کے کسی امیر کا زرخرید غلام نہیں تھا بلکہ بنو ثقیف کا ذی اثر مرد تھا۔ اس لحاظ سے یہ جملہ جو حضرت حسین کی طرف منسوب ہے بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے۔

مختار کی ولادت لگ بھگ ہجرت کے سال طائف میں ہوئی۔ اس کے والد ابو عبید بن مسعود ثقفی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تابعی تھے۔ ان کا ذکر مولانا شبلی نعمانی نے ''الفاروق'' میں عراق کی فتوحات کے ضمن میں کیا ہے کہ ان کو حضرت عمر نے فوج کا سپہ سالار مقرر فرمایا تھا۔ آخر میں وہ پورے جوش وخروش کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے ایک ہاتھی پر حملہ آور ہوئے جس نے انھیں گرا کر اپنے پاؤں سے مسل دیا اور وہ شہید ہو گئے۔ ان کے ساتھ ان ہی کے خاندان کے سات افراد بھی اسی طرح شہید ہو گئے۔ یہ واقعہ رمضان ۱۳ ھ کا ہے۔ مخفی مباد کہ یہ وہ ابو عبید ثقفی نہیں ہے جس کا ذکر میں نے زیاد ابن ابی سفیان کے بیان میں کیا ہے۔ مختار ایک جاہ پرست آدمی تھا اپنے مقصد کے لئے پینترے بدلتا تھا۔ ابتداء خارجی مسلک اور اہل بیت سے سخت عداوت رکھتا تھا۔ ان دنوں میں جبکہ حضرت حسن شدید زخمی ہونے کے بعد خود اپنے مقرر کردہ گورنر سعد بن مسعود ثقفی کے پاس مدائن کے ''مقصورۂ بیضاء'' میں ٹھہرے ہوئے تھے مختار نے اپنے چچا سعد بن مسعود کو مشورہ دیا کہ یہ اچھا موقعہ ہے کہ ہم حسن کو پابزنجیر کر کے معاویہ کے حوالے کر دیں اور معاویہ سے خطیر انعام حاصل کریں۔ یہ سُن کر سعد بن مسعود سخت برہم ہوئے اور کہا: تجھ پر لعنت ہو! میں فرزند رسول کو دنیا کی خاطر گرفتار کر کے معاویہ کے حوالے کروں، تو بہت بُرا آدمی ہے۔ اس کے بعد مختار کچھ دنوں تک ایک گاؤں میں خانہ نشین رہا۔ اب اس نے دیکھا کہ خارجی مذہب اور اہل بیت کی دشمنی سے ترقی اور نام آوری مشکل ہے گرگٹ کی طرح رنگ بدلنا شروع کیا اور اہل بیت کی طرف اپنا میلان ظاہر کرنے لگا۔ مسلم بن عقیل کو کوفہ آنے کی دعوت دینے میں پیش پیش تھا اور جب وہ کوفہ آئے تو خود کسی بہانے سے کوفہ سے فرار ہو گیا۔ سرکاری پولیس افسر عمرو بن حریث نے اس کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس پیش کیا۔ ابن زیاد نے اس کو قید خانہ میں ڈال دیا۔ مختار کی بہن صفیہ بنت ابی عبید، حضرت عبداللہ بن عمر کی بیوی تھیں۔ حضرت ابن عمر نے خلیفۂ وقت امیر یزید سے اس کی رہائی کی سفارش کی جس پر وہ رہا ہو کر حجاز کی طرف چلا گیا۔

ابن زیاد نے مختار کے منہ پر طمانچہ مار کر اس کی ایک آنکھ ضائع کر دی تھی جس پر وہ بہت برہم تھا۔ اس نے قسم کھائی کہ: اللہ مجھے ہلاک کرے اگر میں ابن زیاد کے جسم کے تمام جوڑ بندھ الگ الگ نہ کر دوں۔ لوگوں میں کہنا شروع کیا کہ میں مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ظاہر ہوا ہوں۔ میں شہید مظلوم حسین بن علی کے انتقام میں اتنے ہی لوگوں کو قتل کروں گا جتنے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کے خون کے بدلے ہلاک کیا ہے۔ لوگ ان اعلانات پر حیرت کرتے تھے۔ پھر وہ مکہ معظمہ چلا آیا اور قریب پانچ مہینے یہاں رہا۔ اِس کو اُمید تھی کہ حضرت ابن زبیر اس کو اپنا دست راست بنالیں گے اور اس کا کام آگے بڑھے گا لیکن انھوں نے اس کو منہ نہیں لگایا۔ یہ ان کا بھی دشمن ہو گیا۔ اپنے چند خاص لوگوں کو ان کے پیچھے لگا دیا کہ موقعہ پا کر ان کو شہید کریں۔ یہ لوگ منافقانہ طور پر حضرت ابن زبیر کے ساتھ لگے رہے چنانچہ حصار ثانی کے موقعہ پر ان میں سے ایک بد بخت نے ان کے سر پر اینٹ مار کر انھیں شہید کر دیا۔ جس کی تفصیل حضرت عبداللہ بن زبیر کے حالات میں گذر چکی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مختار مکہ معظمہ سے مایوس ہو کر کوفہ پہنچا۔ کوفہ میں سبائی ذہنیت کے لوگ کثرت سے تھے۔ یہاں آ کر اس نے "یاثاراتِ الحسین" کا نعرہ لگایا۔ بنو کندہ، بنو ھند اور بنو ھمدان نے جو اہل بیت سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور واقعہ کربلا سے سخت متاثر تھے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ایک اچھا خاصہ جتھا اس کے ساتھ ہو گیا۔ مالک اشتر نخعی حضرت علی کا دست راست بلکہ آپ کے مزاج پر غالب تھا، اس کا بیٹا ابراھیم کوفہ ہی میں تھا۔ مختار نے ابراھیم کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ اس وقت حضرت ابن زبیر کے مقرر کردہ گورنر عبداللہ بن یزید انصاری نے مختار کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ اس مرتبہ بھی حضرت ابن عمر نے سفارش کر کے رہائی دلائی لیکن یہ حلف دلایا کہ اگر کوئی باغیانہ سرگرمی دکھائی تو ایک ہزار اونٹ کی قربانی اور اپنے تمام لونڈی اور غلاموں کی آزادی اس کی سزا ہوگی۔ لیکن مختار نے حلف شکنی کی اور کہا کہ اونٹوں کی قربانی اور غلاموں کی آزادی میرے لئے تھوکنے سے زیادہ آسان ہے۔ حضرت ابن زبیر نے عبداللہ بن یزید کو ہٹا کر ان کی جگہ عبداللہ بن مطیع کو مقرر کیا۔ اس وقت تک مختار نے فوجی کارروائی مکمل کر لی۔ آخر ابن مطیع کو کوفہ چھوڑ کر نکل جانا پڑا۔ مختار نے کوفہ پر قبضہ کر لیا اور یہاں کا خزانہ اپنے اعوان وانصار میں تقسیم کر دیا۔
کوفہ پر قبضہ ہو جانے کے بعد مختار بڑی حد تک طاقتور اور خود مختار ہو گیا۔ ابن زیاد نے خیریت اسی میں دیکھی کہ بصرہ چھوڑ کر شام چلا جائے۔ چنانچہ وہ کسی طرح روپوشی کے ساتھ شام میں مروان بن حکم کے پاس پہنچ گئے۔ مروان نے ابن زیاد کو اسی ۸۰ ہزار کا لشکر دے کر مختار کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ اِدھر مختار نے ابراھیم بن مالک اشتر کو سات ہزار کا لشکر دے کر روانہ کیا۔ ابراھیم نے جنگ سے قبل اپنی فوج کے ذریعہ واقعہ کربلا پر "ماتم اور سینہ زنی" کرائی۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ واقعہ کربلا کو دردانگیز بنا کر اس پر ماتم اور سینہ زنی ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن زیاد کا ایک فوجی سردار عمیر بن حباب اپنے ماتحت ایک بڑے دستہ کو لے کر میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے پیچھے شامی فوج بھی ابتری کے ساتھ فرار ہونے لگی۔ ابن زیاد کے لئے بھی فراری کے سواء کوئی چارہ نہیں تھا۔ شامی فوج کے بے شمار لوگ خازر ندی میں غرق ہو گئے۔ مقتولین سے کہیں زیادہ تعداد ڈوبنے والوں کی تھی۔ ابراھیم نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نے نہرِ خازر پر چند لوگوں کو قتل کیا ہے جن میں ایک شخص نہایت سفید اور معطر کپڑوں میں تھا۔ لوگوں نے لاشوں کو دیکھا اور پہچانا کہ یہ ابن زیاد کی لاش ہے۔ چنانچہ سر کاٹ کر مختار کے پاس پیش کیا گیا جس نے سر کے ٹکڑے ٹکڑے کرا دیئے اور باقی جسم کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔ (قریب ربیع الاول ۶۷ھ)
ابن زیاد کے قتل کے بعد مختار کے دماغ میں "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" کی ہوا سما گئی۔ اس نے کوفہ میں بے تحاشہ قتل وخون کر کے زمینِ کوفہ کو لالہ زار کر دیا۔ بے شمار لوگ جو حضرت حسین کو کوفہ آنے کے لئے خطوط لکھے تھے یا سرکاری فوج میں شریک تھے قتل کئے گئے اور بے شمار ایسے بھی تھے جنھوں نے مختار کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امارت کو تسلیم نہیں کیا تھا ان کو بھی قتل حسین میں شرکت کا الزام دے کر قتل کیا گیا۔ جب قتل وخون کی یہ قیامت برپا ہونے لگی تو بہت سارے وہ لوگ جو قتل حسین میں شریک تھے اپنے بچاؤ کے لئے انھوں نے واقعہ کربلا پر ماتم داری، سینہ زنی "ہائے واویلا" شروع کردی۔ بہت سارے افراد جن کا واقعہ کربلا سے کوئی تعلق نہیں تھا انھوں نے بھی اپنی خیریت اسی میں دیکھی کہ ماتم داری، سینہ زنی اور ہائے واویلاہ کو اپنا شعار بنالیں۔ خود مختار کے حامیوں نے بھی قاتلانِ حسین سے نفرت پیدا کرنے کے لئے یہی طریقہ اختیار کیا۔ اس طرح ماتم داری، سینہ زنی اور ہائے واویلاہ مسلمانوں میں رائج ہوگئی۔ مختار کے مقتولین کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ایک روایت کے مطابق ۱۸ ہزار قاتلان حسین اور شرکاء لشکر کو قتل کیا گیا، بعضوں نے یہ تعداد ۸۰ ہزار اور ایک لاکھ تراسی ہزار تک بتائی ہے۔ یہ اعداد وشمار صرف قیاس آرائی پر مبنی ہیں۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ "یاثارات الحسین" کے بہانے اس نے خلق کثیر کو تہِ تیغ کیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں فی الوقت ایک اہم مقتول کا ذکر کیا جائے۔

حضرت عمر بن سعد زھری قریشی

امیر عمر بن سعد زہری کا ذکر حضرت حسین کی شہادت کے ضمن میں تفصیل سے گذرا ہے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد قریب ۵ سال تک عمر بن سعد کوفہ ہی میں موجود رہے۔ سُنّی اور شیعہ مورخین کا اتفاق ہے کہ وہ مختار کے استیلاء (غلبہ) کے زمانے میں بھی کوفہ سے باہر نہیں نکلے۔ اس سے آپ سے آپ وہ ساری کہانی کسی مدک خانہ کی گپ قرار پاتی ہے جس میں بیان کیا جاتا ہے کہ "رَے" کی حکومت کی خاطر انھوں نے حضرت حسین اور اہل بیت کا خون اپنے سرلیا۔ اگر اس کہانی میں کچھ واقعیت ہوتی تو وہ خود فتح کے نقارے بجاتے امیر یزید کے پاس پہنچتے اور انعام کے طور پر حکومت رَے کا پروانہ حاصل کرکے اپنے مستقر پر عیش کرتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسین کی حفاظت کرنے میں ناکامی کے باعث وہ شرمندہ ہوکر کوفہ کے ایک گوشۂ گمنامی میں بیٹھ گئے۔ مختار کو ان پر ہاتھ ڈالے بغیر کیسے چین آسکتا تھا۔ ایک دن مختار نے اپنے دربار میں ان کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا۔ عمر بن سعد نے حضرت علی کے بھانجے حضرت جعدہ بن ھبیرہ سے خواہش کی کہ وہ مختار سے امان دلادیں۔ حضرت جعدہ کی سفارش پر مختار نے امان نامہ لکھا کہ "تمہارے سابقہ اعمال کا کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا، تمہیں پوری طرح امان ہے۔ یہ میرا عہد واثق ہے، ہاں اگر کوئی نیا واقعہ (یعنی تمہاری طرف سے کوئی سرکشی یا بغاوت صادر ہو) تو پھر یہ امان نامہ باقی نہیں رہے گا۔ اس آخری جملے کے عربی الفاظ یہ تھے" ان حدث حدثا "" حدث "عربی میں خروج ریاح سے وضوٹوٹنے کو بھی کہتے ہیں۔ مختار نے اپنے طور پر یہ دوسرے معنیٰ لئے جس کی بنا پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امان نامہ تارِ عنکبوت ہو گیا۔ امان نامہ لکھنے کے تھوڑی دیر کے بعد اس نے ایک زوردار ریاح صادر کی۔ پھر ایک آدمی کو بھیجا کہ عمر بن سعد کو امان نامہ دے اور موقعہ پا کر قتل کر دے۔ امان نامہ لے کر عمر بن سعد اٹھے لیکن چادر میں پیر اٹک جانے سے گر پڑے اس موقعہ پر اس شخص نے انھیں قتل کر کے ان کا سر لے جا کر مختار کے پاس پیش کر دیا۔ مختار نے ان کے فرزند حفص کو بھی جو وہاں موجود تھے قتل کرا دیا۔ اس نے ابن زیاد اور عمر بن سعد کے سروں کو حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہ) کے پاس مکہ معظمہ میں بھیج دیا۔ شیعہ روایات کے مطابق یہ سر ۹ ربیع الاول ۶۷ھ کو مدینہ پہنچے۔ ان سروں کو دیکھ کر حضرت محمد اور حضرت علی بن حسین زین العابدین نے خوشی و مسرت کا اظہار کیا اور خواتین اہل بیت نے جو پانچ سال سے سوگ میں تھیں ماتمی لباس اتار کر خوشی کے کپڑے پہن لئے۔ اس طرح ہر ۹ ربیع الاول کو ''عید نہم'' کا آغاز ہوا۔ صحیح روایت یہ ہے کہ حضرت زین العابدین اور خواتین اہل بیت اس وقت مدینہ میں تھے انھیں اس واقعہ کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔ حضرت ابن الحنفیہ مکہ میں تھے جب یہ سر مکہ پہنچے تو حضرت ابن زبیر نے ان سروں کی تشہیر مناسب نہیں سمجھی اور گورستان ''المعلیٰ'' میں ان سروں کو دفن کرا دیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ ابن زیاد کا سر مختار نے اپنے سامنے ہی ٹکڑے ٹکڑے کروا کر مختلف مقامات پر پھنکوا دیا اور صرف عمر بن سعد کا سر مکہ بھیجا۔ شیعہ روایت میں دو باتیں عجیب سی لگتی ہیں۔ حضرت حسین کے واقعہ شہادت میں حضرت عمر بن سعد کا کیا رول رہا ہے تفصیل سے گذر چکا ہے اس کے پیش نظر ان کے قتل ہونے پر حضرت زین العابدین کی خوشی و مسرت کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ غم ایک فطری چیز ہے لیکن خواہ کتنا ہی بڑا غم ہو وقت گزرتے گزرتے ہلکا ہونے لگتا ہے اور دل کو صبر آ جاتا ہے۔ غم ایسی چیز نہیں ہے کہ آنِ واحد میں خوشی سے بدل جائے۔ عمر بن سعد کا سر دیکھ کر اتنا بڑا غم آن واحد میں خوشی سے بدل جائے کوئی دل لگتی بات نہیں معلوم ہوتی۔ اسلام میں سوگ (اظہار غم، ماتمی لباس پہننا، عورتوں کا سنگھار وغیرہ نہ کرنا، اچھے کھانے نہ کھانا وغیرہ) تین دن سے زیادہ حرام ہے۔ مدینہ میں اہل بیت کا ۵ سال تک سوگ میں رہنا ناقابل فہم ہے۔

شیعہ اور سُنّی مورخین کے بیانات کے پیش نظر واقعہ کربلا کے ضمن میں عمر بن سعد کے ''فرد جرم'' کی فہرست بڑی طویل ہے۔ سپہ سالار لشکر یزید ہونے کی بنا پر اور حکومت رَے کی آس میں انھوں نے کیا نہیں کیا واقعہ کربلا کی ہر کتاب میں اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ لیکن ان ہی مورخین کے متفقہ بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی جبکہ مختار کے حکم سے قاتلان حسین اور افراد لشکر یزید کو تلاش کر کے قتل کیا جا رہا تھا یہ اطمینان سے کوفہ ہی میں بیٹھے رہے ان کا یہ اطمینان ناقابل فہم ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا حالات ذرا سا دگرگوں ہوتے دیکھ کر وہ کوفہ سے فرار ہو جاتے۔ مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ اپنی گرفتاری کی اطلاع پر وہ مختار سے ''امان نامہ'' چاہتے ہیں۔ کون ہوشمند ہے جو اتنے بھیانک جرم کر کے بلکہ سارے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی مجرموں کا سپہ سالار ہوتے ہوئے ''امان'' کی درخواست کرے۔ سفارش کے لئے وہ حضرت حسین کے پھوپی زاد بھائی حضرت جعدہ بن ھبیرہ کو واسطہ بناتے ہیں۔ ان حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی جگہ پر مطمئن تھے کہ میں نے حسین اور ان کے اہل بیت کے ساتھ حق قرابت پوری طرح ادا کیا تھا ان کی حفاظت کے لئے جو کچھ ہو سکتا تھا میں نے کیا۔ ان کے ناگہانی قتل پر بے ساختہ آنسو بہائے۔ بقیۃ السیف افراد خاندان کی پوری حفاظت کی تھی۔ شہداء کی نماز جنازہ پڑھ کر پورے احترام کے ساتھ تدفین کی تھی۔ غمزدہ خواتین کو پورے احترام کے ساتھ دمشق پہنچایا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان خدمات کی بنا پر انھیں جان کی امان مل گی۔ اِدھر وہ مختار جس پر قتل وخون کا جنون سوار تھا جس نے اس جنون میں کتنے ہی بے گناہوں کا خون بہایا تھا لشکر یزید کے سپہ سالار کو بھلا کب چھوڑ سکتا تھا۔ چاہے کچھ قصور ہو یا نہ ہو بہر حال وہ مختار کے نزدیک واجب القتل تھے۔ واقعہ کربلا جو اتفاقی اور ناگہانی حادثہ تھا جب اس میں رنگ آمیزی کی گئی اور ایک پوری داستان مرتب کی گئی تو مختار کے حامیوں نے ان کے قتل کی وجہ جواز کے لئے ایک بڑی فرد جرم مرتب کی جس پر نہ صرف قوم شیعہ بلکہ تو ے فیصد سُنّی مسلمانوں کا بھی خون کھول اُٹھتا ہے لیکن مذکورہ بالا واقعات پر ٹھنڈے دل اور بے تعصبی سے غور کریں تو حقیقت حال نکھر کر سامنے آسکتی ہے۔

ہر کمالے را زوالے

امیر ابن زیاد اور امیر عمر بن سعد کے قتل کے چھ ماہ کے اندر ہی حالات دگرگوں ہو گئے۔ حجاز اور بصرہ پر حضرت ابن زبیر کی گرفت سخت تھی۔ حضرت ابن زبیر کے سوتیلے بھائی مصعب بن زبیر بصرہ کے گورنر تھے۔ دو اہم وجوہات کے سبب مختار سے عام ناراضگی پھیلنے لگی۔ ایک تو یہ کہ انتقام قتل حسین کے بہانے اس نے ملک میں بڑی دہشت پھیلا دی تھی۔ آئے دن قتل وخون، اذیتیں دے دے کر قتل کرنا، زندہ جلا دینا، لاشوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، تیروں کی بوچھار کروا کر قتل کرنا، سر کاٹ کر حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہ) کے پاس مکہ معظّمہ بھیجنا، قتل کرنے سے پہلے ہاتھ پیر کٹوانا، آنکھیں نکلوانا وغیرہ گویا ہر وہ بہیمیت و درندگی جس کی اسلام میں تو کیا انسانیت میں بھی کوئی گنجائش نہیں مختار نے اختیار کی تھی۔ دوسری طرف مختار نے عربوں کے مقابلے میں عجمیوں کو غیر معمولی بڑھاوا دیا۔ عربوں کی توہین وتحقیر کی جس کی وجہ سے عام ذہن یہ پیدا ہو گیا کہ اب اس شوروشر سے کسی طرح چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ چنانچہ کثیر تعداد میں عوام وخواص مصعب بن زبیر سے رجوع ہونے لگے۔ جب تک مختار ''ثارات حسین'' کے بہانے بنواُمیہ سے نبرآزما رہا اور بنواُمیہ کے اعوان وانصار کو ختم کرتا رہا۔ ابن زبیر صرف تماشہ دیکھتے رہے اس لئے کہ وہ بھی بنواُمیہ کے سخت دشمن تھے۔ جب بنواُمیہ کی قوت ٹوٹ گئی تو اب صرف یہی ایک دشمن مختار رہ گیا تھا اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا بھی آپ سے یہ حشر ہو گیا تھا کہ کوفہ کے اشراف وعوام بصرہ میں آ آ کر جمع ہو رہے تھے۔ ایسے میں مصعب نے کوفہ کی طرف پیش قدمی کر دی۔ کوفہ کا سخت محاصرہ کر لیا۔ مختار کے ساتھی ہمت ہار گئے۔ لوگوں نے مختار کے ساتھیوں کو پکڑ پکڑ کر مصعب کے حوالے کرنا شروع کیا۔ محاصرہ دن بدن تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ مختار کے لئے بھوکوں مرنے کی بجائے ایک دن باہر نکل کر لڑنے کے سوا کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ نکلا اور مقابلہ کرتا ہوا قتل ہو گیا۔ (۱۴ رمضان ۶۷ ھ) اس کے بعد مصعب نے بہت سارے محصورین کو قتل کرا دیا جو مختار کے حامی اور اس کے ہم عقیدہ تھے۔ مختار کی ایک بیوی ''عمرہ'' بھی مختار کے ہم عقیدہ ہونے کی وجہ سے قتل کر دی گئی۔

مصعب بن زبیر کا ننھیالی تعلق بنو کلب سے ہے۔ حضرت حسین کی ایک زوجہ مکرمہ سیدہ رباب بنت امرء القیس بھی بنو کلب سے تھیں ان کے بطن ایک فرزند ''عبداللہ'' (شہید کربلا) تھے جو بوقت شہادت ۲۰ سال کے تھے۔ ان کے نام پر حضرت حسین کی کنیت ''ابو عبداللہ'' تھی اور ایک صاحبزادی سیدہ سکینہ تھیں جو بوقت واقعہ کربلا (۲۴) سالہ اور شادی شدہ تھیں۔ ان کا عقد حضرت حسن کے فرزند عبداللہ سے ہوا تھا۔ یہ عبداللہ بھی کربلا میں شہید ہو گئے۔ ان کا دوسرا عقد مصعب بن زبیر سے ہوا جو سیدہ سکینہ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ مصعب نے ان سے عقد کرنے پر ''جرجی زیدان'' کی روایت کے مطابق دس لاکھ درہم خرچ کئے تھے۔ (ان رشتہ داریوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو میری کتاب ''شاندار فیصلہ'' صفحات ۱۰۵ تا ۱۱۰)۔ مختار کے قتل کے وقت سیدہ سکینہ بنت حسین، مصعب بن زبیر کی زوجیت میں تھیں۔ مصعب بن زبیر کی زوجہ ہونا شیعوں کے لئے قابل تسلیم نہیں ہے۔ کربلائی لٹریچر میں ان عظیم المرتبت صاحبزادی کو ایک چھوٹی بچی بتایا جاتا ہے جو ''زندانِ شام'' میں باپ اور بھائیوں کے غم میں رو رو کر مر جاتی ہے۔ سیدہ سکینہ نے (۸۰) سال کی عمر میں ۱۱۷ ھ میں وفات پائی۔ آج بھی ان کا مزار دمشق میں زیارت گاہِ خلائق اور بنو امیہ سے گہرے روابط کا آئینہ دار ہے۔ رضی اللہ عنہا

مولانا سید نجم الحسن کراروی نے ان حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے مختار کے انجام کے بارے میں ایک سیدھا سادھا جملہ لکھ دیا:-

''بالآخر ۱۴ رمضان ۶۷ ھ کو آپ کوفہ کے دارالامارہ کے باہر شہید کر دیئے گئے''۔

(چودہ ستارے صفحہ ۳۰۶)

مختار نے ''ثارات الحسین'' کے نعرے کے تحت جتنے لوگوں کو قتل کیا اور جن دردناک طریقوں سے قتل کیا اس کی تفصیل قارئین کے سامنے رکھ دی گئی ہے۔ ان مقتولین میں بلاشبہ بہت سارے حقیقی قاتلین حسین بھی تھے۔ بعد کے لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ مختار نے قاتلانِ حسین کو بھرپور سزا دی ہے اس کو وہ قاتلان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسین پر اللہ کا قہر قرار دینے۔ اور مختار کو اس کام کے لئے مامور من اللہ سمجھنے لگے۔ اس طرح مختار سے بھرپور عقیدت اس جماعت میں سرایت کر گئی۔ مختار کے مظالم کو جائز قرار دینے کے لئے واقعہ کربلا کی ایک افسانوی داستان مرتب کی گئی تاکہ بعد والوں کو یہ اطمینان ہو کہ اس نے جو کچھ کیا وہ واجبی تھا۔ پھر بھی یہ بات تشنہ ہی رہ جاتی ہے کہ وہ سارے ہی مقتولین جن کا قتل حسین سے کوئی تعلق نہیں تھا یا وہ جو مختار کی اطاعت نہیں کرنا چاہتے تھے ان کے قتل کی کیا وجہ جواز تھی؟ اور جن دردناک طریقوں سے مختار نے قتل عام کرایا تھا ان کی اسلام اور انسانیت میں کہاں گنجائش تھی؟ حضرت زین العابدین کا مختار کے ''نذرانہ'' کو قبول نہ کرنا (جس کا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے) اور سیدہ سکینہ کا مختار اور اس کے ساتھیوں کے قتل پر خاموشی اختیار کرنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ دونوں عظیم المرتبت بھائی بہن مختار کو اپنے والد بزرگوار کا حقیقی خیر خواہ نہیں سمجھتے تھے۔

مختار کے خروج، قتل دخون اور بے تحاشا مظالم پر ''حبِ اہل بیت اور انتقام خونِ حسین'' کی جو ملمع کاری کی گئی تھی اس کی قلعی اس وقت پوری طرح کھل گئی جب وہ محاصرہ سے تنگ آ کر لڑ بھڑ کر مر جانے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے ایک معتمد علیہ ساتھی سائب بن مالک کو ساتھ دینے کے لئے ان الفاظ میں بلایا:۔

''اے شیخ باہر نکلو! ہم دین کے لئے نہیں بلکہ دنیا کے لئے دشمنوں کا مقابلہ کریں''۔

سائب نے کہا: ہم تو اب تک یہ سمجھتے تھے کہ تم دین کی خاطر اٹھے ہو۔ مختار نے کہا:

''میری جان کی قسم! یہ سب طلب دنیا کے لئے تھا۔ میں نے دیکھا کہ شام عبدالملک کے قبضہ میں ہے۔ حجاز پر عبداللہ بن زبیر کی حکومت ہے۔ یمامہ پر نجدہ حروری قابض ہے، خراسان پر ابن حازم حکمران ہے۔ تو میں کیا ان میں کسی سے کم ہوں۔ میرے دل میں بھی حکومت کی آرزو ہوئی۔ اور میں نے اس آرزو کو پورا کرنے کے لئے ''انتقامِ خونِ حسین'' کو وسیلہ بنایا (بحوالہ اخبار الطوال، تاریخ ملت حصہ سوم، از قاضی زین العابدین میرٹھی)

مختار کے دعوے

قاتلان حسین سے انتقام وقصاص کا غلغلہ جب عالم اسلام میں پھیلا تو اصل حقیقت سے بے خبر لوگ دوڑے دوڑے مختار کے پاس پہنچے اور مختار کی حاشیہ نشینی اختیار کر کے اس کی مدح وثنا میں غلو کرنے لگے۔ اس چیز نے مختار کے دماغ کو خراب کر دیا۔ اس کی ''چھٹی حس'' قدرۃً بڑی تیز تھی یہ چیز بھی اس کے لئے گمراہی کا سبب بنی۔ اس کا قیاس بعض وقت صحیح ثابت ہوتا تھا۔ اس کو یقین ہو گیا کہ یہ سب ''وحی الٰہی''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی کارفرمائی ہے۔ اس نے نبوت و رسالت کا دعویٰ کر دیا اور باقاعدہ اپنے خطوط و مراسلات میں اپنے آپ کو ''رسول اللہ'' لکھنا شروع کیا۔ ایک بار ایک رئیس احنف بن قیس کو لکھا کہ تم نے مجھے ''کذاب'' کہا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے مجھ سے پہلے بھی انبیاء کو اسی طرح جھٹلایا گیا تھا۔ کسی نے حضرت ابن عباس سے کہا کہ مختار اپنے اوپر نزول وحی کا دعویٰ کرتا ہے تو ابن عباس نے فرمایا: مختار سچ کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس وحی کی اطلاع قرآن میں دی ہے اور یہ فرما کر آپ نے اس آیت کا حوالہ دیا:

وَاِنَّ الشَّیٰطِیۡنَ لَیُوۡحُوۡنَ اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓـِٕهِمۡ (سورہ انعام۔ آیت ۱۲۱) (ترجمہ) بے شک شیاطین اپنے دوستوں پر وحی کرتے ہیں۔

مختار نے جب ابراھیم بن مالک اشتر کو ابن زیاد سے جنگ کے لئے روانہ کیا تو رخصتی کے وقت کہا کہ: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ کبوتروں کی شکل میں فرشتے بھیج کر تمہاری مدد کروں گا۔ پھر میدان جنگ میں اپنے خاص غلاموں کے ذریعہ سے بہت سارے کبوتر اس ترکیب سے اُڑوائے کہ فوج میں شور برپا ہو گیا کہ فرشتے آ گئے۔ ''ماتم حسین'' کے ساتھ ساتھ ان کبوتر فرشتوں کا نزول بھی ابراھیم کی شاندار فتح اور شامی لشکر کی ہزیمت اور ابن زیاد کے قتل کا باعث ہوا۔ ایک بار خارجیوں کی ایک جماعت سے جنگ ہوئی۔ مختار کی فوج کثرت کی وجہ ان خارجیوں پر غالب آئی۔ خارجیوں میں بہت سے قتل ہوئے اور بہت سے لوگ گرفتار ہوئے اور ان کا سردار سراقہ بن مرداس بھی گرفتار ہوا۔ مختار نے ان سب کے قتل کا حکم دیا۔ سراقہ نے کہا: بظاہر تم نے ہم کو شکست دی۔ لیکن درحقیقت ہم کو شکست دینے والی ملائکہ آسمانی کی وہ فوج تھی جو سیاہ و سفید گھوڑوں پر سوار تمہاری فوج سے آگے آگے ہم سے لڑ رہی تھی۔ یہ سُن کر مختار فرط مسرت سے جھومنے لگا اور کہا اس مشاہدہ کو تم منبر پر بیان کرو تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ ملائکہ آسمانی سے میری مدد ہوتی ہے۔ سراقہ نے منبر پر اپنا مشاہدہ بیان کیا۔ مختار نے ان سب کو بڑے اعزاز کے ساتھ رہا کر دیا۔ یہ سب لوگ رہا ہو کر سیدھے مصعب بن زبیر کے پاس پہونچے وہاں سے سراقہ نے مذاق اڑاتے ہوئے لکھ بھیجا کہ میں نے کوئی مشاہدہ نہیں کیا۔ صرف تمہیں بے وقوف بنا کر رہائی حاصل کی میں تا زیست تم سے جنگ کرتا رہوں گا۔

قصہ کُرسی کا

مختار نے بنی اسرائیل کے ''تابوت سکینہ'' کا حال سن رکھا تھا اس کو فکر تھی کہ میرے ہاتھ بھی کوئی ایسی چیز آئے جو میرے لئے فتح وظفر کی ضامن ہو۔ اس زمانے میں کوفہ میں ایک ذی اثر بزرگ حضرت جعدہ بن ھبیرہ مخزومی تھے جو حضرت علی کی بہن سیدہ ام ہانی بنت ابی طالب کے فرزند تھے۔ حضرت علی قیام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوفہ کے زمانے میں ان ہی گھر میں رہتے تھے۔ایک کرسی تھی جس پر آپ بیٹھا کرتے تھے۔مختار نے جعدہ سے اس کرسی کو طلب کیا۔ جعدہ مختار سے سخت ناراض تھے۔ان کی سفارش کے باوجود مختار نے عمر بن سعد اوران کے فرزند کو شہید کر دیا تھا۔حضرت جعدہ نے کرسی دینے سے انکار کیا۔مختار نے ان پر سختیاں کیں۔ مالی اعتبار سے ان کو اوران کی اولاد کو قلاش کر دیا۔آخر تنگ آ کر جعدہ کے فرزند عبداللہ نے ایک تیلی کے پاس سے پرانی کرسی لے کر مختار کے حوالے کر دی۔مختار نے اس کرسی کا شاندار جلوس نکالا اوراس کو اپنے لئے تابوت سکینہ قرار دیا۔ابراھیم بن مالک اشتر جب ابن زیاد سے جنگ کے لئے نکلا تو یہ ''تابوت سکینہ'' بھی اس کے ساتھ تھا۔اس جنگ میں ابراھیم کی شاندار کامیابی کا ایک سبب یہ ''تابوتِ سکینہ'' بھی تھا۔اس فرضی تابوتِ سکینہ سے عقیدت مختاریوں میں غلو کی حد تک ہوگئی۔بے چارے عبداللہ بن جعدہ زندگی بھر افسوس کرتے رہے کہ میں نے چار پیسوں کی خاطر کیا فتنہ کھڑا کر دیا۔حضرت ابوموسیٰ اشعری کے صاحبزادہ موسیٰ اس کرسی کے متولی اور محافظ تھے۔موسیٰ کی والدہ حضرت فضل بن عباس بن عبدالمطلب ہاشمی کی صاحبزادی تھیں۔مختار موسیٰ کے ساتھ بڑا حسن سلوک کرتا تھا۔بعض نیک دل لوگوں نے موسیٰ کو ملامت کی کہ اس فتنہ کے محافظ تم کیوں بنے ہو تو انھوں نے اس کرسی کی تولیت چھوڑ کر اس کو دوسرے شخص کے حوالے کر دیا۔بُرا وقت بُرا ہوتا ہے جب مختار پر نکبت وادبار کے سائے منڈلانے لگے تو بقول کسے:

بوقتِ تنگ دستی آشنا بےگانہ می گردد　　صراحی چوں شود خالی جدا پیمانہ می گردد

ابراھیم بن مالک اشتر نے بھی مختار کا ساتھ چھوڑ کر اپنی وفاداریاں مصعب بن زبیر سے وابستہ کرلیں۔کوفہ کے محاصرہ اور مختار کے قتل کے ہنگامے میں یہ کرسی بھی لاپتہ ہوگئی۔لیکن مختار کے عقیدت مندوں میں آج تک ''تابوتوں اور ضریحوں'' سے عقیدت اور جلوسوں کا رواج باقی ہے۔اپنی شخصیت کو منوانے اور اپنی ''تقدس مآبی'' کا اثر قائم کرنے کے لئے آثار و تبرکات کی نمائش عرصہ دراز سے مسلمانوں میں رائج ہے۔علم، جھنڈے، بزرگوں سے منسوب پیراہن، عمامے، تسبیح نعلین، سر یا داڑھی کی بال، وغیرہ ہمیں آئے دن کہیں نہ کہیں، دعوت زیارت وحصول ثواب دارین دیتے ہیں۔بلاشبہ ان سب آثار وعلائم کا سلسلہ نسب ''مختاری تابوت سکینہ'' سے ملتا ہے۔قارئین مزید معلومات کے لئے میری کتاب ''دین تصوف وطریقت'' عنوان ''آثار پرستی'' ملاحظہ فرمائیں۔

عقیدۂ مہدی

قارئین زیر نظر کتاب کا ایک مضمون بعنوان ''خلفاء راشدین کون ہیں'' ایک بار پڑھ لیں۔ ''مہدی'' کے لفظی معنیٰ ''ہدایت یافتہ'' کے ہیں۔اس لحاظ سے یہ کوئی خاص منصب نہیں ہوسکتا۔ابتداء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام میں ہر وہ شخص جو اپنی صالحیت، تقدس وتقویٰ اور علم وفضل میں فائق ہوتا وہ ''مہدی'' کہلاتا تھا۔ چنانچہ حضرت محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب بھی اپنے وقت میں ''مہدی'' کہلاتے تھے اور اگر ایسا شخص خلیفہ وقت بھی ہوتا تو وہ ''راشد، امام اور مہدی'' کے لقب سے متصف ہوتا تھا۔ حضرت معاویہ پر سلسلۂ خلفاء راشدین، امامت اور مہدیت ختم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے ''ہادی اور مہدی'' ہونے دعا فرمائی تھی۔ حضرت معاویہ کے بعد امت میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کو بلاچوں چرا ''امام اور مہدی'' مانا جائے اور جس کی مہدیت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر تصدیق ثبت ہو۔ حضرت معاویہ خاتم الخلفاء الراشدین، خاتم الائمہ اور خاتم المہدیین ہیں۔

مختار بن عبید ثقفی کے لئے یہ بات کہاں قابل برداشت تھی کہ بنوامیہ کے کسی فرد کی یہ عظمت وجلالت ہو۔ اس نے ایک ساتھ دو اہم عقیدے وضع کئے ایک ''وصایت علی'' اور دوسرے ''مہدیت محمد بن علی''۔ مختار جب مکہ سے مایوس ہوکر کوفہ پہنچا تو کوفہ کے سبائی ذہنیت والے قبائل یعنی بنوکندہ، بنوھند اور بنوھمدان کو یہ کہہ کر اپنا مطیع بنایا کہ: مجھے وصی (علی) کے بیٹے مہدی (محمد) نے تم لوگوں کے پاس امین، وزیر اور امیر بنا کر بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ ملحدوں کو قتل کروں، اہل بیت کے خون کا انتقام لوں۔ ان قبائل کے لئے سرتسلیم خم کرنے کے سواء کوئی صورت نہیں تھی۔ کوفہ کے اعیان واشراف میں ابراھیم بن مالک اشتر ایک ممتاز حیثیت کا شخص تھا۔ مالک اشتر جیسے پہلے گذر چکا ہے حضرت علی کا دست راست بلکہ آپ کے مزاج پر غالب تھا۔ ابراھیم بھی باپ کی طرح بلا کا شہسوار اور شمشیر زن تھا۔ اس کو جیب میں اتار لینا مختار کے لئے بے حد ضروری تھا۔ اس نے حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہ) کی طرف سے ایک جعلی خط ابراھیم کے پاس پیش کیا اور چند معتبر لوگوں سے گواہی دلوائی کہ یہ خط ابن الحنفیہ کا ہی ہے۔ پہلے تو ابراھیم کو کچھ تردد ہوا پھر وہ خط کو سرآنکھوں پر رکھ کر مختار کے سامنے مودب بیٹھ گیا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

جس زمانے میں حضرت ابن زبیر اعیان بنی ہاشم پر اپنی بیعت کے لئے دباؤ ڈال رہے تھے اس وقت بنوہاشم میں تین شخصیتیں نمایاں تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہ) اور حضرت علی بن حسین زین العابدین، حضرت ابن عباس نے صاف فرمادیا کہ میرے چچا کی اولاد (بنو امیہ) میری پرورش کریں۔ دوسروں کی سرپرستی مجھے منظور نہیں ہے۔ آپ طائف چلے گئے اور اپنے فرزندوں کو وصیت فرمائی کہ حالات خراب ہوں تو ''حمیمہ'' چلے جائیں۔ تاکہ بآسانی شام (بنوامیہ کے پاس) پہنچ سکیں۔ حضرت علی بن حسین کے پاس مختار نے ایک خطیر رقم بھیجی تاکہ آپ اس کو اپنی طرف سے انتقام خونِ حسین کا مجاز قرار دیں۔ حضرت زین العابدین پہلے شخص ہیں جنھوں نے مختار کو ''کذاب'' قرار دیا اور خلیفۂ وقت عبدالملک بن مروان کو لکھا کہ یہ رقم کسی کے ذریعے میرے پاس سے منگوالیں۔ ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں بزرگوں کے یہ واقعات زیرِ نظر کتاب کے پچھلے صفحات میں تفصیل سے گذر چکے ہیں۔ اب مختار کے لئے حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہ) کو مقاصدِ فاسدہ کے لئے آلۂ کار بنانے اور آپ کی شخصیت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے سواء کوئی صورت باقی نہیں رہی۔

حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہ)

مختار کے ساختہ مہدیٔ اول

حضرت علی کے ان فرزند کی ماں بنوحنیفہ سے تھیں، جو جنگ یمامہ میں گرفتار ہوکر آئی تھیں۔ ان کا نام خولہ بنت جعفر تھا۔ اپنے گھرانے کی معزز خاتون تھیں۔ چونکہ حضرت علی کے دو اور فرزندوں کے نام محمد تھے اس لئے یہ عام طور پر محمد ابن الحنفیہ مشہور ہوئے۔ شجاعت و بسالت، علم و فضل اور تقدس و تقویٰ میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ حضرت ابن زبیر نے اپنی بیعت کے لئے ان کو مکہ میں محبوس کر رکھا تھا۔ مختار نے ان کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے ایک کثیر رقم اپنے آدمیوں کے ذریعہ بھیجی اور اپنے پاس کوفہ آنے کی دعوت دی۔ اہل بیت سے اپنی بے پناہ عقیدت کا اظہار کیا۔ حضرت ابن الحنفیہ اس پر مہربان ہو گئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ ان کو مختار کے عزائم کی بھی کچھ کچھ بھنک لگ چکی تھی۔ اس لئے آپ نے کوفہ جانے کی بجائے اہل کوفہ کے نام ایک ہدایت نامہ روانہ کیا کہ ہمارے سب شیعہ رجوع الی اللہ رہیں۔ فتنہ و فساد سے اپنے آپ کو الگ رکھیں۔ ''جھوٹے دعوے داروں'' کے دھوکے میں نہ آئیں۔ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ یہ خط مختار کی مرضی کے مطابق نہیں تھا۔ مختاری فتنوں کی اصلاح کے لئے ایک موقعہ پر ابن الحنفیہ نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا۔ شیعان کوفہ میں اس اطلاع سے خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی لیکن مختار کے لئے آپ کی تشریف آوری مہنگی پڑ رہی تھی۔ اس نے اپنی مجلسوں میں کہنا شروع کیا کہ ہم ''مہدی'' (ابن الحنفیہ) کی بیعت میں داخل ہیں۔ سچے مہدی کی علامت یہ ہے کہ اگر مہدی پر تلوار کی بھرپور ضرب لگائی جائے تو وہ بالکل بے اثر رہے گی۔ یہ گویا مختار کی طرف سے اشارہ تھا کہ کوئی آپ کی مہدیت آزمانے کے لئے تلوار چلا دے۔ جب یہ بات ابن الحنفیہ تک پہنچی تو آپ نے کوفہ جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس ضمن میں ایک اور روایت یہ ہے کہ مختار نے اپنے آدمی بھیج کر آپ کو کوفہ بلوالیا اور ایک محفوظ مکان میں محبوس کر دیا۔ کہتے ہیں کہ اس موقعہ پر آپ کے نام سے کئی احکامات جاری کروائے۔ ابراہیم بن مالک اشتر کے نام بھی خط اسی موقعہ پر لکھوایا جس پر ابراہیم مختار کا مرید اور تابعدار ہو گیا۔ ایک موقعہ پر ابن الحنفیہ وہاں سے فرار ہو گئے اور سیدھے طائف پہونچے۔ مختار کو آپ کی فراری کا علم ہوا تو مختار نے کہنا شروع کیا کہ مہدی بحکم الٰہی روپوش ہو گئے ہیں۔ یہاں سے مہدی کے غائب اور روپوش ہونے کا عقیدہ شروع ہوا۔ مختاریوں میں ابن الحنفیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بارے میں عجیب وغریب عقیدے شروع ہو گئے۔ ان کے ایک فرقہ کا نام کیسانیہ ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت حسین کے بعد ابن الحنفیہ ہی امام ہیں۔ یہ لوگ ابن الحنفیہ کی موت کے قائل ہیں۔ جبکہ دوسرا فرقہ جو ابو کرب ضریر کا پیرو ہے اس کا عقیدہ ہے کہ ابن الحنفیہ زندہ ہیں۔ جبل رضوی میں روپوش ہیں ایک شیر اور ایک چیتا ان کی نگہبانی کرتے ہیں۔ ان کے لئے دودھ اور شہد کے دو چشمے جاری ہیں جن سے وہ غذا حاصل کرتے ہیں۔ وہ کسی وقت بھی بحکم الٰہی برآمد ہوں گے اور ساری دنیا پر حکومت کریں گے یہاں سے مہدی کے فی الوقت غائب رہنے اور قرب قیامت ظہور کرنے اور برسر اقتدار آنے کے تصورات شروع ہوئے۔

خروج مہدی کے بارے میں مسلمانوں میں کئی مکاتب خیال ہیں۔ ایک جماعت رضوی کی پہاڑیوں کی طرف دیکھ رہی ہے۔ ایک جماعت ''سامرہ'' کے غار کے دہانے پر ''یا صاحب العصر، العجل، العجل'' کی آوازیں لگا رہی ہے۔ امت میں کتنے ہی لوگوں نے مہدیت کے دعوے کئے اور گذر گئے۔ ان مہدیوں کے ماننے والوں کے نزدیک ''مہدی آیا بھی اور چلا بھی گیا'' ایک جماعت اس وقت کی منتظر ہے کہ خانۂ کعبہ کے پاس مہدی کا ظہور ہوگا۔ وہ پورے عالم اسلام کی قیادت کریں گے اب آنے والا زمانہ ہی بتائے گا کہ کس کی بات صحیح ہے۔

مہدی کے بارے میں ترمذی، باب ماجاء فی المھدی پر غور کریں تو صاف معلوم ہوگا کہ یہ حدیثیں حالات کے لحاظ سے وجود میں آئی ہیں۔ جن حدیثوں میں ''یواطی اسمه اسمی'' (وہ میرے ہمنام ہوگا) کے الفاظ ہیں ان کے پیش نظر مختار نے ابن الحنفیہ کو مہدی قرار دیا۔ یا ابن الحنفیہ کی مہدیت ثابت کرنے کے لئے مختار نے یہ حدیثیں وضع کروائیں۔ جن حدیثوں میں مہدی کے اولادِ حسن سے ہونے اور ''محمد بن عبداللہ'' ہونے کا ذکر ہے وہ محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب پر منطبق ہوتی ہیں۔ جو عام طور پر ''محمد الارقط'' بھی کہلاتے تھے اس لئے کہ ہیکلے تھے۔ یا تو ان حدیثوں کے پیش نظر محمد الارقط نے مہدیت کا دعویٰ کیا، یا ان کے ماننے والوں نے یہ حدیثیں وضع کروائیں۔ ان دونوں کے حالات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ دونوں صاحبین ''مہدی موعود'' ثابت نہیں ہوئے۔ جب اتنے قریب زمانے کے لوگ ''مہدی موعود'' ثابت نہ ہو سکے تو بعد کے لوگ کس طرح مہدی موعود ہو سکتے ہیں۔ اس لئے یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ اُمت میں مہدی کے کوئی خاص منصب ہونے کا شوشہ مختار ہی کا کارنامہ ہے۔

اس پورے مضمون کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ مختار نے اپنے خروج کے مختصر سے عرصہ میں کتنی چیزیں رائج کر دیں۔ کتنے خرافات کو جنم دیا کہ آج تک اُمت مسلمہ کی اکثریت ان ہی میں غلطاں و پیچاں ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق کی بیان کردہ حدیث کہ ''بنو ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ''مُبیر'' ہوگا موضوع ہے۔ مختار کو ''کذاب'' کا خطاب سب سے پہلے حضرت علی بن حسین زین العابدین نے دیا۔ اس کے بعد اور لوگوں نے بھی دیا جس کی صراحت پچھلے صفحات میں گذر چکی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امیر حجاج ابن یوسف ثقفی

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے حالات، حصار ثانی اور حضرت موصوف کی شہادت کے ضمن میں امیر حجاج کا تذکرہ قارئین کی نظر سے گذرا ہے۔ قارئین اس تذکرہ پر ایک بار نظر ڈال لیں۔ امیر حجاج جن کو ابوبکر جصاص جیسے عظیم المرتبت علامہ نے ''اظلم، اکفر اور افجر'' خطابات سے نوازا ہے ہمارے نزدیک تاریخ اسلام کے ان مظلوموں میں سے ایک ہیں جن کو بنو عباس کے نمک خوار مورخین نے جی بھر کر بدنام کیا ہے۔ حصار ثانی کا اہم معرکہ، بلد الحرام اور ماہِ حرام کی حرمت اور ساتھ ساتھ حضرت ابن زبیر کی عظیم شخصیت کی حفاظت کے لئے حجاج نے جس دانشمندی اور اعلیٰ صلاحیت کا مظاہرہ کیا اور کیسے ان حرمتوں کا پاس رکھا اس کا ذکر تفصیل سے گذر چکا ہے۔ لیکن ''صلانہ شد بلا شد'' کے طور پر اس غریب پر جو کچھ لعنت ملامت ہوتی ہے وہ ہماری تاریخ کا المیہ ہے۔ حجاج کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ دولتِ اسلام کو مستحکم کرنے، اُمت کو اتحاد کلمہ پر قائم رکھنے اور ''اولوالامر'' کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے کوشاں تھے اور یہ قصور صرف ان کا ہی نہیں بلکہ حضرت عمرو ابن العاص، حضرت مسلم بن عقبہ المرّی اور زیاد ابن ابی سفیان جیسے اِن کے پیش رووں کا بھی تھا اور یہ بات تفصیل کے ساتھ گذر چکی ہے کہ خود یہ بزرگوار بھی سبائی ذہنیت والے مورخین کی جارحیت سے محفوظ نہیں رہے۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے عہدِ خلافت میں قاتلان عثمان اور سبائیوں کے نرغہ میں بالکل بے بس اور مجبور تھے۔ اپنی بے بسی پر شدت تاثر سے برسرِ منبر رُو دیتے تھے اور دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ! یہ مجھ سے بے زار ہیں، میں ان سے بے زار ہوں مجھے اچھے لوگوں (گذرے ہوئے صحابہ میں) پہنچادے۔ ایک موقعہ پر فرمایا ''اللھم سلط علیھم فتی من ثقیف'''' اے اللہ ثقیف کے نوجوان کو ان پر مسلط فرما''۔ کہتے ہیں کہ ان ہی دنوں میں کوفہ یا طائف میں حجاج کی ولادت ہوئی۔ (سنہ ۴۰، ۴۱ھ)

نام حجاج، کنیت ابومحمد ہے۔ ابن اثیر نے سلسلہ نسب عمرو بن سعد بن عوف بن ثقیف بیان کیا ہے۔ ماں باپ نہایت غریب تھے محنت مزدوری کر کے کسب معاش کرتے تھے۔ بچپن طائف میں گذرا۔ بچپن ہی سے اپنی چند خصوصیات کی وجہ سے لوگوں کی نظر میں تھے۔ ایک بار خلیفہ عبدالملک بن مروان کے ایک سفر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے دوران مخالفین نے موقعہ پا کر خلیفہ کے کیمپ کو آگ لگادی، مجلس شوریٰ کے ایک اہم رکن ابوزرعہ روح بن زنباغ نے خلیفہ کی حفاظت کے لئے ''ساقہ'' کا محکمہ قائم کر کے حجاج کو اس کا افسر مقرر کیا۔ اس طرح دربار خلافت میں رسائی ہوگئی۔ پھر اپنے شاندار کارناموں کی بنا پر اعلیٰ مناصب تک ترقی کی۔ سنہ ۷۲، ۷۳، ۷۴ھ میں ''امیر الحج'' کا فریضہ انجام دیا اور اس وقت بقید حیات صحابہ کرام نے ان کی امارت میں حج ادا کیا۔ سنہ ۷۵ھ میں جبکہ حجاج کی عمر ۳۳ سال تھی کوفہ کے گورنر بنائے گئے۔ یہاں پر حجاج نے موقعہ کے لحاظ سے سختی اور درشتی بھی کی اور نرمی بھی کی۔ گویا حجاج نے ''زیاد ابن ابی سفیان'' کو نظم و نسق کے قائم رکھنے کے معاملے میں اپنا ''آئیڈیل'' بنا رکھا تھا۔ حجاج قابل احترام شخصیتوں کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی بڑی شخصیت قانون کی گرفت میں آجاتی تو اس شخصیت کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرتے تھے خواہ وہ کوئی ہو۔ چنانچہ مدائن کے گورنر مطرف نے جو ان کے ہی قبیلہ بنوثقیف کی باعظمت شخصیت، صحابی رسولؐ حضرت مغیرہ بن شعبہ کا فرزند تھا، خارجیوں سے مل کر بغاوت کی تو حجاج نے اس کو شکست دی اور قتل کر دیا۔

حجاج نے جب اقتدار سنبھالا اس وقت مملکت اسلامیہ خارجی اور داخلی فتنوں میں گھری ہوئی تھی۔ بعض وقت ایسی شخصیتوں سے پالا پڑ جاتا تھا جو عام طور پر عوام میں مقبول اور عقیدتوں کا مرکز ہوتی تھیں۔ حکومت کے لئے ضروری تھا کہ ایسے شخص کی خدمات حاصل کرلیں جو صاحب عزم، حوصلہ مند اور اعلیٰ درجہ کا مدبّر ہو۔ حکومت کی خوش قسمتی تھی کہ حجاج جیسا شخص ملا جس نے حالات پر قابو پا کر مملکت اسلامیہ کو مستحکم کیا اور اُمّت کو اتحاد کلمہ پر قائم کیا۔ اپنے دور اقتدار یعنی (۲۰) سال کے عرصہ میں چونکہ زیادہ تر سابقہ ایسے ہی حالات سے تھا جن میں حجاج کو سختی برتنا پڑتا تھا ان کو ''اظلم اور اکفر'' ہی کی حیثیت متعارف کیا گیا اور تاریخ میں اِن کا نام ظلم و قہرمانی کی علامت بن گیا۔ ورنہ ان کی سیرت میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رقیق القلبی اور رحم دلی سے بھی متصف تھے۔ مورخ ابن اثیر نے ایک خطبہ کا ذکر کیا ہے جس میں حجاج نے قبر کی تنہائی اور تاریکی کا ذکر کیا اور دوران خطبہ خود بھی روتے رہے اور حاضرین بھی روتے رہے۔ ایک روایت بھی کی کہ عن عبد الملک بن مروان عن ابیه مروان ابن الحکم عن عثمان ابن عفان کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قبر کو دیکھتے تو آخرت کو یاد کر کے آبدیدہ ہو جاتے تھے۔

حجاج بحیثیت امیر:

حجاج کی سیرت پر بے تعصبی سے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا ان کی چند خصوصیتیں تھیں اور یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خصوصیتیں بجائے خود بھلی تھیں یا بُری ان کا صحیح فیصلہ ایک بے تعصب مبصر ہی کر سکتا ہے۔ اپنے فرائض کی ادائی میں مستعدی اور استقلال ان کا خاص شیوہ تھا اور وہ چاہتے تھے کہ ان کے ماتحتین بھی ایسے ہی رہیں۔ ظاہر ہے کہ ماتحتین کے لئے ایسا حاکم ایک مصیبت ہی ہوتا ہے۔ رشوت اور ناجائز ذرائع آمدنی کے وہ سخت مخالف تھے اور اس جرم پر سخت سزا دینے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ یہ چیز بھی لوگوں میں ان کے خلاف غصہ پیدا کرتی تھی۔ حلم، تحمل اور ضبطِ نفس کا فقدان ان کی بڑی کمزوری تھی۔ پھر بھی وہ ایک سیدھے سادھے اور پکّے مسلمان تھے۔ تعصب اور توھم سے بَری تھے۔ ان کی سیرت میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ انھوں نے کسی کی بے تکلف بات پر ہنس کر خاطی کو معاف بھی کر دیا۔ کبھی کسی اقدام میں غلطی ہو جاتی تو فوری معذرت بھی کر لیتے تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان کی بعض زیادتیوں کی خلیفہ عبدالملک سے شکایت کی تو خلیفہ نے حجاج کو تہدید آمیز خط لکھا، جس پر حجاج نے حضرت موصوف کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی چاہی۔ ابن اثیر نے یہاں تک لکھا ہے کہ حجاج نے حضرت انس بن مالک اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے حدیث بھی روایت کی۔ حجاج شخصی طور پر احکام دینی کی پابندی کرتے تھے اور اپنے ماتحتوں کو بھی اس کی تاکید کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو جو سندھ کی مہم میں مشغول تھے ایک بار یہ ہدایت نامہ بھیجا:-

> ''پنج وقتہ نمازوں کی پابندی کرو، اس میں سُستی نہ کرو، تکبیر، قرأت، رکوع، سجدہ، قیام اور قاعدہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور تضرع اور زاری کرو۔ کسی شخص کو قوت و شوکت اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے بغیر نہیں ملتی۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ کرو گے تو ضرور کامیاب ہو گے''۔ (آئینۂ حقیقت نما، از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی)

اس سے امیر حجاج کی دینداری کا پتہ چلتا ہے۔ انھیں قرآن مجید سے غیر معمولی شغف تھا۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے انھیں قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو اندازِ تلاوت سے معلوم ہوا کہ یہ اپنے طور پر کثرت سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ مولانا مودودی ''دولت بنی مروان'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:-

> ''حجاج بن یوسف بھی خیر سے بالکل خالی نہ تھا۔ قرآن پر اعراب لگوانا اس کی وہ نیکی ہے جس کی تعریف رہتی دنیا تک کی جائے گی۔ سندھ کی فتح بھی اسی کے کارناموں میں سے ہے جس کی بدولت آج اس سرزمین میں اللہ کا نام لینے والے پائے جاتے ہیں مگر......''

اس ''مگر'' کے ساتھ ایک بڑی ''مگر مچھ'' نے منہ کھول دیا فرماتے ہیں:-

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''وہ حضرت عبداللہ بن مسعود کو سردار منافقین کہتا تھا...... ابن مسعود مجھے مل جاتے تو میں ان کے خون سے زمین کی پیاس بجھاتا ...... ابن مسعود کی قرأت پر کوئی شخص قرآن پڑھے گا تو میں اس کی گردن ماردوں گا اور مصحف میں سے اُس کی قرأت کو اگر سور کی ہڈی سے بھی چھیلنا پڑے گا تو چھیل دوں گا...... (خلافت ملوکیت)

امیر حجاج نے حضرت ابن مسعود کا زمانہ نہیں پایا۔ ابن اثیر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعود کی روایت کردہ حدیث ایک یا دو راوی کے ذریعہ حجاج تک پہنچی ہوگی جس کو انھوں نے قبول کرلیا۔ ایسی صورت میں ان کو ''سردار منافقین'' کیسے کہہ سکتے تھے۔ اور ان کے خون سے زمین کی پیاس بجھانے کیا وجہ ہوسکتی تھی۔ حضرت ابن مسعود کی قرأت کو ''سور کی ہڈی سے چھیلنے'' کی بات حجاج جیسے قرآن مجید سے شغف رکھنے والے اور اعراب لگانے والے ''خادم قرآن'' کی زبان سے نکلنے کی کیسے توقع کی جاسکتی ہے جس میں حضرت ابن مسعود کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی بھی توہین ہے۔ یہ صرف سبائی ذہن کے مورخین کی زہر افشانی ہے اور بس۔ یہ بات صحیح ہے کہ حجاج نے حضرت ابن مسعود کی قرأت پر قرآن پڑھنے کی سخت ممانعت کردی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک سبائیت اور خارجیت کا غلبہ ہو چکا تھا جنھوں نے جہاں اور فتنہ طرازیاں کیں وہاں قرآن مجید میں بھی شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لئے نہ صرف اعراب میں گڑ بڑ کی بلکہ سورتوں کے بارے میں بھی غلط باتیں اکابر صحابہ سے منسوب کردیں۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود کے بارے میں مشہور کردیا کہ وہ ''معوذتین'' کو داخل قرآن نہیں مانتے اور قرآن مجید میں (۱۱۲) سورتوں کے قائل تھے۔ اسی طرح حضرت ابی بن کعب کے بارے میں کہا کہ ان کے پاس (۱۱۶) سورتیں تھیں یعنی دعائے قنوت ''اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ الخ'' کو دو چھوٹی سورتوں ''سورۃ الخلع'' اور سورۃ الحفد کے نام سے انھوں نے قرآن میں شریک کررکھا تھا۔ مولانا مودودی نے حضرت ابن مسعود کے ''معوذتین'' کے داخل قرآن ہونے کے انکار کی روایت کو یہ فرما کر قبول کرلیا کہ ''امام احمد، بزّار، طبرانی، ابن مردویہ، ابویعلیٰ، عبداللہ بن احمد بن حنبل، حمیدی، ابونعیم، ابن حبان وغیرہ محدثین نے مختلف سندوں سے اور اکثر و بیشتر صحیح سندوں سے یہ بات حضرت ابن مسعود سے نقل کی ہے'' جبکہ ان حضرات میں سے بعض کی کتب ''تدلیس'' کا شکار ہیں اور اکثر حضرات شیعت اور سبائیت سے متاثر ہیں۔ مولانا مودودی نے امام نوویؒ، امام ابن حزم اور امام فخر الدین رازی کے بارے میں تحریر فرمایا کہ ان حضرات نے ''سرے سے اس بات ہی کو جھوٹ اور باطل قرار دیا ہے کہ ابن مسعود نے ایسی کوئی بات کہی ہے'' پھر بھی مولانا مودودی ان تینوں ائمہ کی بات کو یہ کہہ کر قبول نہیں فرماتے کہ ''مستند تاریخی حقائق کو بلاسند رد کردینا کوئی علمی طریقہ نہیں ہے''۔ آخر میں مولانا مودودی فرماتے ہیں:۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''انہی معوذتین کے بارے میں مفسرین ومحدثین نے ابن مسعود کی رائے کو غلط کہا ہے۔ مگر کسی نے یہ کہنے کی جرأت نہیں کی کہ قرآن کی دو سورتوں کا انکار کر کے معاذ اللہ وہ کافر ہو گئے تھے'' (تفہیم القرآن)

ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ہے، یہی سنتے آئے ہیں کہ قرآن مجید کی ایک آیت تو کیا ایک لفظ کا انکار بھی کفر ہے۔ اب یہ حیرت انگیز بات سامنے ہے کہ دو مستقل سورتوں کے انکار کے باوجود مفسرین ومحدثین نے حضرت ابن مسعود کو کافر نہیں قرار دیا اور مولانا بھی اس بات کو ''معاذ اللہ'' کے ساتھ فرما رہے ہیں تو کیا یہ مانا جائے کہ ایک لفظ یا ایک آیت، کا انکار تو کفر ہے لیکن کسی مستقل سورۃ کا انکار کفر نہیں ہے یا کوئی ایسا ارشادِ رسولؐ ہے جس میں دو سورتوں سے انکار کے باوجود حضرت ابن مسعود کو کافر کہنے سے منع کیا گیا ہو۔ ہمارے نزدیک جب کسی مفسر ومحدث نے حضرت ابن مسعود کو کافر کہنے کی جرت نہیں کی تو لازماً یہ ماننے بغیر چارہ نہیں ہے کہ وہ معوذتین کے داخل قرآن ہونے کے منکر تھے ہی نہیں۔ حضرت ابن مسعود قدیم الاسلام صحابی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ ہی بہت قریب رہے ہیں اس لئے یہ بات بعید از قیاس ہے کہ معوذتین کے داخل قرآن یا خارج قرآن ہونے کے بارے میں انھیں علم نہ ہو۔ اختلافات قرات کی جتنی شاذ روایتیں اکابر صحابہ اور اکابر تابعین کی طرف منسوب ہیں وہ صرف سبائیوں کی کارستانی ہے۔ حجاج نے عہد رسالت میں موجود اعراب کو واضح کر کے قرآن مجید کو قیامت تک کے لئے ہر شر سے محفوظ کر دیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا جو ذمہ لیا (سورہ حجر آیت ۹) اس کے ظاہری سبب بننے کی بڑی سعادت حجاج کے حصہ میں آئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عربی عبارت پر نقطوں اور اعراب کا کم استعمال ہوتا تھا، صرف ضروری نقطے دیئے جاتے اور اعراب کے لئے کچھ نشان لگائے جاتے تھے۔ لوگ عبارت کو آسانی سے سمجھ جاتے تھے۔ قرآن مجید بھی اسی نہج پر لکھا گیا تھا۔ حضرت عثمان کے عہد میں عجمیوں اور نومسلموں کے ہجوم کی وجہ سے قرآن مجید کے تلفظ میں گڑبڑ ہونے لگی۔ قرات کے اختلافات وجود میں آنے لگے۔ حضرت عثمان نے ''مصحف رسالت'' کے مطابق قرآن مجید کے نسخے تیار کروا کر اہم شہروں میں ایک ایک نسخہ بھیجا اور حکم دیا کہ دوسرے نسخے تلف کر دیئے جائیں۔ حجاج کا زمانہ آتے آتے سبائیوں اور خارجیوں نے پھر غت ربود شروع کر دی، اب حجاج نے قرآن مجید کے ایک ایک لفظ کے نقطوں اور اعراب کو کچھ اس طرح مستحکم انداز میں منضبط کر دیا کہ اس کے بعد پھر کسی کو دراندازی کی جراءت نہ ہو سکی اور واقعی حجاج کا یہ ایسا کارنامہ ہے کہ بقول مولانا مودودی:-

''قرآن پر اعراب لگوانا اس کی وہ نیکی ہے جس کی تعریف رہتی دنیا تک کی جائیگی''۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا مودودی نے اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے کہ ''سندھ کی فتح'' کا کارنامہ بھی ایسا کارنامہ ہے کہ اسی کی بدولت آج بھی اس سرزمین پر اللہ کا نام لینے والے موجود ہیں۔ معرکہ ہند کے بارے میں مسند احمد، تاریخ کبیر اور مستدرک حاکم میں یہ روایتیں ہیں:-

(۱) حضرت ابوھریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''غزوہ ہند'' برپا ہونے کا وعدہ فرمایا ہے۔ حضرت ابوہریرہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس جنگ کے زمانے تک زندہ رہا تو اس میں جان ومال کے ساتھ شریک ہوں گا۔ مارا گیا تو افضل ترین شہیدوں میں میرا شمار ہوگا اور زندہ رہا تب جہنم کی آگ سے آزاد رہوں گا۔

(۲) میری اُمت کی دو جماعتیں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے آزاد کردیا ہے۔ ایک وہ جو اہل ہند سے جنگ کرے گی اور دوسری وہ جو دجال کے مقابلے میں حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے ساتھ ہوگی۔

نہایت خوش نصیب وہ حضرات تھے جنھوں نے مذکورہ بشارت کے پیش نظر محمد بن قاسم کی سرکردگی میں غزوہ ہند کا فریضہ انجام دیا۔ گو حجاج بذات خود اس معرکہ میں شریک نہیں تھے لیکن معرکہ کے اصل کرتا دھرتا تو یہی تھے۔ وہ کس طرح اس بشارت سے محروم رہتے۔ عرب تاجروں کے قافلہ کی دیبل (موجودہ کراچی) کے مقام پر لوٹ مار اور عورتوں اور بچوں کی گرفتاری پر ایک مظلوم لڑکی نے ''یا حجاج یا حجاج'' کی آواز لگائی تھی۔ یہ ہمارے صوفیوں کی ''استعانت بغیر اللہ'' نہیں تھی بلکہ مقصد یہ تھا آج حجاج یہاں ہوتے یا حجاج تک ہماری حالت پہنچتی تو وہ ہمیں اس مصیبت سے نجات دلاتے۔ شدہ شدہ یہ کیفیت حجاج تک پہنچی اور اس وقت وہ سورہ نساء کی تلاوت کررہے تھے حسن اتفاق اس کی آیت ۷۵ زبان پر تھی۔ حجاج کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں اور سندھ پر حملہ کرنے کی سرگرمیاں شروع ہوگئیں۔ اپنے بھتیجے اور داماد محمد بن قاسم کی سرکردگی میں لشکر روانہ کیا اور ۹۳ ھ میں پورا سندھ مملکت اسلامیہ کا حصہ بن گیا۔ جس طرح حضرت فاروق اعظم نے مدینۃ النبی میں بیٹھے ہوئے اپنے جانباز جرنیلوں کے ذریعہ روم اور ایران کی مملکتوں کو مملکت اسلامیہ کا حصہ بنادیا اسی طرح حجاج نے بھی اپنے جرنیلوں محمد بن قاسم، قتیبہ بن مسلم اور موسیٰ بن نصیر کے ذریعہ مغرب میں مراکش تک، شمال مشرق میں چین کی سرحدوں تک اور مشرق میں ملتان تک کفر کی طاقتوں کو مغلوب ومقہور کرکے اسلام کا پرچم لہرادیا۔

عہد فاروقی کی شاندار فتوحات اور اسلام کی سربلندی کا سہرا امیر المومنین حضرت عمرؓ کے سرہی ہے کیونکہ اس کے اصل سربراہ آپ ہی تھے۔ اسی طرح جہاد روم کے دستہ کی مغفرت کی بشارت میں نہ صرف اس دستہ کے امیر یزید بن معاویہ حصہ دار ہیں بلکہ اس بشارت کے بڑے حصہ دار حضرت معاویہ رضی اللہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنہ ہی ہوں گے اس لئے کہ آپ ہی نے اس دستہ کا نظم فرمایا تھا اور بالکل اسی طرح غزوہ ہند کے شرکاء میں جنہیں جہنم سے آزادی کا پروانہ ملا ہے امیر حجاج کو بھی لازماً شریک ماننا پڑے گا اس لئے کہ امیر موصوف ہی نے اپنے اعلیٰ تدبر سے حوصلہ مند جرنیلوں کو بھیج کر سرزمین ہند پر پرچم اسلام کو لہرایا جس کا اعتراف مولانا مودودی نے فرمایا ہے۔

پھر بھی وہ حجاج کے عہد امارت کو ''لعنت'' ہی قرار دیتے ہیں۔ ''للعجب!

امیر حجاج کے مقتولین

ہم بچپن میں امیر حجاج کے بارے میں جو کچھ سنتے تھے اس کی بنا پر ان کی یہ تصویر ہمارے ذہنوں میں تھی:-

''حجاج اُمّت محمدی کا دشمن، اسلام کُش اور نہایت ظالم اور خونخوار آدمی تھا۔ جب یہ پیدا ہوا تو دودھ نہیں پیا۔ کئی دن تک بغیر دودھ پئے رہا، بھوک سے روتا رہا، آخر کسی بزرگ نے فرمایا یہ انسانی خون کا پیاسا ہے اس کو انسان کا خون پلایا جائے۔ اس کی ماں نے اپنی انگلی کاٹ کر اس کے منہ میں دیدی۔ تب یہ خون چوسنا شروع کیا۔ اس کے منہ میں سب سے پہلی چیز ''ماں کا خون'' گئی۔ سنتے تھے کہ یہ روزانہ صبح جب تک چند قتل نہ کرا دیتا ناشتہ نہیں کرتا تھا''۔

مولانا مودودی نے حجاج کے بے قصور مقتولین کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بتائی ہے اور ان کی موت کے وقت لکھا ہے کہ ۸۰ ہزار بے قصور انسان قید خانوں میں ''سڑ رہے تھے''۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب ''مختارات من ادب العرب، الجزء الثانی'' میں بے قصور مقتولین کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہی بتائی ہے۔ باقی ۸۰ ہزار کے بارے میں فرمایا ہے کہ ''پچاس ہزار مرد اور تیس ہزار عورتیں قید خانوں میں مر گئے''۔ مولانا نے ان کے لئے ''جلاد بنی امیۃ'' کا خطاب تجویز فرمایا ہے۔ (صفحہ ۳۹)

حیرت ہے کہ دیگر اکابر صحابہ کے علاوہ اس وقت شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمر موجود تھے اور خلیفہ کے حکم سے حجاج کو حضرت موصوف کی ہدایات کے تابع رہنا ضروری تھا۔ مسلمانوں کی اتنی خون ریزی پر آپ کیسے خاموش رہے؟ آپ نے حجاج کو اس ظلم عظیم پر ٹوکا کیوں نہیں؟ کیا صرف ''قتل کی دھمکی'' دینے پر آپ دم بخود ہو کر رہ گئے! اور اتنے مسلمانوں کا خون بہتا رہا اور آپ اپنی جان کے خوف سے مُہر بہ لب تھے! ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ان اعداد و شمار کے بیان میں حجاج سے کہیں زیادہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ذات ستودہ صفات پر تبرّا ہے۔ اور یہ تبرّا کس ذہنیت کا کام ہوسکتا ہے محتاج بیان نہیں ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حالات میں میں نے مولانا سید نجم الحسن کراروی کے بارے میں لکھا تھا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ہیں ان میں تھوڑی سی ''غت ربود'' اور ''تدسیس'' معلوم ہوتی ہے۔ پھر بھی یہ تقریریں اس وقت کی ہیں جب یہ رجمنٹ رتبیل سے جنگ کے لئے جارہی تھی۔ بعد میں حالات کچھ ایسے ہوگئے کہ عبدالرحمٰن خود رتبیل سے مل کر مملکت اسلامیہ کے خلاف جنگ پر تُل گیا۔ ''بُست'' کے مقام پر اس کی فوج میں افراتفری پڑ گئی اور ایک کثیر تعداد اس سے الگ ہوگئی۔ قرین قیاس یہی ہے کہ علماء وفقہاء کی یہ رجمنٹ بھی اس سے جدا ہوگئی۔ یہ ناممکن ہے کہ یہ علماء وفقہاء رتبیل جیسے اشد کافر اور عبدالرحمٰن جیسے غدّار اور باغی کا ساتھ دیتے اور اس کا ساتھ دینے کے لئے تقریریں کرتے۔ ان حضرات نے اس وقت یہ تقریریں کی ہوں گی جب رتبیل سے مقابلہ تھا۔ بعد میں یار لوگوں نے تقریروں کے الفاظ میں ایسی ردوبدل کی کہ یہ تقریریں مملکت اسلامیہ کے خلاف بھی معلوم ہوتی ہیں۔ اگر یہ تقریریں مملکت اسلامیہ اور اس کے سربراہوں کے خلاف فوج کو بھڑکانے کے لئے ہوتیں تو جب یہ حضرات کوفہ واپس آئے تو حکومت نے ان کے خلاف کیوں سخت اقدام نہیں کیا۔ حجاج جیسے حکومت کے وفادار اور ماہر سیاست داں نے ان حضرات کی کیوں خبر نہیں لی؟ اس رجمنٹ میں ایک حضرت سعید بن جبیر تھے جو سبائیت سے سخت متاثر اور حکومت کے خلاف باغیانہ جذبہ رکھتے تھے۔ مولانا مودودی نے حضرت سعید کی تقریر کے جو مختصر الفاظ پیش کئے ہیں وہ ان کے ذہن کی صحیح عکاسی کرتے ہیں۔ کوفہ آنے کے بعد بھی آپ کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور اپنے معتقدین اور تلامذہ کو حکومت کے خلاف اُبھارنے لگے۔ یہ صورتحال حجاج کے لئے بڑی تشویشناک تھی۔ حجاج نے پوری کوشش کی کہ آپ اپنے رویہ سے باز آجائیں۔ نرمی سے گفتگو کی، تحفے تحائف پیش کئے لیکن یہ حضرت اپنے پیش رو مسلم بن عقیل کی طرح پوری طرح سبائیت کے ہتے چڑھ چکے تھے۔ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ آخر کار گرفتار کئے گئے۔ اس موقعہ حجاج سے ان کا طویل مکالمہ تاریخ میں ملتا ہے۔ اس پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان کے جوابات حجاج کے غصہ اور غضب کو بھڑکانے والے تھے۔ اگر یہ اپنے جوابات میں احتیاط سے کام لیتے تو قتل نہیں کئے جاتے بلکہ صرف قید پر اکتفا کیا جاتا۔ ''دم شمشیر تو دگردنِ ما بسم اللہ'' کی دعوت خود انھوں نے دی۔ چنانچہ قتل کئے گئے۔

مشکوٰۃ، باب مناقب قریش وذکر القبائل فصل ثانی وثالث میں سیدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق کا یہ قول ہے جس کو انھوں نے حجاج سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا:-

ان فی ثقیف کذابا ومبیرا فاما الکذاب فراینا — واما المبیر فلا اخالک الا ایاہ — (بحوالہ مسلم)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ثقیف میں ایک جھوٹا اور ایک ہلاکت مچانے والا ہوگا۔ پس جھوٹے کو تو ہم نے دیکھ لیا اور ہلاکت مچانے والے کے بارے میں میرا خیال ہے کہ وہ تو ہی ہے۔

عبداللہ بن عصمہ کا قول ہے کہ ''کذاب'' سے مراد مختار بن ابی عبید اور ''مبیر'' سے مراد حجاج بن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یوسف ہے۔ یہ روایت غور طلب ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کے واقعہ شہادت میں بیان کیا گیا ہے کہ نہ تو حضرت موصوف کی شہادت شامی فوجوں کے ہاتھوں ہوئی اور نہ آپ کے سر اور جسم کی کوئی بے حرمتی کی گئی۔ اس پورے ماحول میں جبکہ قریشیوں کی کثیر تعداد وہاں موجود تھی اور قریشی اور غیر قریشی کا مسئلہ بھی حساس حد تک پہنچ گیا تھا یہ بات نا قابل فہم ہے کہ حضرت ابن زبیر کو شہید کرنے اور ان کے سر اور جسم کی بے حرمتی کرنے کے بعد ان کی والدہ محترمہ سے اتنی بڑی گستاخی حجاج سے سرزد ہوتی ہے کہ ان کو طلب کیا جاتا ہے اور نہ آنے کی صورت میں دھمکی دی جاتی ہے کہ انھیں بال پکڑ کر کھینچتا ہوا حاضر کیا جائے گا۔ اور تو اور حضرت ابن زبیر کے فرزندان حمزہ اور خُبیب اپنے والد محترم اور دادی محترمہ کی اس توہین پر کیسے خاموش رہتے۔ دیگر صحابہ کے علاوہ حضرت ابن عمر بھی اس اذیت ناک صورت حال پر کیسے دم سادھے رہتے۔ اس وقت پورے عالم اسلام میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عظمت وفضیلت مسلم تھی۔ جمعہ کے خطبوں میں حضرت ابوبکر وعمر کے لئے دعائے رحمت ہوتی تھی۔ خود خلفاء بنی اُمیہ کا بھی یہی معمول تھا۔ ایسی صورت میں جبکہ خلیفۂ وقت عبدالملک بن مروان خطبہ جمعہ میں حضرت صدیق اکبرؓ کے لئے دعائے رحمت کر رہے ہوں ان کی بیٹی اور نواسے کے ساتھ حکومت کا سپہ سالار یہ ظالمانہ رویہ اختیار کرے نا قابل فہم بات ہے۔

اس حقیقت کو ایک بار پھر واضح کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ حجاج کو ایسی رعایا سے سابقہ تھا جس میں شورو شر کا عنصر غالب تھا۔ اس صورت حال سے نمٹنے میں خود ان کے مزاج میں بڑی حد تک سختی اور درشتی آ گئی تھی۔ حجاج ہی کو ظالم، قاہر اور رعایا کو مظلوم ومعصوم قرار دینا قرین انصاف نہیں ہے۔ ساتھ ہی جن عقیدت کی مرکز شخصیتوں سے ان کی جو کشمکش ہوئی اس کا واحد سبب حکومت کے مخالفین کو دبائے رکھنے کا جذبہ تھا اور یہ کسی فسق وضلال کی بنا پر نہیں تھا۔ قرآن مجید کی عظیم خدمت اور سندھ کی فتح کا کارنامہ ایک خالص دنیا دار اور بے دین حاکم کا کارنامہ نہیں ہوسکتا۔ صرف ان دو عظیم کارناموں پر بے تعصبی سے نظر ڈالی جائے تو ماننا پڑے گا کہ حجاج میں دینداری بدرجۂ اتم تھی۔

حجاج نے عبدالملک بن مروان اور ان کے فرزند ولید بن عبدالملک کے دور میں ایسے عظیم کارنامے انجام دیئے جس کی مثال نہیں ملتی۔ دونوں خلفاء نے بھی ان کی حُسن خدمت کا پورا پورا اعتراف کیا اور بڑی قدر دانی کی۔

وفات

اقتدار کا بیس ۲۰ سالہ عرصہ جس محنت ومشقت اور جانفشانی میں گذرا اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ عمر پچاس سال سے کچھ ہی آگے بڑھی تھی کہ صحت نے جواب دیدیا۔ بہت جلد وہ صاحب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فراش ہو گئے۔ جب زندگی سے مایوسی ہوئی تو یہ فکر لاحق ہوئی کہ ولید ہی کے دور میں دنیا سے چلے جائیں اس لئے کہ ولید کے متوقع جانشین سلیمان سے ان کے تعلقات نہایت کشیدہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خواہش پوری کر دی۔ ولید کی وفات سے ایک سال قبل رمضان ۹۵ھ م جون ۷۱۴ء میں حجاج کا انتقال ہو گیا۔ حجاج نے بصرہ اور کوفہ کے درمیان ایک شہر آباد کیا تھا تاکہ دونوں علاقوں پر نظر رکھے۔ اس شہر کا نام "واسط" رکھا اور یہاں زندگی کے آخری دن گذارے۔ یہیں وفات پائی اور اسی زمین میں سپرد خاک ہوئے۔ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے جس ربّ غفور کا قانون "اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ" (سورہ ہود آیت ۱۱۴) ہے کیا عجب ہے کہ قرآن پر اعراب لگوانے اور سندھ فتح کرنے کی خدمت کو قبول فرما کر ان کی دوسری کوتاہیوں اور لغزشوں سے درگذر فرمائے۔ آخری لمحات میں جس دردانگیزی کے ساتھ توبہ واستغفار کیا اور جس طرح گڑگڑا کر اپنی مغفرت کی التجا کی اس کا اثر یہ تھا کہ سارے ہی حاضرین زار و قطار رو رہے تھے۔ حضرت حسن بصری کو جب یہ کیفیت پہنچی تو فرمایا:

"حجاج نے اپنی زبان آوری سے آخرت بھی مار لی"

یہاں تک کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد قارئین اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ اسلام کے صدر اول میں کیا واقعات پیش آئے اور ان کو کیا رنگ دیا گیا۔ عہدِ بنی اُمیہ کی کتنی ہی شخصیتیں آج ہمارے نزدیک بدنام اور مبغوض ہیں لیکن ٹھنڈے دل اور غیر جانبداری سے حالات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ شخصیتیں واقعۃً نیک نفس اور صالح تھیں۔ ان کی کردارکشی کی گئی اور انھیں جی بھر کر بدنام کیا گیا۔ ایسی شخصیتیں بھی ہیں جو بجائے خود صالح، نیک نفس اور اعلیٰ محامد ومحاسن کی حامل تھیں لیکن ان کے سیاسی اقدامات اجماع اُمت کے خلاف اور شرعی اور قانونی اعتبار سے قابل گرفت تھے۔ مورخین نے ان کی غلطیوں پر پردہ ڈالنے اور اُمت میں ان سے بھرپور ہمدردیاں وابستہ رکھنے کے لئے ان پر ظلم وستم کی داستانیں وضع کیں۔ ایسے ایسے لرزہ خیز مظالم وضع کئے کہ یہ مظلومیت کی علامت بن گئے۔

ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ مورخین کی وضع کردہ داستانوں کی بنا پر کتنی لغویتیں مسلمانوں میں رواج پا گئیں۔ ان ہی خرافات ولغویات کی وجہ سے دین کا نقشہ ہی بدل گیا۔ شدید ضرورت اس بات کی ہے حقائق پر اچھی طرح غور کر کے ان خرافات ولغویات سے اپنے دین کو پاک کریں اور اس دینِ اسلام پر قائم و مستحکم ہو جائیں جس کی اللہ کے رسولؐ نے دعوت دی اور جس پر آپؐ کے صحابہ کرامؓ تھے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

☆☆☆☆☆☆

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصنف کی چند قابل مطالعہ کتابیں

(۱)	جوامع الکلم پر نقد و تبصرہ	قیمت (۲۰) روپے
(۲)	جوامع الکلم پر مزید تحقیق	قیمت (۲۵) روپے
(۳)	استعانت بالاولیاء	قیمت (۱۵) روپے
(۴)	آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ کا شاندار فیصلہ	قیمت (۴۰) روپے
(۵)	دین تصوف وطریقت	قیمت (۱۲۰) روپے
(۶)	عقیدہ ختم نبوت کیا واقعی ہم میں راسخ ہے	قیمت (۳۰) روپے
(۷)	کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "عالم الغیب" کہا اور مانا جا سکتا ہے	قیمت (۷) روپے

کتابچے جو بلا معاوضہ ہیں

(۱) عید میلاد کیا ہے؟

(۲) حضرت خواجہ گیسو دراز کا ۶۰۰ سالہ عرس

(۳) ہندوستانی مسلمان کیا کریں

(۴) حالاتِ حاضرہ اور علماء و مشائخین کی ذمہ داریاں

(۵) شخصیت پرستی کے مضر اثرات

(۶) استعانت، استنصار و استغاثہ بغیر اللہ بالکلیہ غیر شرعی اور ناجائز

مذکور بالا کتب اور کتابچے رہائش گاہ مصنف یا

الاوراق پبلشرز سے حاصل کئے جا سکتے ہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3108, VAKIL STREET, KUCHA PANDIT, LAL KUAN, DELHI-6 (INDIA)
PH: 23216162, 23214465 FAX: 011-23211540
E-MAIL: ephdelhi@yahoo.com

81-8223-190-6